دیر پا ہونے والی نہ تھی اور اس کا مادر وطن پر کوئی مستقل اثر نہیں پڑا۔ البتہ دوسرے اور نئے انگلستان میں جوان لوگوں نے سمندر کے پار بنا لیا پوریٹنوں کے خالص دستوری خیالات آہستہ اور معتدل رفتار ترقی سے بارور ہوئے اور تمام دنیا کو اس کے ثمرے سے بہرہ اندوز کیا۔ اس بات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ پوریٹنی آباد کار صرف نیو انگلینڈ میں ہی آباد نہیں ہوئے تھے اور پوریٹینی خیالات کا امریکہ کے مستقبل پر صرف نیو انگلینڈ کے ہی وساطت سے اثر نہیں پڑا۔ انگلستان میں ۱۶۲۹ء سے لے کر ۱۶۴۰ء تک تمام معاملات بادشاہ اور لاڈ کی خواہش کے مطابق چلتے معلوم ہوتے تھے۔ آج کی طرح اس وقت کوئی اخبار نہیں تھا جمہوری اظہارِ خیال کی کوئی کل مثلاً عام جلسے سیاسی تقریریں یا فریق بندی اب تک وجود میں نہیں آئی تھیں۔ قوم کی رائے عامہ کو خود سے باخبر کرنے اور اس کو وجود میں لانے اور ایک نقطہ پر جمع کرنے اور ظاہر کرنے کے لئے اب تک مملکت میں پارلیمنٹ ہی تنہا آلہ تھا۔ بادشاہ کی حکمت عملی کی وجہ سے مخالف فریق گیارہ سال کے لئے پارلیمنٹی مواقع سے محروم ہو گیا تھا جہاں وہ اپنے کو ظاہر کرتا تھا اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ یہ بالکل بے دست و پا اور بے زبان ہو گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کم از کم اس زمانے کے لئے مالی ضروریات پر جس کی وجہ سے بادشاہ پارلیمنٹ کا محتاج تھا اور جس کی تنہا وجہ سے پارلیمنٹ کا انعقاد ضروری ہوتا تھا اچھی طرح سے قابو کر لیا گیا ہے۔

میثاق اسکاچستان جس طرح اوپر ذکر کیا گیا چارلس اول اپنے خود رایانہ قوانین سے کچھ عرصے کے لئے اپنے کو پارلیمنٹ سے آزاد کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن کوئی حکومت اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتی کہ وہ برسوں تک بغیر مالی مشکلات کے اپنا کام چلا سکے گی۔ چنانچہ قدرتی حرص و آز کے نتیجے میں چارلس کی حکومت کا بھی آخری دن آ گیا۔ لاڈ نے کلیسائے انگلستان کو ہائی چرچ فریق کے اعیانی نصب العین کے مطابق ڈھالنے کی جو کوششیں کی تھیں ان کی اس قدر شاندار اور کھلی کامیابی تھی کہ معلوم ہونے لگا کہ بادشاہ کی مسلسل تائید کے ساتھ یہی چیز اسکاچستان میں قائم کی جا سکتی ہے۔ اگر اسکاچستان میں پرسبٹری طاقت کا سر توڑا جا سکتا اور اس کی جگہ ایک مطیع و منقاد کلیسا قائم کیا جا سکتا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ بادشاہ کے اختیاراتِ شاہی اس طرح مضبوطی سے قائم ہو جاتے جس طرح وہ چاہتا تھا۔ مگر اہل اسکاچستان بھی قومی عبادت کے سخت شیدائی ثابت ہوئے۔ انھوں نے اپنا مشہور میثاق اسکاچستان مرتب کیا اور بزورِ شمشیر مخالفت پر اڑ گئے چنانچہ چارلس ایک فوج جمع کرنے اور اس کے قائم رکھنے پر مجبور ہو گیا اور یہ ایسا بار تھا کہ چارلس کا موقتی مالیہ اس کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

اس کے لئے کئی تدابیر اختیار کی گئیں۔ پہلے لندن سے بعد کو تمام ملک سے امداد طلب کی گئی اور قرضے مانگے گئے۔ اس طریقہ کار میں "عرضداشت حقوق" کی خلاف ورزی ہو ناظروری تھا۔ ایک اور قدیم محصول

زندہ کیا گیا کہ صوبوں پر فوج کی "وردی اور معاش" کی سربراہی لازم ہے "ہر تدبیر کی مخالفت ہوئی اور کوئی تدبیر بارور نہیں ہوئی۔ اب اگر اہل اسکاچستان کے غلبے کو روکنا تھا تو پارلیمنٹ ناگزیر ہو گئی تھی۔ اس وقت وینٹ ورتھ آئرستان سے واپس آگیا تھا اور اس کو عنقریب ایمبر اسٹریفرڈ کا خطاب دیا جانے والا تھا۔ اس نے پارلیمنٹ کو طلب کرنے پر زور دیا اور اس کا خیال یہ تھا کہ خواہ پارلیمنٹ بزمانہ جنگ امداد منظور کرے یا انکار کرے۔ دونوں صورتوں میں حکومت کا آزادانہ فعل بالکل حق بجانب ہو جائے گا اور بادشاہ کی حیثیت قوی ہو جائے گی۔ الغرض پارلیمنٹ بلائی گئی اور ۱۳ اپریل سنہ ۱۶۴۰ء کو اس کا اجلاس ہوا۔ اگرچہ انتخابات کے وقت یہ افواہیں گشت لگا رہی تھیں کہ پارلیمنٹ کے ساتھ بادشاہ کیسے کیا ارادے رکھتا ہے، لیکن بادشاہ کے منصوبوں کا کوئی صحیح علم نہیں تھا اور نہ یہ معلوم تھا کہ مخالفانہ رائے کس قدر طاقتور اور کہاں تک پھیلی ہوئی ہے۔ اجلاس پارلیمنٹ سے پہلے رائے عامہ معلوم کرنے کا ابھی تک کوئی طریقہ پیدا نہیں ہوا تھا۔

دارالعوام کا اجلاس ہوتے ہی یہ معلوم ہوا کہ نہ صرف فریق مخالف کی بڑی کثرت ہے بلکہ گیارہ سال کی تمام تبدیلیوں کے باوجود اس کی رہنمائی ایسے لائق پختہ کار اور دوررس لوگوں کے ہاتھ میں ہے جیسے اس کے پہلے تھی۔ اپم اور ہیمپڈن تو پیش پیش تھے لیکن دوسرے بھی کچھ ان سے کم نہیں تھے۔ پادشاہ اور اس کے ہمدردوں نے یک لخت اس بات پر زور دیا کہ روپیہ کی فوری منظوری دی جائے۔ امرا نے بھی رائے دی کہ شکایات سے پہلے روپیہ منظور ہونا چاہیے۔ عوام نے اس کی مخالفت کی اور کہا اس طرز کار سے دارالامرا رقمی مسودوں کے متعلق جو ہمارے حقوق ہیں وہ پائمال کر رہا ہے۔ پادشاہ نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اگر بارہ امدادیں منظور کی جائیں تو ان کے عوض زر سفینہ چھوڑ دیا جائے گا لیکن ایوان ٹس سے مس ہونے والا نہیں تھا۔ وہ یہ بات خوب سمجھ گئے تھے کہ اگر پادشاہ کے غیر آئینی طریقوں کا خاتمہ کرنے سے پہلے خواہ امداد منظور کی جائے گی تو اس سے ایک صریح نقصان ہوگا جب چارلس کو یقین ہو گیا کہ اس طریقے سے یہ لوگ راستہ پر نہیں آتے تو اس نے پارلیمنٹ برخاست کر دی جس کو نشست کیے ہوئے صرف تین ہفتے ہوئے تھے اور کوئی کام نہیں ہوا تھا۔

تاہم حکومت کی اس مخالفت سے عظیم الشان فائدے ہوئے۔ مخالف فریق کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ پادشاہ کے مقابلے میں کس قدر طاقتور ہے اور ملک کے عام جذبات سے اس کو کس قدر قومی تائید حاصل ہوتی ہے۔ اور اہل اسکاچستان پر یہ بات آشکار ہو گئی تھی کہ جس قوم سے وہ برسر پیکار ہونے والے ہیں وہ متحد نہیں ہے۔ دارالعوام کے اراکین جب گھر واپس ہوئے تو اس نئے عزم کے ساتھ کہ خود رایانہ حکومت

کی مخالفت کریں گے اور اس جرأت اور اعتماد کے ساتھ کہ ہم اپنے حقوق کی حفاظت کرنے کے قابل ہیں۔
اس نام نہاد "مختصر" پارلیمنٹ نے کوئی پارینٹی کام تو نہیں کیا لیکن بادشاہ کی کامیابی کے تمام راستے
مسدود کر دیئے اور دستور کا غلبہ لازمی ہو گیا۔

پارلیمنٹ کے برخاست ہونے کے بعد بادشاہ اور اسٹریفرڈ نے اپنی خاص صورت حال کی
مالی اور فوجی مشکلات کو حل کرنے کی انتہائی کوششیں کیں۔ دارالعوام کے چند اراکین اس طرح سے قید کئے گئے
کہ اس سے دارالعوام کے حقوق خصوصی پر زد نہ پڑے۔ شیرفوں کو نوری تاکید کی گئی کہ زر سفینہ اور زر رودی
و معاش" وصول کریں اور محاصل جاری کریں۔ لندن کے امیر بلدہ اور الڈرمین کو تاکید کی گئی کہ قرضے وصول
کریں۔ کلیسائی مجلس نے بادشاہ کی اسکاچستانی حکمت علمی سے ہمدردی کا اظہار کیا اور عام پیشکش وصول کرنے
کی کوشش کی۔ لندنیزوں کے خلاف جو مدد کی گئی تو اس کے بدلے اسپین سے قرض لینے کی دو مرتبہ کوشش کی گئی۔
ایک دفعہ یہ تحریک ہوئی کہ سکہ کی تلبیس کی جائے دوسری دفعہ یہ منصوبہ باندھا گیا کہ سیانوہی طلا جو
بغرض تسکیک ٹاور میں محفوظ رکھا گیا ہے اس کو ضبط کر لیا جائے۔ لیکن یہ سب طریقے بے سود ہوئے۔ ان
تمام ذرائع سے فرادہ فرادہ ایک مختصر رقم خزانہ میں جمع ہوئی۔ برخلاف اس کے مصارف روز بروز ترقی
کر رہے تھے۔ اسی اثنا میں جو فوج بھرتی کی گئی تھی اس کا بھی ایک بڑا مسئلہ درپیش ہو گیا تھا۔ یہ فوج
بالکل بے قاعدہ تھی۔ نہ ان کے پاس سامان درست تھا نہ ان کو تنخواہیں ملی تھیں۔ کسی نہ کسی طرح اسکو
فوج کے مشابہ بنانے کے لئے یہ ضروری تھا کہ اس کو لوگوں کے گھروں پر جبراً مہمان رکھا جائے
اور قانون جنگ کا سختی سے نفاذ کیا جائے اور یہ دونوں باتیں عرضداشت حقوق کے منافی تھیں اگست میں
اسکاچستانی فوج نے سرحد عبور کر لیا لیکن اس کی کوئی مزاحمت نہیں ہوئی اور یہ نارتھمبرلینڈ اور ڈرہم کے
صوبوں پر مسلط ہو گئی۔ انھوں نے اعلان کیا کہ ہم انگریز قوم پر حملہ کرنے کے لئے نہیں آئے ہیں، جو رسد
ہم تصرف میں لائیں گے ان کی قیمت ادا کر دیں گے اور لوٹ مار سے اجتناب کریں گے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ انگریز
ان کے ہمدرد ہیں۔ ان وعدوں کی انھوں نے برابر پابندی کی۔

بارہ امرا کی عرضداشت۔ اگست کے اواخر میں بارہ امرا نے متفقہ طور پر پادشاہ کی
خدمت میں ایک عرضداشت پیش کی جس کی عبارت یہ تھی "کلیسا اور مملکت نیز حضور کی ذات عظیم الشان خطرات
و آفات میں گھری ہوئی ہے"، اور التماس کیا کہ "اعلیحضرت بمراحم خسروانہ اپنی سہولت کے لحاظ سے عنقریب
ایک پارلیمنٹ طلب فرمائیں"۔ بشرط امکان اس سے بچنے کے لئے یا مہلت حاصل کرنے کے لئے چارلس نے
ایک بہت ہی قدیم مثال کا سہارا ڈھونڈا۔ یہ بات ابھی از یاد رفتہ نہیں ہوئی تھی کہ مجلس عظمیٰ کسی زمانے میں

پارلیمنٹ کے بعض فرائض انجام دیتی تھی اور پارلیمنٹ کے وجود میں آنے کے بعد بھی ایک زمانے تک اس کے اجلاس ہوتے رہے تھے۔ چنانچہ پچھلی مثال کے تتبع میں شقے جاری کئے گئے کہ ۲۴ ستمبر کو یارک میں امرا کا جلسہ ہوگا۔ مجلس عظمٰے نے اسکاچستانیوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس میں یہ طے پایا کہ اہل اسکاچستان صلح ہونے تک "شمالی صوبے اپنے ہی قبضے میں رکھیں اور ان کے اخراجات کی پابجائی میں پچیس ہزار پونڈ ماہوار دیئے جائیں گے۔ اس کے علاوہ اس مجلس نے صرف اس قدر کام کیا کہ بادشاہ کی شدید ضروریات کے لئے امرا کی ضمانت پر قرض کا انتظام کیا۔ پہلے سے معاملات بد سے بدتر ہو رہے تھے اور اس قدر سرعت کے ساتھ ہو رہے تھے کہ پارلیمنٹ سے مزید کنارہ کشی ممکن نہیں تھی، چنانچہ پارلیمنٹ بلائی گئی اور ۳ نومبر کو اس کا اجلاس شروع ہوا۔

Bibliographical Note.— A. V. Dicey, *The Law of the Constitution*, 1915. S. R. Gardiner, *The History of England, 1603–1640*, 10 vols., 1883–4. E. Jenks, *The Story of the Habeas Corpus*, Law Quart. Rev., xviii 64, 1902. C. H. McIlwain, *The High Court of Parliament*, 1910. W. Notestein, *The Staurt Period*, Repts. Am. Hist. Association, 1916, I. 391. F. H. Relf, *The Petition of Right*, 1917.

باب ۱۳

پارلیمنٹ کی فتح

"طویل العہد پارلیمنٹ" جس کے انتخاب میں پادشاہ کے مخالفوں نے ایسی کوشش کی تھی کہ زمانہ حال کے انتخاب کی شان پائی جاتی تھی اپنے پورے عزم کے ساتھ آئی تھی۔ دار العوام کے سب اراکین تقریباً متفق الرائے تھے۔ پہلے پہل ایسے اراکین جو اکثریت کے حملوں سے پادشاہ کو بچانا چاہتے تھے بہت کم تھے۔ اراکین کی اکثریت اپنے طور پر بحران کی نوعیت سے اور اس بات سے واقف تھی کہ شاہی اور پارلیمنٹی حکومت کے درمیان کونسی چیز تصفیہ طلب ہے اور اس لحاظ سے تاریخ انگلستان کے کسی بحران میں ایسی جماعت کی مثال نہیں ملتی۔ یہ چارلس کی حکومت کا جو اس وقت تک ہو چکی تھی عین نتیجہ تھا۔ اگر یہ لوگ اپنے غور و فکر اور بحث و استدلال میں جس سے وہ اپنے دعوے کو حق بجانب ثابت کرتے تھے۔ ان انتہائی اصولوں تک نہیں پہونچے تھے تو کم از کم یہ عظیم الشان ترقی کے دروازے پر ضرور پہنچ گئے تھے۔ اگر یہ لوگ نظری اعتبار سے قومی اقتدار اعلے کے کسی نظریہ تک نہیں پہنچے تھے، تو اس میں شبہ نہیں کہ اس صدی کے اختتام سے پہلے اس اصول کو ان نمایندوں کے ذریعے سے جو عوام کے سامنے جوابدہ تھے عملی جامہ ضرور پہنایا گیا اور اس نوع سے یہ تاریخ کی بالکل جدید ترقی تھی چونکہ اور قوموں نے بھی ان نتائج کی خوشہ چینی کی ہے ان معنوں میں یہ ترقی اس طالب علم کے لیے جو امریکائی دستور تصورات کا مطالعہ کرنا چاہتا ہو خاص طور پر دلچسپی رکھتی ہے کیونکہ یہی ابتدا ہے جہاں سے یہ تصورات سرزمین امریکہ میں نشو نما پانے گئے۔ عوام کو بھی یہ

توقع تھی کہ ہم پادشاہ کے خلاف بلاتوقف انتہائی کارروائی کرسکتے ہیں کیونکہ اسکاچستانی فوج جس کے
متعلق یہ معلوم تھا کہ یہ عوام کی ہمدرد ہے، شمالی انگلستان میں اپنا پڑاؤ ڈالے ہوئے تھی اور اطلاع پاتے
ہی ایک لمحہ میں لندن پر دھاوا بولنے کے لئے تیار تھی۔

اسٹریفرڈ کا مواخذہ۔ دارالعوام کا پہلا کام اسٹریفرڈ کا مواخذہ تھا۔ یہ شخص پادشاہ
کی فوری طلب پر باول ناخواستہ شمال سے لندن آیا تھا اور پادشاہ نے اس کو یقین دلایا تھا کہ "اس کی
ذات، ناموس اور ترقی کو کوئی دھکا نہیں لگے گا"۔ تیسری نومبر کو پارلیمنٹ کا افتتاح ہوا۔ گیارھویں کو اسٹریفرڈ
گرفتار کیا گیا اور زیر حراست رکھا گیا۔ لیکن پادشاہ نے مواخذہ روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس میں
شک نہیں کہ اس شخص کے خلاف کچھ ذاتی بغض وعناد بھی تھا کیونکہ پادشاہ کے مخالف اس کو مرتد سمجھتے تھے
کہ یہ ان کے حلقے سے نکل گیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ لوگ اس کی قابلیت سے بھی ڈرتے تھے اور یہ بات بھی
صحیح ہے کہ یہ لوگ اس شخص کے توسط سے خود پادشاہ پر وار کرنا چاہتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ اس طریقے سے
دو اقتداروں کے اساسی تضاد کا مسئلہ روشنی میں آگیا۔ الزام غداری کا تھا۔ لیکن تاریخ انگلستان میں
اس وقت تک غداری کے معنے صرف اس جرم کے لئے جاتے تھے جو پادشاہ کی ذات کے خلاف عمل
میں آئے۔ اگر اقتدار اعلیٰ درحقیقت پادشاہ کی ذات میں موجود ہے تو ظاہر ہے کہ غداری ایسا جرم ہوگا جو
پادشاہ کے خلاف صادر ہو۔ اس میں ایک منطقی الجھن تھی اور یہ پرانے طریقہ تخیل سے حل ہونے والی چیز نہیں
تھی۔ پارلیمنٹ اور اس کی کشمکش میں اسٹریفرڈ پادشاہ کا زبردست مؤید تھا اس لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ
اس سے پرانے مفہوم میں کوئی غداری سرزد ہوتی۔ اب ایک ایسی چیز نکالنا تھا جس سے دارالامرا
قائل ہو جائے کیونکہ سنگین جرم کی سماعت کرنا انہی کا کام تھا اور دارالامرا کو قانون کی کھینچ تان کے متعلق
پس وپیش ہو رہا تھا کہ آیا ہم ایک شخص کو جس نے نہایت وفاشعاری کے ساتھ پادشاہ کی خدمت کی ہو
اور خود پادشاہ اس کا معترف ہو ایمانداری کے ساتھ غداری کا مجرم ٹھیرا کر سزائے موت دے سکتے ہیں۔
اگر یہ نہیں ہوسکتا تو پھر کامیاب مواخذے کی امید چھوڑنی پڑتی تھی۔

اس دوطرفہ مشکل سے مجبور ہو کر دارالعوام کے رہنماؤں نے اپنے مقدمہ کو ایسے الفاظ میں مرتب
کرنے کی کوشش کی کہ اگر وہ دستور اعظم کے اس صحیح تاریخی اثر سے جو پچھلی تشکیلی صدیوں میں ظاہر ہوتا رہا
تھا اسی طرح واقف ہوتے جس طرح وہ اس کے خاص دفعات کو جاننے کا دعویٰ کرتے تھے، تو وہ
اس مقدمہ کو دستور اعظم پر قائم کرتے۔ اگرچہ اس وقت سے جب کہ سابق پادشاہ نے اس مسئلہ کو اپنی سمجھ
کے مطابق اپنے الفاظ میں ظاہر کرنا شروع کیا تھا پارلیمنٹ میں بہت کچھ بحث مباحثہ ہو چکا تھا

لیکن پھر بھی اراکین اپنے فعل کے نتائج سے اچھی طرح واقف نہیں تھے۔ غالباً یہ لوگ صرف اس کی خاص صورت اور اس کے اشکال پر غور کرتے ہوں گے حالانکہ اساس حکومت کے متعلق پہلے سے غور و فکر شروع ہو چکی تھی اور فریق مخالف کے عمومی طبقے نے تو اس مسئلے کو چند ہی دنوں میں بہت دور پہنچا دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے الزام غداری کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش اور ترکیب میں دو چیزوں کو باہم ملا دیا تھا۔ ایک اساسی اصول جن پر دستور اعظم بنی تھا اور دوسرے وہ اصول جن پر مواخذے کا دار و مدار تھا۔ اگر قانون کا کوئی ایسا مجموعہ موجود ہے جس کی پابندی پادشاہ پر لازم ہے اور اگر عدم پابندی پر پادشاہ کو تخت سے اتارا جا سکتا ہے اور مملکت میں اس کا وجود ہی باقی نہیں رہتا تو ایسی صورت میں یہ یقینی ہے کہ اس بے دستور سچ کا شخص یعنے وزیر جو اس عدم پابندی میں پادشاہ کی تائید کرے اور اس کی صفائی میں مواد پیش کرے از روئے انصاف اس کو غداری کی سزا بھگتنی چاہئے۔ دراصل وہ یہی کر رہے تھے مگر یہ چیز ان کی سمجھ میں پورے طور پر نہیں آئی تھی اور یہ استدلال ابھی ان کی پہنچ سے باہر تھا۔ یہ لوگ اب تک تاریخ دستور کی بہت تنگ تاویل کرنے کے عادی تھے گو اس کے معنے کے سمجھنے میں جلد جلد ترقی ہو رہی تھی۔

جب عوام نے امراء کے سامنے مقدمہ پیش کیا تو پم نے یہ کہا کہ اسٹریفرڈ نے اساسی قوانین ملک اور رعایا کی آزادی پر حملہ کیا ہے اور ان کو الٹ دینے کی کوشش کی ہے اور اس طریقے سے غداری کا ارتکاب کیا ہے۔ جب اسٹریفرڈ کے کسی فعل میں پادشاہ کے خلاف غداری کی کوئی صورت نظر نہیں آئی تو پھر مسودہ قانون تعزیری میں الفاظ کی یوں ترتیب دی گئی کہ "سنگین غداری اس طرح ہے کہ سرکار عالی کی سلطنت انگلستان و آئرستان کی حکومت کے قدیم اور اساسی قوانین کو پلٹنے اور سلطنت مذکورہ میں خلاف قانون شخصی اور جابرانہ حکومت کو جاری کرنے کی کوشش کی ہے۔" اس بات کی صراحت نہیں کی گئی کہ غداری کس شخصیت اور کس چیز کے خلاف ہے چونکہ مواخذے کی صورت تو ایسی واضح نہیں تھی جس سے امرا کو تشفی ہو جاتی اس لئے اس کی جگہ مخصوص قانون تعزیری کو لانا پڑا۔ اس شکل سے بھی امرا کو خاطر خواہ اطمینان نہیں ہوا۔ چنانچہ سازشوں اور بلووں کا چرچا کر کے اور لندن کے پیورٹن انبوہ کا دباؤ ڈالکر معدودے چند اراکین سے اس مسودے کو منظور کرایا گیا اور انہیں ذرائع سے پادشاہ کے دستخط لئے گئے۔ اس کارروائی سے پہلے اسقف اعظم لاڈ، لارڈ کیپر فنچ اور دوسرے چھ عادلوں کا جنھوں نے محصول جہاز کے سلسلے میں ہیمپڈن کے خلاف فیصلہ صادر کیا تھا مواخذہ کیا جا چکا تھا۔

اس کے ساتھ ہی بڑی تیزی سے قوانین پاس ہونے لگے۔ اس وقت کے پاس کیئے ہوئے قوانین کی اہمیت اور مختصر وقت کا لحاظ کرتے جو اس میں صرف ہوا پارلیمنٹی تاریخ میں ان کی کوئی نظیر نہیں مل سکتی۔ اس قانون سازی کی شان زیادہ تر تخریبی تھی۔ اس سے بادشاہ کی خود رایانہ حکومت کے ادارات اور ناجائز ذرائع مالگزاری جو بادشاہ نے بنا لئے تھے سب سلب کر لئے گئے۔ چونکہ اس قانون سازی سے دستور کی حفاظت عمل میں آ رہی تھی اور آنے والے زمانے کی تشکیل ہو رہی تھی، اس لحاظ سے یہ تخریبی قانون سازی بڑی حد تک تعمیری تھی۔ پارلیمنٹ ۱۶۴۰ء ۳ نومبر کو بیٹھی اور دس مہینوں کے اجلاس کے بعد ۱۶۴۱ء ستمبر کے اوائل کے بعد اسکا التوا ہوا۔

انتہائی ترمیمات۔ سب سے پہلے قانون کا منشا یہ تھا کہ پارلیمنٹوں کے باضابطہ اجلاسوں کا تعین کیا جائے۔ اس قانون کے ذریعے سے یہ قاعدہ بنایا گیا کہ کم از کم تین سال میں ایک مرتبہ پارلیمنٹ کا اجلاس ہونا چاہیے۔ قرارداد یہ ہوئی کہ اگر تیسرے سال ستمبر کی تیسری تاریخ سے پہلے پارلیمنٹ نہ بلائی جائے۔ تو بغیر بادشاہ کی منظوری کے نشفے جاری ہونے چاہئیں یا انتخاب ہونا چاہیے اور پارلیمنٹ کو نومبر کے دوسرے دوشنبہ کو نشست کرنی چاہیے یہ بھی قرار پایا کہ کسی پارلیمنٹ کو اجلاس کے پچاس دن کے اندر خود اسی کی منظوری کے بغیر برخاست اور ملتوی نہ کیا جائے لیکن پارلیمنٹ کی میعاد تین سال کر دی گئی۔ اس دفعہ نے پرانے دستور کو جو قدیم زمانے سے چلا آ رہا تھا بدل دیا۔ اگر چہ بظاہر اس کی دفعہ نہیں بتائی گئی لیکن یہ اصول مستقل ہو گیا۔ چند دنوں کے بعد پارلیمنٹ نے دوسرے انقلابی قوانین وضع کئے اور اس سلسلے میں ایک اور قدم آگے بڑھایا کہ زیر اجلاس پارلیمنٹ کو خود اس کی مرضی کے بغیر ملتوی کیا جائے نہ برخاست۔ اس سے بادشاہ کے اتنے اختیارات سلب ہوئے تھے جو سابق مسودے سے بھی نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ روزمرہ کے جو ہتھیار بادشاہ پارلیمنٹ کے خلاف استعمال کرتا تھا وہ سلب ہو گئے۔ لیکن یہ چیز بادشاہ کے سامنے اس وقت آئی جب کہ بادشاہ اسٹریفرڈ کی سزائے قتل کی وجہ سے جذبے میں بھرا ہوا تھا، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اس پر زیادہ سوچ بچار کئے بغیر دستخط کر دیئے۔ ممکن ہے کہ یہ قانون انقلابی کہا جائے اس لئے کہ اس سے بادشاہ کے دستوری اختیارات سلب ہوتے تھے لیکن بادشاہ کے دستخط کے بعد یہ قانون موضوعہ ہو گیا۔ بلا اختیار پارلیمنٹ ٹنانہ و رطلانہ کی تحصیل ناجائز قرار دی گئی۔ زر سفینہ کا قاعدہ منسوخ کر دیا گیا۔ جبری مبارزت اور جنگلات کی بدعنوانی مسدود اور شاہی سربراہی کا حق محدود کر دیا گیا نیز شاہی اختیار سے فوج کی جبری بھرتی بند کر دی گئی اور دونوں ایوانوں کی قرارداد سے (جو قانون

موضوعہ نہیں تھا) اس بات کا اعلان کیا گیا کہ عادل عمر بھر یا اس وقت تک جب تک کہ وہ اپنا رویہ درست رکھیں برسر خدمت رہیں گے، لیکن یہ اصلاح مستقل ثابت نہیں ہوئی۔

یہ تبدیلیاں اہم ضرور تھیں اور یہ خودرایانہ حکومت کے جو شاہان اسٹوارٹ اب تک استعمال کرتے آئے تھے راستے مسدود کرتی تھیں۔ لیکن ان سب سے اہم ایک اور چیز تھی۔ کونسل کے خاص عدالتی اختیارات اور ان خاص عدالتوں کے متعلق جو کونسل سے پیدا ہوئے تھے پارلیمنٹ نے جو کیا وہ ایک انتہائی دستوری ترمیم تھی جو اس اجلاس میں عمل میں آئی اور جس شکل میں وہ ترمیم ترتیب دی گئی تھی وہ بالکل مستقل ثابت ہوئی۔ پادشاہ کی کونسل کے غیر معمولی اختیارات عدالت موقوف کر دئے گئے جو اختیار خصوصی کے مظہر ہونے کی وجہ سے قانون عرفی سے برتر تھے اور زمانۂ سلطنت کے قیام کے زمانے سے چلے آتے تھے۔ بارھویں صدی میں اس کونسل میں انگلستان کے زمانۂ حال کا جملہ قانون عرفی اور قانون دادرسی پیدا ہوا تھا۔ اس کے لئے جو قانون بنایا گیا اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"خود اعلیٰحضرت اور پریوی کونسل میں سے کسی کو بھی اس بات کا حق نہیں ہوگا کہ مسودہ انگریزی عرضداشت احکام اور فرد جرم یا کسی اور خودرایانہ طریقوں سے عدالتی اختیارات اور اقتدار کام میں لاکر سلطنت ہذا کی رعایا کی اراضی، املاک، جائداد موروثی اور اثاثہ، مویشی کے متعلق تحقیقات اور استفسار کرے اور ان کا تعین کرے یا ان کو فروخت کرے۔ بلکہ ان چیزوں کی سماعت اور تعین مروجہ عدالتہائے انصاف میں مروجہ طریقۂ قانون سے عمل میں آئے گی۔"

شمال اور ویلز کی کونسلیں اور پریوی کونسل کے مروجہ عدالتی اختیارات سلب کر دئے گئے۔ گو کونسل اب بھی کسی کو گرفتار کر سکتی تھی اور سماعت کے لئے ملزم کو پیش کر سکتی تھی۔ لیکن سماعت کا مروجہ عدالتوں میں عمل میں آنا ضروری ہو گیا۔ کونسل کے وہ اختیارات مرافعہ سلب نہیں کئے گئے جو انگلستان کے باہر جزائر و دیار جیسے مقامات کے لئے قائم ہو چکے تھے۔ ماموریہ اعلیٰ کی مذہبی عدالت جس کو لاڈ ہیو پیوریٹنوں کی تعذیب کے لئے استعمال کرتا تھا ایک علیٰحدہ قانون کے ذریعے برخاست کر دی گئی۔ یہ قوانین سنہ ۱۶۶۰ء کی شاہی بحالی کے زمانے میں بھی جاری رہے۔ کونسل کے بچے کھچے اختیارات مرافعہ جو اس کے قدیم عدالتی اختیارات میں سے باقی رہ گئے تھے۔ انھیں پر زمانۂ حال کے وہ عدالتی فرائض قائم ہیں جو کونسل کو حاصل ہیں۔ دستوری نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو بہ نسبت دوسرے قوانین کے جو بغاوت عظمیٰ کے دوران میں پاس ہوئے یہی قوانین ہیں جو انگلستان میں ہمیشہ کے لئے ایسی حکومت حاصل کرنے کے باعث ہوئے جو زمانۂ حال میں قانون

کا راج کہلاتا ہے، یعنے بادشاہ پر قانون کی فوقیت اور اس طریقے سے مطلق العنانہ ملوکیت ناممکن ہوگئی سچ تو یہ ہے کہ ان قوانین نے اختیاراتِ خصوصی کا، جس طرح وہ قرونِ وسطیٰ میں سمجھے جاتے تھے) خاتمہ کر دیا اور ان سے واضح ہوتا ہے کہ اس زمانے کی تخریبی قانون سازی بڑی حد تک تعمیری تھی۔

یہ تدابیر سب کافی تحقیقات کے بعد اختیار کی گئیں تھیں لیکن میقات اجلاس ابھی آدھی بھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ باہمی اختلافات ظاہر ہونے لگے جن سے آگے چلکر دار العوام دو حصوں میں اور سلطنت دو برابر کے فرقوں میں تقسیم ہوگئی۔ دسمبر کی ۱۱ تاریخ کو لندن کی طرف سے ایک عرضداشت پیش ہوئی کہ اساقفہ برخاست کر دئے جائیں اور چند ہفتوں کے بعد ایک اور درخواست جس پر ایک ہزار پادریوں نے دستخط کئے تھے۔ اس غرض سے پیش ہوئی کہ کلیسا کی اسقفی حکومت میں اصلاح کی جائے۔ ان درخواستوں کے پیش ہونے کے بعد جو بحث ہوئی اس کی ایوان میں پر زور تائید ہوئی لیکن ساتھ ہی مذہبی مسائل پر اختلاف آرا اور اختلاف جذبات بھی ظاہر ہوا اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تعداد اراکین دو مخالف شقوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک طرف پیوریٹن تھے جنکو پارلیمنٹ کے کاروبار میں پریسبیٹرین سمجھنے چاہئیں یہ لوگ کلیسا کے اسقفی دستور کو بالکل توڑ دینا چاہتے تھے۔ دوسری طرف کلیسائی فریق تھا جو یہ چاہتا تھا کہ کلیسا سے متعلق جو جو چیزیں چلی آرہی ہیں اکثر جوں کے توں رہیں لیکن اس امر میں کہ مسلمہ بدعنوانیوں کی کہاں تک اصلاح ہونی چاہئیے یہ دو سر اگروہ باہم متحد نہیں تھا اس مسئلے میں بہت کم اختلاف آرا تھا کہ اساقفہ کو پارلیمنٹ میں ہمیشہ قانون سازی کا حق حاصل رہے۔ اگرچہ عوام نے ان کے اخراج پارلیمنٹ کا مسودہ تیار کر لیا تھا جس کی دار العوام میں بہت کم مخالفت ہوئی تھی لیکن امرا نے اس کو رد کر دیا۔ ایک اور انتہائی تجویز "جو قانون بیخ و بن" کے نام سے موسوم ہے یہ تھی کہ کلیسا کے اسقفی دستور کا بالکلیہ خاتمہ کر دیا جائے لیکن اس کو عوام نے پاس نہیں کیا۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ فرقہ داری تقسیم کی جو داغ بیل پڑی تو اس کا باعث وہ اختلاف آرا تھا جو کلیسائی حکومت اور طرز عبادت سے متعلق تھا اور پھر جو فریق بعد کو بادشاہ کی تائید پر اڑ گیا تو اس کے وجود میں آنے کا باعث بادشاہ کے ساتھ وفاشعاری سے زیادہ کلیسا کی وفاشعاری تھی لیکن اجلاس پارلیمنٹ کے اختتام کے قریب اُن لوگوں کی تعداد، علانیہ بڑھ رہی تھی جو سمجھتے تھے کہ بادشاہ سے غیر معمولی مطالبات نہیں ہونے چاہئیں۔ جب ۲۰ اکتوبر ۱۶۴۱ء کو پارلیمنٹ کا دوبارہ اجلاس ہوا تو وہ لوگ جو انتہائی تجاویز کے مخالف تھے تقریباً آدھے ہو گئے تھے

شکوۂ اعظم۔ پارلیمنٹ کے شروع ہونے کے بعد ہی قوت آزمائی کا موقع آگیا۔

ستمبر کے التوائے اجلاس کے کچھ دنوں پہلے چارلس اسکاچستان گیا تھا اور وہاں یہ انتظام کرنے کی کوشش کی تھی کہ یہاں سے اس کو انگریز دشمنوں کے خلاف مدد مل سکے ۔ گو اس معاملہ میں وہ کامیاب نہیں ہوا لیکن اس کوشش سے ایک تازہ خوف پیدا ہو گیا کہ ممکن ہے کہ وہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جائے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مخالف فریق کے رہنما ایک وثیقہ تیار کرنے بیٹھ گئے جو شکوہ اعظم کہلاتا ہے ۔ اس کے دو پہلو تھے ۔ ایک اپنا بچاؤ اور دوسرے آئندہ کارروائی کا پیش نامہ ۔ وہ فریق جو اس بات پر اڑا ہوا تھا کہ کلیسا اور مملکت میں استیصالی تغیرات ہونے چاہئیں شکوہ اعظم کو قوم کی خدمت میں ایک التماس سمجھتا تھا ۔ یہ ایک طولانی وثیقہ ہے اور اس زمانے کے دستور کے مطابق کچھ زیادہ مربوط نہیں ہے ۔ اس میں پہلے چارلس کی خلاف ورزیاں گنائی گئی ہیں ۔ اس کے بعد یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ کس قدر اصلاح عمل میں آئے اور پھر جو چیزیں تکمیل طلب تھیں ان کا خاکہ کھینچا گیا ہے ۔ موجودہ دستور کے نقطۂ نظر سے اس میں سب سے زیادہ دلچسپ تجویز یہ تھی کہ بادشاہ کے وزرا وہ لوگ ہوں "جن پر پارلیمنٹ اعتماد کر سکے"۔ تین سو رایوں میں صرف گیارہ کی کثرت رائے سے اس کو پاس کر لیا گیا

چارلس قریب قریب اسی وقت اسکاچستان سے واپس آیا تھا اور چند دنوں کے بعد اس نے شکوہ اعظم کا یہ جواب دیا کہ "میں تقرر وزرا کے اختیار کو جو بادشاہ کا عین حق ہے کبھی نہیں چھوڑ سکتا اور میں نہیں سمجھتا کہ کونسل میں کوئی ایسا خراب فریق ہے جس کے متعلق شکوہ اعظم میں بدچلنی کا الزام لگایا گیا ہے ۔ اور جو کچھ بھی کیا گیا تھا اس کے متعلق بادشاہ نے خود اپنے آپ کو ذمہ دار قرار دیا ۔ چند دنوں کے بعد اس نے ایک سخت عملی غلطی کی ۔ وکیل سرکار کو حکم دیا کہ امرا کے سامنے دارالعوام کے پانچ اراکین کے خلاف مواخذے کی کارروائی چالان کرے کہ انھوں نے غداری کی ہے ۔ چونکہ امرا نے فوراً ہی کارروائی شروع نہیں کی تو بذات خود ان لوگوں کو گرفتار کرنے کے لئے دارالعوام میں آ گیا ۔ وہ لوگ چل دئے تھے ، اسپیکر نے بادشاہ کو کوئی جواب دینے سے انکار کر دیا اور آخر کار بادشاہ کو ناکام واپس ہونا پڑا ۔ اس وقت چارلس نے جو طریقے اختیار کئے اگر ان کی قانون سے تائید ہوتی تھی تو وہ قانون اس قدر دقیانوسی ہو گیا تھا کہ عرصے سے متروک ہو چکا تھا ۔ چنانچہ پارلیمنٹی حقوق کی پائمالی اور خلاف ورزی پر بڑا سخت احتجاج کیا گیا ۔ اس کا اثر صرف یہ ہوا کہ جذبے کی آگ اور بھڑک اٹھی اور ملک خانہ جنگی کی طرف تیزی سے بڑھنے لگا ۔ بادشاہ لندن سے چل دیا اور دونوں فریق ناگزیر چارہ کار کے لئے تیاری کرنے لگے ۔ شاہی فریق کی

طاقت ان لوگوں کے اضافہ سے جو فطرتاً تخت و تاج کی وفاداری کی طرف مائل تھے اور زیادہ تر ان لوگوں سے جو کلیسا کے پیوریٹنی اقتدار کے مخالف تھے برابر بڑھ رہی تھی۔

واقعی خانہ جنگی اس مسئلے سے شروع ہوئی کہ قومی فوج جو دراصل انگلستان کی منظم فوجی طاقت تھی کس کے زیر اقتدار ہو، اور اس معاملے میں دارالعوام نے جو کارروائی کی تو اس میں انھوں نے عوام الناس کے اقتدار اعلیٰ کے اصول کی طرف ایک اور قدم آگے بڑھایا۔ جب پادشاہ نے پورے عزم کے ساتھ اس مسودے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ فوجی عہدہ داروں کا تقرر اور ذمہ داری پادشاہ کے ہاتھ سے نکل کر پارلیمنٹ کے ہاتھ میں چلی جائے تو دارالعوام نے اپنی خواہش کو اس ذریعے سے جسے اس نے "حکم" (Ordinance) کا نام رکھا، پورا کرنا چاہا۔ اس میں انھوں نے یہ خیال کیا کہ قدیم زمانے میں غیر پارلیمنٹی قانون سازی بھی ہوتی تھی جو اس نام سے موسوم تھی لیکن وہ یہ بات بھول گئے کہ یہ "احکام" جو چودھویں صدی میں صادر ہوتے تھے وہ پارلیمنٹ کی طرف سے نہیں ہوتے تھے بلکہ پادشاہ اور کونسل یا امرا کی طرف سے صادر ہوتے تھے جس میں عوام شامل نہیں ہوتے تھے۔ لیکن اس اصطلاح کا یہ غلط استعمال قدیم طرز کی بحث و استدلال کا بہترین نمونہ ہے جو اس وقت فریقین کی تائید میں استعمال کیے جاتے تھے۔ عوام نے اپنے فعل کی تائید میں کہ ان کو پادشاہ کی باضابطہ منظوری کے بغیر قانون سازی کا حق حاصل ہے یہ اعلان کیا کہ "اس سلسلے میں ہم جو کچھ کرتے ہیں اس پر شاہی اقتدار کی چھاپ لگی ہوئی ہے خواہ حضور غلط مشورے سے متاثر ہو کر اپنے طور پر اس کی مخالفت اور اس میں دست اندازی کیوں نہ کریں۔ کیونکہ پادشاہ کی اعلیٰ و ارفع خواہشیں عدالت عالیہ اور کونسل میں پوری ہوتی ہیں اور انھی میں ان کا اعلان کیا جاتا ہے، اور بہ نسبت اس کے کہ یہ پادشاہ کے خود ذاتی فعل و ارادے سے عمل میں آئیں یہ یقیناً نہایت ہی ممتاز طریقہ ہے اور اس میں زیادہ قطعیت ہے"۔

ان الفاظ سے عوام الناس اور پارلیمنٹ کے اقتدار کی خاطر خواہ وضاحت نہیں ہوتی۔ لیکن اگر علمی طور پر ان الفاظ کی تائید کی جائے تو وہ صرف اس طرح ہو سکتی ہے کہ پارلیمنٹ ہی عوام کے اقتدار کی مظہر ہے۔ ان الفاظ کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ اقتدار اعلیٰ یعنی اعلیٰ اور آخری فیصلے کا حق پارلیمنٹ استعمال کرتی ہے نہ کہ وہ شخص جس کو مقتدر ہونے کا نام و لقب حاصل ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ موجودہ حکومت انگلستان کی یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ پادشاہ کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کو کسی سیاسی مسئلے میں اپنے وزرا کے بغیر ارادے یا رائے کا بھی حق نہیں۔

اصل جنگ شروع ہونے سے پہلے پارلیمنٹ نے پادشاہ کے سامنے حکومت کی جدید اصلاح

کے لئے اپنے آخری مطالبات پیش کئے۔ جو "انیس تحریکات" کہلاتی ہیں۔ یہ ایک بہت ہی دلچسپ
دستاویز ہے جو نہایت ہشیاری سے تیار کیا گیا تھا۔ اس کے واضح اور باضابطہ الفاظ سے وہ خیالات ظاہر
ہوتے ہیں جو بادشاہ کی کشمکش سے پیدا ہو گئے تھے کہ مملکت کو کس قسم کا دستور ملنا چاہیئے۔ یہ کوئی مکمل دستور
نہیں ہے تاہم ایک اچھی بنیاد ہے جس پر آسانی سے دستور کی عمارت کھڑی کی جا سکتی تھی۔ اس میں
یہ اصول قرار دیا گیا تھا کہ نہ صرف اقتدار اعلیٰ بلکہ روزمرہ حکومت کے تمام تفصیلات کی باگ
پارلیمنٹ کے ہاتھ میں دیدی جائے کیونکہ گو دستاویز میں اس انتقال حکومت کو واضح الفاظ میں نہیں ظاہر
کیا گیا مگر نتیجہ فوری یہی نکلتا ہے۔ حکومت میں براہ راست کام کرنے والی طاقت پادشاہ نہیں بلکہ خود
پارلیمنٹ ہو جاتی تھی۔ اس حد تک نتیجہ تقریباً وہی ہوتا جو موجودہ وقت انگریزی دستور میں پایا
جاتا ہے لیکن طریق کار بالکل مختلف تھا۔ ہر چیز پارلیمنٹ کی براہ راست کارروائی سے انجام
پاتی اور پارلیمنٹ کے سامنے براہ راست ذمہ دار ہوتی۔ "انیس تحریکات" کے متعلق
سمجھا جاتا ہے کہ یہ قواعد اکسفورڈ کی جدید اشاعت ہے اور سچ تو یہ ہے کہ یہ بھی ایک قرون وسطیٰ کی سی
چیز تھی جس سے پادشاہ کے اختیارات بذریعہ ادارات محدود کرنے کی کوشش تھی۔ قرار دیا یہ بھی
گیا کہ پریوی کونسل کے تمام اراکین بڑے عہدہ دار اور بڑے عادل پارلیمنٹ کی طرف سے مامور ہوں،
کوئی امیر بغیر پارلیمنٹ کی منظوری کے دارالامرا میں نشست نہ کرے اور رائے نہ دے، قلعے اور
فوج پارلیمنٹ کے ہاتھ میں ہوں اور کلیسا کی ایسی اصلاح ہو جیسے پارلیمنٹ مشورہ دے۔ غالباً
پارلیمنٹ کے رہنما اس بات کے متوقع نہیں تھے کہ پادشاہ ان تحریکوں کو منظور کرے گا۔

انڈی پینڈنٹ فریق: جنگ کا نتیجہ پادشاہ کے خلاف ہوا۔ دو سال سے کچھ ہی زیادہ
ہوئے تھے کہ پادشاہ اپنے مخالفین کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گیا۔ لڑائی کے دوسرے دور میں جو
اس کے بعد واقع ہوا پریسبیٹری پیورٹن اور ان کے اسکاچستانی حامی جو قومی کلیسائی تنظیم کو بچانا چاہتے
تھے شکست کھا گئے اور پیورٹن فرقے کا عمومی گروہ یعنے خودمختار جو اپنی مذہبی تعلیم کی وجہ سے "اجتماع پسند"
منتقدی بھی کہلاتا ہے ۱۶۴۷ء کے آخر میں تنہا اختیارات کا مالک ہو گیا تھا۔

یہ لوگ مذہبی اور سیاسی دونوں شعبوں میں اصولاً عمومی خیالات رکھتے تھے اپنے کلیساؤں
میں یہ لوگ اپنے خیالات کو اس حد تک عملی جامہ پہنا سکتے تھے کہ نہ صرف ہر مقامی کلیسا کو خود اس کے
اراکین کے زیر اختیار کر دیا تھا بلکہ فرداً فرداً ہر کلیسائی تنظیم کو ایک اکائی قرار دے کر بیرونی اقتدار
سے بے نیاز کر دیا تھا۔ ان خیالات کے عملی مظاہرے کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ یہ لوگ ان اختلافات کی وجہ سے

جو سترھویں صدی میں اہم سمجھے جاتے تھے لیکن آج ان کی اہمیت اس قدر محسوس نہیں ہوتی بے شمار فرقوں میں بٹ گئے یہ پروٹسٹنٹ اساسی دعوے کی انتہائی تکمیل تھی کہ عقائد میں کسی اقتدار کو دخل دینے کا حق نہیں ہے۔ اس اعتبار سے یہ لوگ اپنے زمانے کے پروٹسٹنٹوں میں انتہا پسند تھے لیکن ایک دوسرے اعتبار سے یہ لوگ سترھویں صدی کے خاص پروٹسٹنٹ مذہب کی بہت کم نمایندگی کرتے ہیں کیونکہ ان لوگوں نے مذہبی معاملات میں بھی پروٹسٹنٹ مذہب کو اس کے منطقی نتائج تک پہونچا دیا تھا اور جس طرح وہ سیاسی آزادی کو مانتے تھے بالکل اسی طرح مذہبی آزادی کے معتقد تھے۔ وہ اس بات کے معتقد تو نہیں تھے کہ ان کے لئے کوئی مرکزی کلیسا ہو لیکن اگر ہو تو اس پر ان کو اعتراض بھی نہیں تھا بشرطیکہ تمام گرجا اس طرح آزاد ہوں کہ جس طرح وہ بہتر سمجھیں اپنی تنظیم کر سکیں لیکن مذہبی آزادی کے عملی جامہ پہنانے میں ان کے خیالات اس قدر معقول نہیں تھے اور نہ ہو سکتے تھے جس قدر کلیسائی حکومت میں سرکاری مذہب سے وہ بیحد بدظن تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ ملوکیت یا کیتھولک مذہب کی طرف مائل ہے اور اکثر صورتوں میں انھوں نے اپنی رواداری کو پروٹسٹنٹ مذہب سے باہر جانے نہیں دیا۔ تاہم ان لوگوں کے یہی سیاسی نظریے بہت بحث مباحثوں کے بعد جو فوج کی خانگی مجلسوں میں ہوتے تھے اور مختلف شکلوں میں شائع ہو کر صورت گیر ہو گئے تھے اس وقت کارآمد ہوئے کیونکہ انھیں کی مدد سے وہ تصورات جو جیمز اول کی تخت نشینی کے بعد سے رفتہ رفتہ ظہور پذیر ہوتے رہے ہیں قریب قریب اپنی منطقی حد تک پہنچ گئے اور قریب قریب ان نتائج تک پہنچ گئے جو سب سے پہلے امریکہ نے حاصل کئے اور ہمیشہ کے لئے قائم کر دئے۔ دوسری خانہ جنگی کے اوائل میں یہ خود مختار گروہ کرامویل کی فوج پر اور پرسبٹری پارلیمنٹ پر قابض تھے فاتح فوج جب میدان سے واپس ہوئی تو وہ ایک طرف بادشاہ پر اور دوسری طرف پرسبٹری ہیوڈنوں پر سخت برافروختہ تھی۔ اور انھی دونوں کو ایک ساتھ وہ دوسری خانہ جنگی کی غیر ضروری قربانیوں کا ذمہ دار سمجھتی تھی چنانچہ اس نے فوراً ان دونوں کے خلاف کارروائی شروع کر دی پہلے تمام پرسبٹری۔ پارلیمنٹ سے خارج کر دئے گئے۔ ۶ دسمبر ۱۶۴۸ء کو کرنل پرائڈ نے فوج کے ایک دستے کو ایوان کے دروازے پر کھڑا کر کے چند اراکین کو گرفتار کر لیا اور دوسروں کو باہر نکال دیا چنانچہ طویل العہد پارلیمنٹ میں صرف "خود مختار" باقی رہ گئے اور یہ اصلی تعداد کا کوئی آٹھواں حصہ تھا۔ یہ درحقیقت ایک از کار رفتہ تلچھٹ تھا جو "رمپ" کے نام سے موسوم ہوا۔ دوسرا کام انھوں نے یہ کیا کہ بادشاہ کی غداری کی سماعت کے لئے ایک عدالت ترتیب دی جو اپنے اساسی

خصوصیات کے اعتبار سے "عدالت انجم" سے غیر مماثل نہیں تھی جس کو یہ لوگ پہلے ہی برخاست کر چکے تھے۔ پادشاہ کے خلاف بھی اسی مفہوم میں غداری کا الزام لگایا گیا جس طرح اسٹرافرڈ پر لگایا گیا تھا یعنے حاکم اعلیٰ کے خلاف نہیں بلکہ قوم اور قانون کے خلاف غداری ثابت کی گئی عدالت کے سامنے انھوں نے باضابطہ الزام اس طرح پیش کیا "چارلس اسٹوئرٹ موصوف جو انگلستان کا حکمران تسلیم کر دیا گیا تھا اور محدود اختیارات اس کے تفویض کئے گئے تھے تاکہ ان اختیارات کو اور طرح نہیں بلکہ ملک کے قوانین کے مطابق کام میں لائے۔ لیکن اس نے برے ارادے سے اپنے میں غیر محدود اور جابرانہ اختیارات جمع کرنے کی کوشش کی تاکہ اپنی خواہش کے مطابق حکومت کرے اور قوم کے حقوق اور آزادیاں سوخت کر دے .... حالانکہ یہ اختیارات اس ملک کے اساسی دستور کی بناء پر قوم کی جانب سے متعدد اور مسلسل پارلیمنٹوں کے حق اور اختیار کی صورت میں محفوظ ہیں .... اس نے یعنے چارلس اسٹوارٹ نے اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لئے .... پارلیمنٹ اور قوم کے خلاف جس کی پارلیمنٹ میں نمایندگی ہوتی ہے عمداً ارادتاً اور مفسدانہ جنگ کی"۔

پادشاہ کو جس نے نہایت عزم کے ساتھ عدالت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، ۲۷ جنوری کو فیصلہ سنایا گیا اور ۳۰ جنوری ۱۶۴۹ء کو اس کا سر قلم کر دیا گیا۔

عوام کا اقتدار اعلیٰ ۔ اس قسم کے الزام پر پادشاہ کی سماعت کر کے جو مختار گروہ نے گزشتہ تاریخ کو جس میں مسلمہ اشکال اور نظائر بھری پڑی تھیں اس شدت کیساتھ گریز کیا ایسا اس کے پہلے نہیں کیا تھا۔ خود دارالامرا اور اس کا وہ حصہ جو اس وقت ایوان میں باقی رہ گیا تھا اتنی جراءت نہیں کرتا۔ پادشاہ کی سماعت کے پہلے ہی جملہ حکومت صرف ایک ایوان اور اس کے عہدہ داروں کے ہاتھ میں محدود کر دی گئی تھی۔ اب اس اصول کی تائید میں ایک اور اعلان تیار کیا گیا اور اس میں خاص طور پر پادشاہ کی سماعت مدنظر تھی۔ ۴ جنوری کو دارالعوام نے یہ قرارداد منظور کی کہ "قوم خدا کی طرف سے حقیقی اختیارات کی اصل مالک ہے۔ انگلستان کے عوام جو قوم کی طرف سے منتخب ہو کر قوم کی نمایندگی کریں اور پارلیمنٹ میں جمع ہوں ان کو اس قوم کے اعلیٰ اختیارات حاصل ہیں۔ عوام پارلیمنٹ میں جمع ہو کر جو قانون وضع کریں۔ اور جس کے قانون ہونے کا اعلان کریں وہ صحیح قانون ہے اور اس میں قوم کے تمام افراد شامل ہیں گو اس میں پادشاہ اور امرا کی منظوری حاصل نہ کی جائے۔ اس کے پہلے سے ہی عوام کا اقتدار اعلیٰ اور

حکومت کی نیابتی شان بیشمار تقریروں اور تحریروں کے ذریعے سے اس قدر واضح ہو چکی تھی کہ وہ بہت سی
چیزوں کے ساتھ یہ تصور بھی اس فریق پر پورے طور پر حاوی ہو گیا تھا۔ تامس ہکر نے دس سال پہلے
کو نکٹی کٹ میں آتے ہی ایک مذہبی خطبے میں اس چیز کو اس طرح ظاہر کیا تھا۔ "جو لوگ عہدہ داروں اور
عمال کے تقرر کا اختیار رکھتے ہیں ان اختیارات اور عہدوں پر جن کے لئے وہ عہدہ دار بلائے جاتے
قیود قائم کرنے کے مجاز ہیں۔ اور اس کی اولین وجہ در اصل یہ اصول ہے کہ اختیار قوم کی آزادانہ
منظوری میں شامل ہے۔" حکومت کے پیورٹنی خیالات کا یہ شاندار ظاہرہ کرنا جو اس طرح امریکہ
میں عمل پذیر ہوا اپنی نوعیت کی ایک درخشاں مثال ہے۔

عوام کے اقتدار اعلیٰ نیز مقننہ کی نیابتی شان اور اس کے اختیارات محصلہ کی تشکیل
کے متعلق جو الفاظ ظاہر کئے گئے تھے ان سے بہتر الفاظ آج بھی شاید قلم سے نکلیں۔ تاہم ہمیں یہ
یاد رکھنا چاہیے کہ یہ خیالات انگلستان میں انقلابی تھے۔ ان خیالات نے آنے والے دستور کا جو خاکہ
تیار کر دیا تھا وہ پچھلے سلسلہ تاریخ کا گویا انقطاع تھا۔ ممکن ہے کہ گزشتہ زمانے میں بھی منطقی طور پر
یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہو مگر حقیقی حکومت کا گزشتہ تجربہ پیش نظر رکھا جائے تو وہ اب تک کسی صحیح
سیاسی ترقی کے زور سے قومی تجربے یا ادارات کی شکل میں آیا ہی نہیں تھا۔ اس ترقی کے تمام شعبوں
میں خود مختار فریق نہ صرف اپنی مذہبی بلکہ اپنی سیاسی تعلیم و تربیت سے متاثر تھا۔ عمومیت کی طرف
آہستہ آہستہ ترقی کرتے ہوئے جس کو شروع ہوئے ایک سو سال سے زیادہ لگ گئے انگلستان
بالآخر انیسویں صدی میں انہیں اصولوں تک پہونچ گیا، مگر اس کا راستہ اور قانون وہ نہیں تھا جو
زمانۂ انقلاب میں اختیار کیا گیا۔ در اصل یہاں انگلستان کے نہیں بلکہ امریکہ کے دستور
کی ابتدا ہو رہی تھی اور غیر ارادی طور پر اس کی تشکیل کے ابتدائی اور تمام مدارج طے ہو رہے تھے اور
یہی وہ اصول تھے جو امریکہ میں اسی زینے سے مسلسل ترقی کرتے ہوئے ایک عظیم الشان قوم کی حکومت میں
صورت گیر ہو گئے۔

بادشاہ کے قتل کو حق بجانب ثابت کرنے یا اس پر بحث کرنے کا کسی نے بیڑا نہیں اٹھایا۔ اگر
قتل شاہی میں کوئی امر حق بجانب قرار دیا جائے تو وہ صرف یہی ہو سکتا ہے کہ یہ زمانہ انقلاب کا تھا اور
جس کا مظاہرہ اس فعل میں ہوا جو بالکل انتہائی اور شاید غیر ضروری فعل تھا۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ انقلاب
فی نفسہ ضروری تھا۔ معاملہ بہت نازک صورت اختیار کر چکا تھا، بادشاہ ملوکیت کے خاص
نقطۂ خیال میں اس قدر گڑا ہوا تھا کہ اس کا طرز عمل ناقابل اعتماد ہونے کے علاوہ ان میں اس قدر ضد

اور ہٹ تھی کہ کشمکش کا انتہا کو پہنچنا ناگزیر تھا، اور یہ انتہا اس زمانے کے ذی اقتدار لوگوں کے پاس بادشاہ کی موت کے سوا اور کچھ نہیں تھی۔ اس کے بغیر نہ صرف پیورٹنی خیالات کا بارور ہونا ناممکن تھا جو حکومت کے خاص خاص اصول رائج کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ زمانۂ قدیم کی ترقی نے مطلق العنانیت کے لئے جو قیود نیار کئے تھے ان کا دستوری عملدرآمد میں رونما ہونا بھی ناممکن ہوتا۔ قتل کے وقت بھی چارلس دستور کی اپنی تاویل پر اڑا رہا۔ جس وضاحت سے اس کو بیان کیا وہ قابل تعریف ہے۔ اس نے کہا "یہ حقیقت ہے کہ قوم کی آزادی اور حریت میں بھی اسی طرح چاہتا ہوں جس طرح دوسرے لوگ خواہ وہ کوئی بھی ہوں، چاہتے ہیں۔ لیکن میں تم سے ضرور کہوں گا کہ قوم کی آزادی اور حریت حکومت میں شامل ہے یعنے ان قوانین میں شامل ہے جن کے ذریعے سے ان کی جان و مال خود انھیں کے قبضے میں رہیں۔ یہ اصول اس بات میں مضمر نہیں ہے کہ وہ حکومت میں دخل دیں اس لئے حکومت کو ان سے کوئی تعلق نہیں۔ ظاہر ہے کہ بادشاہ اور رعایا دونوں بالکل متباین چیزیں ہیں"۔

بادشاہ کے قتل اور دارالامرا کے غائب ہونے سے اب قدیم دستور کے مرکزی اختیارات کا صرف دارالعوام ہی حامل رہ گیا تھا۔ لیکن دارالعوام صرف "رمپ" تھا اور اس میں صرف خودمختار اراکین تھے اور مملکت میں اصل طاقت پوچھو تو صرف فوج اور اس کے سربرآوردہ افسروں کی تھی۔ لیکن فوجی حلقوں میں ایک زمانے تک عمومی اثرات کام کرتے رہے تھے اور ابھی فوج ذی اقتدار نہیں ہوئی تھی کہ کئی سال پہلے سے اشخاص اور مجلسیں فرداً فرداً اس بات پر غور کر رہی تھیں کہ حکومت کی بنیاد کیا ہے اور اس کو کیا شکل اختیار کرنی چاہیئے۔ اس زمانے میں تحریکوں، نظریوں اور مباحث کے دریا بہہ رہے تھے۔ لہجہ اور مواد کے اعتبار سے ان میں جس طرح مذہبی انقلاب کا رنگ پایا جاتا ہے۔ اسی طرح سیاسی انقلاب کا رنگ بھی دکھائی دیتا ہے۔ پیورٹنوں اور بالخصوص خودمختار فرقے کے لئے اس زمانے میں دونوں پہلو تھے۔ دستورسازی میں ان لوگوں نے جن مقاصد کے لئے کوشش کی وہ ایک طرف ان نتائج پر مشتمل تھے جن کی طرف تاریخ انگلستان کا میلان خودبخود کھینچ لاتا۔ (جو قبل از وقت تھے) دوسری طرف ان خیالات پر مشتمل تھے جو انجیل سے ماخوذ کئے گئے تھے۔ اور کلیساؤں کی تنظیم میں استعمال کئے جاتے تھے۔

اس کچھ پہلے سے بلکہ ابھی لڑائی شروع نہیں ہوئی تھی کہ اس فریق کے اراکین امریکانی نوآبادیوں سے واپس ہونے لگے تھے، اور جو چیز وہ اپنے ساتھ لائے تھے ممکن ہے کہ وہ بجائے پرانے انگلستان کے خیالات کے جدید خیالات اور اصول نہ ہوں لیکن یہ اظہار یقینی تھا کہ واقعی حکومت میں کس طرح یہ نئے اصول عمل میں لائے جا سکتے ہیں اور کس طرح انھیں امریکہ میں ان اصول کو عملاً

بروئے کار لانے کے مواقع حاصل ہوئے۔

مکتوبی دستور منجملہ ان تجاویز کے سب سے زیادہ آئینی اور پختہ تجویز وہ تھی جو جنوری ۱۶۴۹ء کو دارالعوام میں "موافقۂ عوام" کے نام سے پیش کی گئی تھی۔ جس مقصد کی تکمیل اس وثیقے کے مدنظر تھی وہ ہمیں اس نام سے اتنا صاف نہیں دکھائی دیتا جس قدر اس زمانے کے لوگ سمجھے ہوئے تھے لیکن اس سے جو معنی مستنبط ہوتے ہیں اور جو حقیقی معنی تھے وہی امریکانی دستور کے مقدمے میں بتائے گئے ہیں۔ "ہم ریاستہائے متحدہ کے عوام اس دستور کو مرتب کرتے ہیں اور قائم کرتے ہیں" اس کا مفہوم یہ تھا کہ ہم انگلستان کے باشندے ایک میثاق کے ذریعے جو باضابطہ مرتب کیا گیا ہے ایک مکتوبی دستور بنانا چاہتے ہیں تاکہ ایک حکومت قائم ہو اور اس کے اختیارات مشخص ہو جائیں۔ "موافقۂ عوام" کو ہمیں اس روشنی میں دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ کوئی حکومت بنانے کی تجویز تھی کیونکہ وہ کبھی عمل میں نہیں لائی گئی، بلکہ وہ امریکہ کے قانون دستوری کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ جس بنیاد پر اس کو قائم کیا گیا تھا یعنے عوام کی باہمی رضامندی وہی بنیاد ہے جس پر امریکی دستور قائم ہے اور تاریخ میں یہ پہلی مرتبہ حکومت کی بنیاد کے طور پر پیش کی گئی ہے۔ اس قسم کے اور میثاق بھی ہیں جو امریکہ میں اس سے پہلے عمل میں آچکے تھے اگرچہ ان کا اصل مبدأ بھی وہی تھا اور ان کا مقصد درحقیقت ایک (Civil Body Politic) ملکی جسم سیاسی قائم کرنا تھا لیکن انھوں نے صرف چھوٹی چھوٹی ملتوں کو فائدہ پہنچایا جن میں حقیقی عمومیت اور نیابتی ادارات بالکلیہ ممکن تھے اور یہ عمومیت کو بڑے پیمانے پر چلانے کی اچھی تدبیر تھی۔ ان میثاقوں پر بہت زیادہ غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ "موافقۂ عوام" کا خاص مقصد یہ تھا کہ وہ ایک بڑی قوم کے دستور کا کام دے۔

مگر اس کو محض ایک مکتوبی دستور نہیں سمجھنا چاہیئے جو ایک بڑی مملکت کے لئے تجویز کیا گیا ہو، بلکہ اس کا رتبہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ ایسا دستور تھا جس میں علانیہ امریکی طرز نظر آتی ہے۔ اول سے لے کر آخر تک اس میں ایک ہی اصول پایا جاتا تھا کہ تمام حکومت کا مبدأ صرف قوم ہے۔ قوم اپنی متفقہ رضامندی سے حکومت قائم کرتی ہے اور قوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ نہ صرف حکومت کو اختیارات تفویض کرے بلکہ حکومت کے افعال پر ایسے قیود بھی عائد کرے جن سے حکومت آگے نہیں بڑھ سکے۔ اس میں صراحت کے ساتھ یہ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ اس وثیقے کے "چند امور ہمارے نمائندوں سے خارج اور مستثنیٰ ہیں اور مستثنیٰ سمجھے جائیں گے"۔ یہ بھی صراحت کے ساتھ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ اس وثیقے کے چند اجزا۔ "ہمارے عام حقوق، آزادی،

اور سلاطنتی کی بابت اساسی ہیں" جن کو ہمارے نمایندے بھی نہیں بدل سکتے۔ اس حصے میں دستور سازوں نے ریاستہائے متحدہ کی طرح قوم کے اقتدارِ اعلیٰ کے اصول کو اس نقطے سے جہاں تک انگلستان ابتک پہنچا تھا ایک درجہ اور آگے بڑھا دیا اور دستور کی تعمیر اور تجدید کو ایک ایسا فعل قرار دیا جس کا ایک خاص اور جداگانہ شکل میں براہ راست قوم کی طرف سے پیش ہونا ضروری ہے۔ اگر وہ حکومت جو "موافقۂ عوام" میں تجویز کی گئی تھی عمل میں لائی جاتی اور اس کی تائید پر قوم کی کافی طاقت ہوتی اور جوں جوں تجربے حاصل ہونے خود بخود ترقی کرتی جاتی تو یہ سترھویں صدی میں جاکر قوم کی حکومت ہو جاتی جو قوم کے لئے ہوتی اور خود قوم اس کی عامل ہوتی یہی وہ چیز تھی جو اپنی ماہیت اور خاص آزادی کے اعتبار سے آلۂ حکومت سے (جو بعد کو اسی بنیاد پر قائم کیا گیا) زیادہ اس مقصد کی تکمیل کر سکتی تھی۔

دولتِ عامہ

"موافقۂ عوام" کو کبھی عملی جامہ نہیں پہنایا گیا۔ یہ ایک پیش نامہ تھا جس کو "خود مختار" فریق کی کثرت نے نہیں بلکہ انتہا پسند انقلابیوں نے پیش کیا تھا اور وہ زمانہ اس حکومت کے لئے جس کی حامل قوم کی صرف ایک چھوٹی سی جماعت تھی ہنوز خطرات سے پر تھا اور ان جدید سیاسی تجربوں کے لئے بھی مناسب نہیں ہو سکتا تھا۔ اس وقت سب سے بڑا عملی مسئلہ یہ تھا کہ حکومت کے وہ منتشر اجزا جو ذی اختیار باقی رہ گئے تھے بشرطِ امکان اپنے کو محفوظ کریں اور ملک میں امن و امان قائم رکھیں۔ یہ فوج کا کام تھا اور "دولتِ عامہ" اور "دحمیہ" کے تحت جو حکومت تھی وہ درحقیقت فوج کی حکومت تھی۔ ۱۳ فروری کو رمپ نے ملک پر حکومت کرنے کے لئے ایک مجلسِ مملکت مقرر کی؛ ۱۷ مارچ کو اس نے بادشاہ کے عہدے کو برخاست کر دیا؛ ۱۹ مارچ کو اس نے دارالامرا کو برخاست کر دیا؛ اور ۱۹ مئی کو اس نے یہ اعلان کیا کہ "انگلستان اور علاقہ جات جو اس سے متعلق ہیں ان سب کے باشندے ایک دولتِ عامہ اور ایک آزاد مملکت میں منظم کر دئے گئے ہیں اور آئندہ رہیں گے اب ان پر دولتِ عامہ اور آزاد مملکت کی حیثیت میں قوم کا اعلیٰ اقتدار حکومت کرے گا یعنے قوم کے نمایندے جو پارلیمنٹ میں نشست کریں گے اور وہ لوگ جن کو یہ نمایندے عہدہ دار اور وزرا مقرر کریں؛ تاکہ یہ لوگ قوم کے فائدے کے لئے ان کے تحت کام کریں"۔ حقیقت میں اس وقت کی صورتِ حال کے لحاظ کرتے یہ تغیرات ضروری ہو گئے تھے۔ اب شاہی حکومت کا کوئی شائبہ تک باقی نہیں تھا۔

اگر نظریۂ منشا یہ تھا کہ حکومت عوام کی ہو اور منجانب عوام ہو تو حقیقت میں وہ محض فوجی مطلق العنانی سے زائد نہ تھی اور یہ بالکل صحیح ہے کہ یہی ایک انقلابی حکومت تھی جو اپنے ہاتھ میں اقتدار رکھ سکتی تھی۔ پرانی پارلیمنٹ کی طرف سے، جس میں اس وقت تک تفریق نہیں ہوئی تھی، جو اختیارات

کہ کرامویل کے تفویض ہوئے تھے اس کے زور پر کرامویل یہ سمجھتا تھا اور صحیح سمجھتا تھا کہ پارلیمنٹ کے رہے سہے اجزا کے مقابلے میں اسی کی ہستی زیادہ باضابطہ اور ذی اختیار رہے۔ ۲۰ اپریل ۱۶۵۳ء کو فوجی طاقت کے ذریعے اس نے رمپ کو (جو اب تک برابر گھٹتی رہی تھی گو اس کے اختیارات برائے نام رہ گئے تھے۔) نکال دیا۔ ۵ جولائی کو ایک جدید پارلیمنٹ جمع ہوئی جو مختصر العہد یا "بیربونز" پارلیمنٹ کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں وہ لوگ شریک تھے جن کی رکنیت کے لئے "خود مختار" کلیساؤں کی طرف سے فہرستیں تیار کی گئی تھیں۔ لیکن اس پارلیمنٹ نے محض چند ایسے اصلاحات کے لئے بحث پر اکتفا کیا جو اس زمانے کے لحاظ سے بہت آگے تھے اور جو داپنی قرارداد کے مطابق ۱۲ دسمبر کو برخواست ہو گئی۔

اس کے عین بعد ہی ایک جدید مکتوبی دستور جس کو فوج کے رہنماؤں نے تیار کیا تھا پیش کیا گیا اور اس کو کرامول نے منظور کر لیا۔ یہ "آلۂ حکومت" تھا جس کا کرامول اور اس کی کونسل نے بطور خود عملی جامہ پہنایا یعنی اس کو منظوری کے لئے نہ تو پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا گیا نہ قوم کے سامنے۔

آلۂ حکومت: آلہ حکومت کے جملہ مباحثوں سے پہلے مقدمہ کے طور پر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ انگلستان کی تاریخ دستوری میں اس کا کوئی اثر باقی نہیں ہے۔ خانہ جنگی کے بعد حکومت کے جو تجربات عمل میں آئے تھے وہ تاریخ انگلستان کی بڑی شاہراہ کی گویا پگڈنڈیاں ہیں اور یہ اس ملک میں کسی منزل تک نہیں پہنچاتیں۔ لیکن یہ وہ شاخیں ہیں کہ ان کا نشوونما اتنا ہی باقاعدہ ہوا تھا جتنا خود تنے نے ترقی کی تھی۔ ان کی خاص اہمیت اس وجہ سے ہے کہ ان سے سترھویں صدی کے وسط میں وہ چیز ظاہر ہوتی ہے جو نو آبادیوں میں اس وقت بھی تھی اور اس کے بعد تو بہت کچھ ہو گئی۔ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان کا تاریخی دستور اپنی اس حالت میں بھی جو اس وقت پائی جاتی تھی اور ملوکیت و ملوکی اقتدار اعلیٰ کے تصورات سے منقطع ہونے کے بعد کس قسم کی حکومت اختیار کرنے والا ہے۔

ایک امریکانی طالب علم کے لئے "آلہ حکومت" خاص دلچسپی رکھتا ہے اور اس کے کئی اسباب ہیں یہ سب سے پہلا مکتوبی دستور ہے جس نے ایک بڑی قوم کے لئے ایسی حکومت کے اصول کو، جس کے بنیادی اختیارات مشخص اور محدود تھے عملی جامہ پہنا دیا۔ کم از کم برائے نام ہی سہی، اس نے حکومت انگلستان کے لئے ایک بنیاد قائم کر دی جو تین سال تک قائم رہی۔ اس کے متعلق بالکل وہی کہا جا سکتا ہے جو ریاستہائے متحدہ کے دستور کے متعلق کہا گیا۔ "اس طرح یہ لوگ فلاڈلفیا میں اصولاً اسی تاریخی کام کی تکمیل کر رہے تھے جس کا تاریخ انگلستان میں شاہ جان اور ریبرنوں کی مجلس رنی میڈ کے بعد سے برابر ارتقا ہوتا رہا اس کوشش کی بدولت جو حکومت کو اساسی قانون کے تابع کرنے کے لئے کی گئی وہ دیرینہ [illegible] بجائے

اشخاص کی حکومت کے قانون کی حکومت ہونی چاہیے اسی طرح پوری ہو رہی تھی جس طرح ہونی چاہیے
پیش بندیاں بھی اسی طرح دلچسپ اور معنی خیز ہیں جن کے متعلق ہم بعض اوقات سمجھتے ہیں کہ وہ
انصرام حکومت کے سلسلے میں خود اہل امریکہ کی ایجاد اور انکشاف ہیں۔ یہی چیزیں صاف بتلاتی ہیں کہ
ہم کس خرمن کے خوشہ چیں ہیں اور یہ کسی دوسرے زبردست مواد سے بھی ظاہر نہیں ہوتا۔

آلۂ حکومت کے اہم دفعات مختصراً یہ ہیں، دفعہ (۱) کا ماحصل یہ ہے کہ انگلستان
اسکاچستان اور آئرستان اور نیز ان کے متعلقہ توابعات کا اعلیٰ اختیار قانون سازی ایک شخص یعنے
"حامی سلطنت" اور ان لوگوں میں جو پارلیمنٹ میں جمع ہوں "قائم رہے گا۔ اس طریقے سے
یہ ظاہر کیا گیا کہ دستور اور پارلیمنٹ دونوں کا منبع اختیار قوم ہوگا اور انگلستان، اسکاچستان اور
آئرستان کی متحدہ حکومت جو درحقیقت پہلے ہی قائم ہو چکی تھی قانونی طور پر تسلیم کر لی گئی۔ اس کے
بعد یہ بتایا گیا ہے کہ عاملانہ حکومت میں حامی سلطنت اور اس کی کونسل کے فرائض اور اختیارات
مع قیود کے کیا ہوں گے۔ اکثر معاملات میں حامی سلطنت کے لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ وہ پارلیمنٹ
کی منظوری اور مشورے سے کام کرے۔ موجودہ زمانے میں مقننہ اکثر خود اپنی منظوری کے بغیر برخاست
نہیں کی جا سکتی، اس وقت حامی پارلیمنٹ کو پانچ مہینے کی نشست سے پہلے برخاست نہیں کر سکتا
تھا۔ نیابت کی تقسیم قطعیت کے ساتھ بدل دی گئی اور آبادی کی تقسیم کے مطابق سرسری طور پر اس کا تعین
کیا گیا۔ اکثر چھوٹے بلدیوں کا حق رائے دہی سلب کر لیا گیا۔ لیڈز اور منچسٹر جیسے جدید ترقی یافتہ شہروں کو
نیابت دی گئی۔ صوبوں کی نیابت میں وسعت دی گئی۔ پرانی پارلیمنٹ میں (۴۱۳) بلدی اراکین اور
(۹۲) صوبہ داری اراکین بیٹھے تھے، جدید پارلیمنٹ میں (۱۳۵) بلدی اور (۲۳۸) صوبہ داری اراکین
ہو گئے۔ رائے دہی کے دائرہ کو خاطر خواہ محدود کیا گیا۔ منتخب کنندگان کے لئے دو سو پونڈ کی اہلیت لازم
قرار دی گئی۔ جن لوگوں نے پارلیمنٹ کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا وہ چار انتخابات پارلیمنٹ کی حد تک
رائے دہی سے محروم کر دئے گئے اور جن لوگوں نے آئرستان میں بغاوت کا ساتھ دیا تھا۔ نیز جو
رومن کیتھولک تھے وہ ہمیشہ کے لئے رائے دہی سے محروم کر دئے گئے۔

جو مسودات پارلیمنٹ میں پاس ہوں ان کا منظوری کے لئے "حامی" کے پاس جانا ضروری
تھا۔ اگر وہ بیس روز کے اندر منظوری نہ دے یا "مقررہ میعاد کے اندر پارلیمنٹ پر اطمینان
ظاہر نہ کرے" تو بغیر اس کی منظوری کے وہ مسودات قانون ہو جائیں گے "بشرطیکہ ان مسودات
میں کوئی چیز ایسی نہ ہو جو ان کے امور شاملہ آلۂ حکومت کے منافی ہو" اس دفعہ کے ضمن خاص طور پر

غور کے قابل ہیں۔ ایک سے اختیارِ نامنظوری کا ضابطہ بنتا ہے جو محدود ہے۔ پارلیمنٹ سے طمانیت ظاہر کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح امریکہ کے عملدرآمد میں پیغام نامنظوری ہوتا ہے محافظ پارلیمنٹ کو اس بات کی ترغیب دے سکتا ہے کہ فلاں قرارداد کو ترک کر دے، لیکن معمولی کثرت اس کی نامنظوری کو مسترد کر سکتی تھی۔ دوسری ضمن میں یہ ضابطہ بنا کہ غیر دستوری مسودات قانون نہیں بن سکتے امریکہ کے دستور کی طرح اس امر کا کوئی ضابطہ نہیں تھا کہ کوئی عہدہ دار اس بات کا فیصلہ کرے کہ فلاں مسودہ غیر دستوری ہے، لیکن رفتہ رفتہ یہ فرض یقیناً عدالتوں کے سپرد ہو جاتا۔ آلہ حکومت میں ایسا کوئی طریقہ نہیں رکھا گیا کہ جس سے اس قانون کی ترمیم ممکن ہوتی اور بعض تو اس ضمن کے یہ معنی سمجھتے ہیں کہ یہ ہر قسم کی ترمیم کا مانع ہے۔ تاہم یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ عدالتوں کو اس کی تاویل کے لئے کہا جاتا تو وہاں سے یہ جواب ملتا کہ چونکہ حامی سلطنت کی نامنظوری کے بعد کسی غیر دستوری فعل کی اجازت نہیں اس لئے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ پارلیمنٹ میں حامی کی منظوری سے آلہ کی ترمیم ہو سکتی تھی۔ ارکین کونسل کے تقرر میں پارلیمنٹ براہ راست شریک تھی اور مملکت کی بڑی خدمات کے تقرر میں پارلیمنٹ کی منظوری ضروری تھی "وہ ان سب کو جو حضرتِ عیسیٰؑ کے توسط سے خدا کے قائل تھے"، مذہبی آزادی دی گئی اور شرط یہ تھی کہ "وہ یہ آزادی پوپ اور اسقف پرستی کی حد تک نہ جائے"۔

اقتدار اعلیٰ کا مرکز۔ یہ قدرتی بات ہے کہ اس دستور کا منطقی اثر یہ تھا کہ اقتدار اعلیٰ نہ صرف حقیقت میں بلکہ ظاہری شکل میں بھی پارلیمنٹ کے ہاتھ سے نکل کر قوم میں منتقل ہو جاتا چونکہ پارلیمنٹ قوم کے بنائے ہوئے اساسی قوانین کی تابع تھی اس لئے وہ انتہائی اقتدار کی جگہ نہیں لے سکتی تھی، اور متنازع فیہ مسائل اور حکمت عملی کے فیصلے کا آخری مرجع نہیں ہو سکتی تھی۔ اگرچہ مکتوبی دستور غائب ہو گیا اور گو اس کیفیت کو انگلستان میں نہ تو باضابطہ ظاہر کیا گیا نہ نظریہ کے طور پر تسلیم کیا گیا لیکن سچ تو یہ ہے کہ یہ پیورٹنی انقلاب کا ہی نتیجہ تھا۔ اپنی کتاب "قانون دستور" میں پروفیسر ڈائیسی نے کہا ہے "قانونی نقطۂ نظر سے پارلیمنٹ نہ تو منتخب کرنے والوں کی عمیل ہے نہ کسی مفہوم میں انتخاب کنندگان کی امین ہے۔ قانونی طور پر یہ مملکت کی مقننہ طاقت ہے" بہرحال مسٹر ڈائیسی قانونی اور عملی اقتدار کے باہمی فرق کو مان گئے کہ عملی اقتدار منتخب کرنے والوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اس کے پہچاننے کا صحیح معیار اختیارات کی آخری نزاع کو دیکھنا ہے کہ دونوں میں سے کونسی طاقت دوسرے کے سامنے سر تسلیم خم کر لیتی ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔

مکتوبی دستور کے علاوہ ایسے قوانین بھی ہیں جو کسی نہ کسی میثاق میں پاس ہوئے یا ایسی تجاویز بھی ہیں

جو صرف پیش ہوئے تھے مگر اختیار نہیں کئے گئے۔ نیز وہ چیزیں بھی ہیں جو زمانۂ حال کی تبدیلیوں کے پیش بندیاں ثابت ہوئیں۔ مثلاً عوام الناس کی مفت تعلیم گاہیں، عوام الناس کے ڈاک خانے، غربا کے روزگار کے لئے تعمیری کام، رائے دہی نسواں، خفیہ رائے دہی، قومی بنک کا قیام، مطبع کی آزادی، تجارت کی آزادی کے مع قوانین جہازرانی جو دوبارہ وضع کئے گئے تھے، مذہبی قیود کا اٹھادینا جو عملاً مکمل نہیں ہوا، مقامی حکومت کی درستی، انتقال اراضی کے اندراجات کا طریقہ، قانون ازدواج کی تسہیل، اہم اعداد و شمار کا مقامی رجسٹر رکھنا، حکومت اور قانون کے سامنے جو تدابیر اور تجاویز تھیں ان میں بھی زمانۂ حال کی نشان پائی جاتی ہے۔ یعنی پارلیمنٹی کارروائیوں کے لئے کمیٹیوں کا وسیع استعمال، محصول جنگی کا از سرِ نو اجرا، تعویق اور مصارف کے انسداد کے لئے عدالتی کارروائیوں میں غیر معمولی اصلاح، تمام کارروائی انگریزی زبان میں کرنے کا انتظام، مرافعوں کی تسہیل، قانون دادرسی اور قانون عرفی کو مدغم کرنے کی کوشش۔ پروبیٹ کے لئے ایک جدید ملکی عدالت کا قیام۔ عادلوں کی تنخواہوں کی رسوم عدالت سے علیحدگی اور ان کا جداگانہ انتظام، یا نیک رویہ کی شرط کے ساتھ ان کی میعاد خدمت کا استقلال۔ جن لوگوں پر ارتکاب جرم کا الزام ہوتا تھا ان کو اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے کشادہ ذرائع بہم پہنچانا، ادائی قرض کے لئے سہولتیں پیدا کرنا، قید قانون کی اصلاح اور جو قرض کی علت میں قید ہوتے تھے ان کے ساتھ رعایت۔ آنے والے خیالات کی یہ پیش بندیاں جن کے متعلق بعض اوقات یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ خاص امریکانی ہیں۔ وہ ہیں جن کا ۱۶۴۷ء کی پارلیمنٹی بحث میں بہت پہلے ہی اعلان ہو چکا تھا کہ "وہ شخص اس حکومت کا پابند نہیں ہو سکتا جس میں اس کو اپنی آواز بلند کرنے کا حق نہ ہو" اور ایڈمنڈ والر نے کرامویل کی جو مدح لکھی ہے اس کے اشعار میں بھی امریکانی الفاظ کی پیش بندی ہوئی ہے:-

گویا وحشی سمندر نے دنیا کے اس قطعہ کو براعظم سے جدا کر دیا ہے اور اس طرح کی تخلیق میں یہ قطعی ارادہ مضمر تھا کہ یہ ملک بنی نوع انسان کی مقدس پناہ گاہ ہو اور مظلوم یہاں آکر پناہ لیں اور آپ کے دربار میں انصاف اور اعانت کے طالب ہوں۔

یہ فہرست مکمل نہیں ہے اور ان تجاویز میں سے مقابلۃً صرف معدودے چند ایسے ہیں جنھوں نے حقیقی قانون موضوعہ کی صورت اختیار کی ہے۔ لیکن اس فہرست سے دو چیزیں پوری طور پر ظاہر ہو جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس انقلابی دور میں لوگوں کے دماغ مسائل حکومت کے سلجھانے میں بہت سرگرم

تھے۔ دوسرے یہ کہ اس زمانہ کا تفکر آنے والی دستوری اور قانونی ترقی کے بالکل ہم شکل تھا جو اگلی صدیوں میں
بغیر انقلابی طریقہ کار کے خود بخود وجود میں آگئی۔ یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ پیورٹنی اصلاحی تجاویز کے راستے
میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی تھی کہ پیورٹن غیر معمولی ذہنی جد وجہد کرتے تھے۔ ان کی تمام پارلیمنٹی مجلسوں
کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں لاطائل بحثیں ہوتی تھیں جن کا کوئی عملی نتیجہ نہیں نکلتا تھا۔ آلہ حکومت کے
تحت جب پہلی پارلیمنٹ مجتمع ہوئی تو اس کے اراکین حامی سلطنت کے خلاف مرضی اس وثیقہ کے دستوری
قانون پر اور اس کی ممکنہ ترمیم پر بحث کرنے کے لئے اس قدر ہٹ کرنے لگے کہ بغیر کچھ کام کئے ان کو
گھر واپس کر دیا گیا۔ دوسری پارلیمنٹ بھی جس میں دارالامراء دوبارہ قائم کیا گیا تھا کچھ بہت بہتر ثابت نہیں ہوئی
برخلاف اس کے دولت عامہ اور محمیہ کے دوران میں عاملہ نے ملکی اور خارجی معاملات میں اچھے کام کئے۔
چونکہ فرقوں اور جماعتوں کے لاحاصل مجادلوں سے قوم بیزار ہوگئی تھی نیز کرامویل کے بعد اس کا جانشین
ایسا نہیں تھا جو اس کی پرزور عاملانہ حکمت عملی کو جاری رکھ سکتا اس لئے بادشاہی بلا وقت بحال کر دی گئی۔

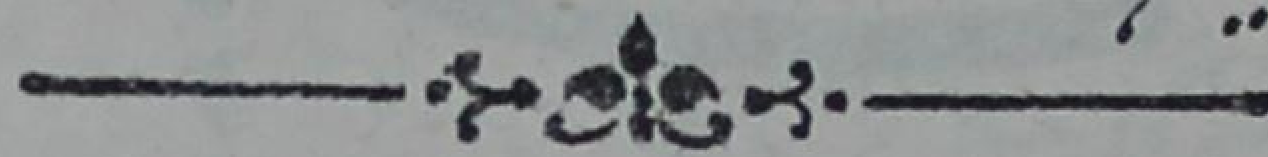
اس کے بعد جب ہم اگلے حصہ میں چند تفصیلات پر بحث کرنے جائیں گے تو ہمیں ان مستقل نتائج
کو اچھی طرح دیکھنے کا موقع ملے گا جن کے متعلق یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ ۱۶۴۲ء اور ۱۶۶۰ء کے درمیان
کے زمانہ میں واقع ہوئے ہیں۔ ٹاسویل لینگمیڈ نے اپنی "دستوری تاریخ" میں چار بڑے نتائج
اور بتائے ہیں جن کو وہ مستقل سمجھتے ہیں (۱) "اگرچہ ملوکیت کا ادارہ پھر بحال کیا گیا لیکن مطلق العنان ملوکیت
کا معاملہ ہمیشہ کے لئے فنا ہوگیا" یہ بالکل صحیح ہے لیکن اس کی حقیقت اس وقت اتنی واضح
نہیں تھی جس قدر اب ہمارے سامنے ہے۔ مطلق العنان ملوکیت کے ساتھ کشمکش کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا
اور اگرچہ بادشاہ کو اس کشمکش سے کامیابی کی کوئی امید نہ تھی تاہم جیسے اس زمانے کے خیال کے بموجب
اس کشمکش کے چند خطرناک پہلو قوم کے سامنے موجود تھے۔ (۲) "ملکی حکومت میں دارالعوام کا زبردست اثر
ہمیشہ کے لئے قائم ہوگیا"۔ یہ بھی ایک ایسی حقیقت ہے جس کو وہی مورخ دیکھ سکتا ہے جو اگلی
ترقی کے زینہ پر کھڑا ہو کر پیچھے نظر ڈالے۔ جہاں تک عملی حکومت کا تعلق ہے یہ چیز اس وقت تک پوری طور پر
سمجھ میں نہیں آئی جب تک ایک صدی سے زیادہ زمانہ نہ گزر چکا یہ دونوں بادشاہ اور پارلیمنٹ کی باہمی
کشمکش کے دیرپا اور بنیادی نتائج ہیں جو سترہویں صدی میں ہوئی اور ان سے انگریزی دستور کی ہمیشہ کے لئے ایک
خصوصیت قائم ہوگئی۔ (۳) "پاپائیت کا انگلستان سے بالکلیہ اخراج ہوگیا لیکن بحالی کے بعد قومی کلیسا
کی حیثیت بالکل اسی طرح کی نہ تھی جس طرح بغاوت سے پہلے تھی" تاہم پاپائیت کے سیاسی منصوبوں
کا خوف اب تک باقی تھا۔ اور قوم کا یہ سمجھنا کہ یہ ملک کے لئے ایک خطرناک چیز ہے اگلے دور میں جا کر اور

زیادہ قوی ہوگیا۔ آخری فقرے پر بعد میں بحث کی جائے گی۔ (۴) "قوم میں مستقل فوج کی طرف سے کامل بے اطمینانی پیدا ہوگئی اور انتہائی نقطۂ خیال کے لوگوں کے ساتھ عالمگیر بے اعتمادی پھیل گئی۔" مستقل فوج کے ساتھ بے اطمینانی اور اس کی مخالفت اگلی پشت میں جاکر اور زیادہ شدید ہوگئی اور اس کے انگلستان اور امریکہ دونوں جگہ تکلیف دہ نتائج برآمد ہوئے۔

ان مستقل نتائج کے بیان میں چند نتائج کا اور اضافہ ہوسکتا ہے۔ ۱۔ پادشاہ کی تمام مالی آزادی کا خاتمہ ہوگیا۔ اس معاملہ کے متعلق جو کشمکش کہ ایڈورڈ اول کے عہد سے برابر جاری تھی بالآخر ختم ہوگئی۔ اگر جیمس دوم کی غیر اہم مثال کا استثنا کیا جائے تو بعد کے کسی انگریز پادشاہ نے پارلیمنٹ کارروائی کے علی الرغم محاصل عائد کرنے کی کوشش نہیں کی۔ (۲) اختیار خصوصی کی عدالتیں اور ان کے ساتھ اختیاراتِ خصوصی کا خطرہ دور کردیا گیا۔ یہاں بھی اگلی پشت کی ایک موہوم سی استثنائی شکل پیش کرنا ضروری ہے، لیکن اس میں پادشاہ کی طرف سے اختیار خصوصی کے عمل میں لانے کی تمام کوششیں بے فائدہ ثابت ہوئیں کیونکہ اختیاراتِ خصوصی کے جو امکانات باقی رہ گئے تھے وہ ۱۶۸۸ء کے بعد سے سب پارلیمنٹ کے زیر اقتدار تھے۔ (۳) یہ بات بالکل وضاحت کے ساتھ طے ہوگئی کہ انگلستان جمہوریہ نہیں بنے گا۔ ایک معنی میں انگلستان کی دستوری ترقی کا منطقی میلان جمہوریت کی طرف تھا لیکن بحالی کے بعد جو ادارتی تغیرات عمل میں آئے اور جس طرح یہ تغیرات حکومتی کل کے ساتھ انتظام بحالی میں ظاہر ہوئے ان سے یہ چیز ایک زمانہ کے لئے ناممکن ہوگئی اور ڈھائی صدی کے بعد یہ بالکل خلاف قیاس ہوگئی۔ آئندہ تاریخ کا بڑا حصہ اسی موضوع سے بحث کرتا ہے کہ آخر یہ کیسے ہوا۔

ان کا اثر امریکہ میں۔ اس بیس سالہ پورٹینی انقلاب سے انگلستان کی دستوری ترقی کی رو دو شاخوں میں بٹ گئی۔ انگلستان کی کوشش یہ تھی کہ مذہبی اور اس کے ساتھ سیاسی جوش کے زیر اثر انقلاب اور تشدد سے کام لے کر ترقی کے منطقی نتائج حاصل کرے لیکن یہ ذرا قبل از وقت تھا، کیونکہ اس وقت تک حالات اور اداروں کا ایسا اچھا سامان تیار نہیں ہوا تھا جس سے راستہ صاف ہوجاتا۔ ردِ عمل کی حالت میں جس کا ہونا لازمی تھا، انقلاب کا کام ملیامیٹ ہوگیا اور ارتقائے دستور کا رشتہ پیچھے ہٹ کر نتائج کی اس منزل سے منسلک ہوگیا جہاں انگلستان اپنی طبعی رفتار کے ساتھ ۱۶۴۱ء میں پہنچا تھا یعنے جس وقت طویل العہد پارلیمنٹ کا پہلے اجلاس ختم ہوا تھا تقریباً ہر چیز جس کے لئے انقلاب نے ہاتھ پیر مارے تھے اب وہ انگریزی دستور میں شامل ہے لیکن وہ اس کوشش کا پھل نہیں ہے، بلکہ وہ عمل ترقی کے آہستہ اور طبعی رفتار کا نتیجہ ہے، گو ایک معنے میں انقلاب بھی اسی کی

پیداوار تھی لیکن اس انقلاب کی وجہ سے تھوڑے دنوں کے لئے ترقی کی رو بند ہوگئی تھی۔ امریکہ کی پیوریٹنی اور کونگری نوآبادیوں میں ان انقلابی خیالات نے ایک ایسی سیاسی فضا پیدا کی جو قدرتی تھی۔ یہ خیالات وہاں انقلابی نہیں ثابت ہوئے بلکہ ان سے ایک ایسا مواد مل گیا جس سے ان چھوٹی ریاستوں کی قدرتی دستوری زندگی میں جان پڑگئی۔ ان کی طبعی سیاست میں جو ترقی شروع ہوئی تو انھی خیالات سے ہوئی اور جوں جوں آبادی اور ضروریات میں اضافہ ہوتا گیا عمل میں ان خیالات کا احساس بہت بڑھتا گیا یہاں تک کہ اہل امریکہ کے ادارات کی تشکیل میں، جو دوسری بڑی سکسنی قوم ہے منجملہ دو اثرات کے ان خیالات نے بھی بڑا حصہ لیا ہے۔



Bibliographical Note.—C. Borgeaud, *The Rise of Modern Democracy in Old and New England, 1894.*

L. F. Brown, *Baptists and Fifth Monarchy Men, 1912.*

C. H Firth, *Oliver Cromwell, 1905 ; The Last Years of the Protectorate, 1909 ; The House of Lords during Civil War, 1910* S. R. Gardiner, *The Great Civil War,* 4 vols., 1886 ; *The Co nmonwealth and Protectorate,* 3 vols., 1894-1903 G. P. Gooch, *English Democratic Ideas in the Seventeenth Century 1898.* E. Jenks, *Constitutional Experiments of the Commonwealth, 1890.*

C. H. McIlwain, *The High Court of Parliament, 1910.*

T. C. Pease, *The Leveller Movement, 1916* .



باب ۱۴

فتح کی توثیق

جس طریقے سے ۱۶۶۰ء میں چارلس دوم کی بحالی عمل میں آئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخالف فریق کے مقابلے میں کس قدر ردِ عمل ہوا تھا۔ بادشاہ تخت پر اس طرح بحال کیا گیا کہ اس کے ساتھ کسی قسم کی کوئی دستوری ذمہ داری نہیں رکھی گئی۔ اس کے باپ کی بداعمالیوں کا کوئی ذکر کیا گیا نہ ان اصولوں کا جن پر ۱۶۴۲ء میں دارالعوام کی بڑی کثرت شد و مد کے ساتھ اڑی ہوئی تھی اظہار کیا گیا۔ اس اجلاس پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین کتابِ قانون میں بحال رہے، اور اس حد تک مطلق العنان حکومت کے تمام ذرائع عمل سلب کر لئے گئے لیکن نہ تو کسی باضابطہ بیان سے پارلیمنٹ کی فوقیت کا اعلان کیا گیا نہ بادشاہ سے اس امر کا اقرار لیا گیا کہ اس کے اختیارات محدود ہیں اور قوم کے دیئے ہوئے ہیں۔ جہاں تک باضابطہ مواعید بلکہ باضابطہ بیانات کا تعلق ہے جو ۱۶۴۱ء میں نومبر کے بعد سے عمل میں آئے اور جن کے ساتھ جدید حکومت شروع ہوئی ہے، ان میں سے کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس میں دستوری شان پائی جاتی ہو

تاہم ایسی بہت چیزیں پیدا ہو چکی تھیں جو لوگوں کے دلوں کو متاثر کیے بغیر نہیں رہ سکتی تھیں اور وہ فراموش نہیں ہو سکتی تھیں۔ چارلس کا یہ بیان کہ پھر کبھی میں سفر کو نہیں جاؤں گا اس وجہ سے کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتا کہ یہ ایک قسم کی طعنہ آمیزی تھی۔ یہ اظہار سیاست کے کافی غور و خوض کے بعد

کیا گیا تھا جس میں حقیقت امر کا صحیح اندازہ کیا گیا تھا۔ چارلس جانتا تھا کہ دستور نے بہت پڑا پلٹا کھایا ہے۔ گو وہ زبان سے ایسا نہیں کہہ سکتا تھا نہ اس کی ماہیت کی وضاحت کر سکتا تھا۔ اس بات کو وہ خوب دل سے سمجھا ہوا تھا کہ میں ایک حد سے زیادہ پارلیمنٹ کی مخالفت نہیں کر سکتا اور اسی دانست کے مطابق اس نے اپنا رویہ مشخص کر لیا تھا۔ نہ تو وہ اپنے باپ کے بہ نسبت اقتدار پارلیمنٹ کی زیادہ تنسیخ کا خواہشمند تھا نہ شاہی اقتدار کے از سر نو قائم کرنے کا اپنے باپ سے کم خواہاں تھا، بلکہ سیاست میں اس کی نظر گہری اور تیز تھی اور وہ بہت جلد سمجھ گیا تھا کہ میرے ممکنہ حدود کہاں تک ہیں اور میرے حد سے آگے بڑھنے کا کیا نتیجہ نکلیگا۔ چنانچہ جب اس نے اعلان کے ذریعے منحرفین کی قانونی مجبوریاں اٹھا دینا چاہیں اور پارلیمنٹ نے سختی سے اعتراض کیا تو اس نے فوراً کوشش چھوڑ دی۔ حالانکہ یہ پارلیمنٹ وہ تھی جو ہمیشہ اس کے حسب خواہش کام کرنے کے لئے تیار تھی۔

بادشاہ کا یہ فعل اس حقیقی صورت حال کی خاطر خواہ ترجمانی کرتا ہے جو بحالی سے پیدا ہو گئی تھی اور جو کسی قانونی تشکل یا ضابطے پر نہیں بلکہ محض واقعات پر مبنی تھی۔ ظاہری تشکل اور قانون میں بادشاہ برتر اور مقتدر اعلےٰ تھا لیکن جہاں تک واقعے کا تعلق ہے پارلیمنٹ برتر ہو گئی تھی۔ مملکت کا اعلیٰ اقتدار یعنے وہ اختیار جو ہر متنازع فیہ سیاسی مسئلے کا قطعی فیصلہ کر سکے پارلیمنٹ کو دیدیا گیا تھا۔ اس کے بعد سے بادشاہ کے لئے جب تک وہ اصلی عاملانہ کام کرتا رہا پارلیمنٹ کے قطعی مرضی کی مزاحمت کرنا ناممکن تھا اور اسی طرح وزارت کے لئے جب سے کابینہ نے تمام عاملانہ اختیارات اپنے ہاتھ میں کر لئے تھے ایسی مزاحمت ممکن تھی۔ چنانچہ اس وقت چارلس اول کے بیٹوں کی کوششوں کا جو برا نتیجہ دکھلائیے انہیں شاہی اقتدار کو دوبارہ قائم کرنے میں جو افسوسناک مایوسی ہوئی۔ ایسی واضح مثال ہے جو بعد کی تاریخ میں تو کجا خود ہمارے زمانے کی تاریخ میں بھی نہیں ملتی۔

رسمی مفاہمت:۔ ۱۶۶۰ء کا نتیجہ جو ابھی بیان کیا گیا ہے وہ ایک مفاہمت اور محض مفاہمت تھی گو اس کا اظہار الفاظ میں نہیں بلکہ صرف واقعات سے ہوا تھا۔ جیمس اول کی تخت نشینی کے اوائل میں یہ سوال پیدا ہوا تھا کہ آیا سولھویں صدی کی مقتدر ملوکیت اور پندرھویں صدی کی زبردست پارلیمنٹی سیادت دونوں باہم چلائی جا سکتی ہیں، یعنے بادشاہ اور دستور کے درمیان کہاں خط فاصل کھینچا جا سکتا ہے۔ اس کا جواب مفاہمت کی صورت میں حل ہو گیا۔ لیکن مفاہمت کی عجب شان تھی۔ یہ آئندہ اکیس یا پچاس سال میں جن اصول پر ترقی ہوئی وہ یہ تھا کہ ظاہری تشکل و صورت تو بادشاہ کے ساتھ اور حقیقت امر پارلیمنٹ کے ساتھ وابستہ ہو گئی۔ زمانہ حال کا دستوری قانون داں جن الفاظ میں اس نتیجہ کو ظاہر کرتا ہے

ان سے زیادہ صحیح الفاظ اور نہیں ہو سکتے وہ یہ کہ "اقتدارِ اعلیٰ بادشاہ بہ اجلاس پارلیمنٹ میں موجود ہے"۔ اصولاً بادشاہ مقتدر رہے لیکن اس کا اقتدار پارلیمنٹ کے توسط سے ظاہر ہوتا ہے اور عمل میں لایا جاتا ہے۔ بادشاہ تدبیرِ مملکت کے اپنے ذاتی اختیار سے دست کش ہو گیا لیکن یہ دست کشی اس بات سے چھپی رہی کہ اختیارات بظاہر اسی کے ہاتھ میں معلوم ہوتے تھے اور ایک عرصے تک وہ اچھے خاصے اختیارات کام میں لاتا رہا اور اس کو اہم حقوق اور اثرات بھی حاصل رہے لیکن اس معنوی مفاہمت کے علانیہ تسلیم کرنے میں ابھی سو برس باقی تھے اور موجودہ سطح پر توازن قایم ہونے میں ابھی سو برس کا عرصہ درکار تھا لیکن درحقیقت یہ کام سنہ ۱۶۶۰ء میں ہو چکا تھا۔

دنیا کی تاریخ حکومت میں کوئی واقعہ اتنا معنی خیز اور وسیع الاثر نہیں ہوا جس قدر اس مفاہمت کا واقعہ ہے محض اسی واقعے کی بنا پر انگریزی دستور تمام مہذب دنیا میں پھیل گیا جو انیسویں صدی کی بڑی خصوصیات میں سے ہے، اور بالخصوص آگے چل کر اس نے یہ ثابت کر دیا کہ عمومیت کے حصول کے لیے دستوری ملوکیت کو درمیانی منزل کے طور پر کام میں لایا جا سکتا ہے اس لحاظ سے اس مفاہمت کے وسیع الاثر ہونے میں کوئی مبالغہ نہیں ہو سکتا۔ اگر تاریخ انگلستان کی رفتار اس نوع دستور کی طرف کھینچ لی جاتی جس میں وزارت ازروئے شکل و قانون بجائے بادشاہ کے براہ راست پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہوتی تو نہ صرف یہ معاملہ بے حد پیچیدہ ہوتا کہ بادشاہ کو سلب اختیارات پر کس طرح راضی کیا جائے بلکہ دوسری ملوکیتوں کو جو اس کے لئے کبھی راضی نہ ہوتیں اس دستور کا اختیار کرنا عملاً ناممکن ہو جاتا، اور موجودہ دستور کی جو مفاہمتی شکل ہے کہ وزارت گو اختیارات میں برتر ہے اصولاً اور شکلاً بادشاہ کی آفریدہ اور اس کے سامنے جوابدہ ہے، کبھی نہ پیدا ہوتی۔ ایک طرف تو یہ چارۂ کار تھا کہ حقیقی حکومت کے جملہ اعضا کو، براہ راست مجلس مقننہ کے سامنے باضابطہ طور پر جوابدہ کر دیا جائے، اور دوسری طرف یہ چارۂ کار کہ قطعی جمہوریہ قایم کر دی جائے۔ اب اگر مفاہمت نہ ہوتی تو ظاہر ہے کہ انقلاب ان دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو اختیار کر لیتا لیکن وہ اس قدر متوازن صورت ہوتی کہ کسی جانب کوئی خاص جاذبیت اور وزن نہ ہوتا۔ انگریزی دستور کا ہمہ گیر اثر صرف اس وجہ سے تھا کہ حقیقی حکومت پر پارلیمنٹ کا تسلط بالشکل اور بلاواسطہ نہیں ہوا بلکہ بالواقعہ اور بالواسطہ ہوا چنانچہ حقیقی جمہوریہ بادشاہ کے پیچھے چھپا رہا اور ساتھ ہی بادشاہی بھی اپنے پورے تزک و احتشام کے ساتھ قایم رہی۔

بحالی۔ بحالی کو ٹوری اور پریسبٹری دونوں فریق کا متحدہ کام تھا اور یہ قریب قریب ویسا ہی کام تھا جس کے عمل میں لانے کی کوشش پہلی خانہ جنگی کے بعد کی گئی لیکن ناکام ہوئی اس وقت اس کے کامیاب ہونے کی وجہ یہ تھی کہ غالی فریق کی عام مقبولیت معدوم ہو چکی تھی اور اب ان کا کوئی رہنما نہیں رہا تھا۔

بحالی کی کامیابی میں ایک جنرل منک کی فوج نے نہایت زور سے کام کیا دوسرے ایسی جماعت نے کام کیا جس کو امریکہ میں اجتماع کہا جاتا ہے لیکن انگلستان میں اس کو "اجتماعی پارلیمنٹ" کہتے ہیں کیونکہ اس کی صورت بھی پارلیمنٹ کی سی ہوتی ہے۔ جہاں تک ایوان بالائی کا تعلق ہے اس میں جتنے امرا جمع ہو سکے آ گئے۔ لیکن دارالعوام تو پرانی پارلیمنٹوں میں رکنیتوں کی تقسیم کے اصول پر طلب کیا گیا۔ قانوناً یہ پارلیمنٹ نہیں تھی کیونکہ جو انتخابات عمل میں آئے تھے ان کے لیے شاہی شقوں کا کوئی حکم نہیں تھا چارلس دوم کی واپسی کے بعد ایک قانون پاس کیا گیا کہ یہ مجلس باضابطہ پارلیمنٹ ہے اور چارلس دوم کی دوسری پارلیمنٹ نے جو باضابطہ طلب کی گئی تھی یہ قانون پاس کر کے عارضی پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے جملہ قوانین کی توثیق کر دی بحالی کی کارروائی کو دستوری عملدرآمد کے مطابق کرنے کے لئے ممکنہ کوشش کی۔ چونکہ دستور کی تاویل کے مطابق جو اس وقت مسلمہ سمجھا گیا چارلس دوم اپنے باپ کے قتل کے عین بعد ہی بادشاہ ہو گیا تھا لہٰذا پارلیمنٹہائے دولت عامہ اور محمیہ کے بنائے ہوئے جملہ قوانین جن کے لئے بادشاہ کی منظوری نہیں تھی خود بخود کالعدم ہو گئے۔ یہی بات طویل العہد پارلیمنٹ کے قوانین پر صادق آ گئی جو خانہ جنگی کے شروع ہونے کے بعد بنے تھے۔ لیکن رجعتی پارلیمنٹ نے شخصی حکومت کے پرانے امکانات کو بحال کرنا نہیں چاہا۔ چنانچہ طویل العہد پارلیمنٹ کے اولین قوانین چند مستثنیات اور ترمیمات کے ساتھ جوں کے توں بحال رہے۔

یہ کہا جاتا ہے کہ رجعت دوگونہ تھی ایک بادشاہ اور پرانے دستور کی رجعت دوسرے کلیسا کی رجعت اس طریقۂ بیان میں ایک قسم کی آسانی ضرور ہے۔ عارضی پارلیمنٹ میں پرسبٹری گروہ اس قدر طاقتور تھا کہ وہ منحرفین کے خلاف سخت تدابیر کی کبھی اجازت نہیں دے سکتا تھا اس نے بادشاہ کو بحال کر دیا، پارلیمنٹ کی پرانی تنظیم بحال کر دی، اور مملکت میں اس کا درجہ مع جدید اختیارات کے جو اس نے حاصل کر لئے تھے قائم کر دیا۔ شہرناؤ کو جو مقامی حکومت اور مقامی اثرات حاصل تھے وہ بحال کر دئے اور پیورٹنیوں کا وہ راستہ بند کر دیا جس سے وہ بڑے جوش وخروش کے ساتھ عمومیت کی طرف مائل تھے۔ اس نے قدیم جاگیری حقوق اراضی بند کر دیئے اور جو آمدنی بادشاہ کو مطالبات جاگیری سے حاصل ہوتی تھی اس کے عوض میں ایک محصول جنگی مقرر کر دیا۔ اس نے قوانین جہازرانی دوبارہ وضع کر دیے۔ بادشاہ کے واسطے عمر بھر کے لئے ٹنانہ اور رطلانہ منظور کر دیئے گئے مگر بالارادہ یا بلاارادہ یہ حکمت عملی قرار دی گئی اور اس پورے عہد میں جاری رکھی گئی کہ بادشاہ کو اتنی آمدنی نہ دی جائے جس سے حکومت کے جملہ مصارف پورے ہو سکیں۔ چند عادلوں کو جنھوں نے چارلس اول کے قتل کا فیصلہ کیا تھا اور چند لوگوں کو جو ان کے زبردست موئد تھے پھانسی دیا جانا منظور کر لیا مگر دوسروں کے لئے عام معافی کا قانون پاس کر دیا۔ یہ پارلیمنٹ

۲۹ دسمبر کو برخاست کر دی گئی۔

جدید پارلیمنٹ کے لئے بہت جلد نقشے جاری کئے گئے اور یہ پارلیمنٹ ۸ مئی ۱۶۶۱ء کو جمع ہوئی۔ بادشاہ کی واپسی کے بعد سے عوام میں ملوکیت اور کلیسائی انگلستان کے موافق عوام میں برابر جوش بڑھ رہا تھا چنانچہ یہ جذبہ انتخابات میں بھی نمودار رہا۔ پرسبٹیری عنصر جو اجتماعی پارلیمنٹ میں خاص اہمیت رکھتا تھا قریب قریب غائب ہو چکا تھا اور اب دارالعوام شاہ پرستوں سے بھرا ہوا تھا۔ یہ پارلیمنٹ تاریخ میں "شاہ پرست پارلیمنٹ" کے نام سے موسوم ہے اور اس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ یہ خود بادشاہ سے زیادہ بادشاہ پرست اور اسافقہ سے زیادہ کلیسائے انگلستان کی حامی تھی۔ اگرچہ آخری زمانے میں یہ پارلیمنٹ بہ نسبت پہلے کے بادشاہ کی حکمت عملی کی علانیہ مخالفت کرنے لگی، تاہم بہ حیثیت مجموعی یہ اس قدر اطمینان بخش تھی کہ چارلس نے اس کو اٹھارہ سال تک جاری رکھا اور چونکہ خود اس نے ۱۶۴۱ء کے قانون سہ سالہ کو ۱۶۶۴ء میں منسوخ کر دیا تھا اس لئے اس کا اتنے عرصہ تک برابر جمع رہنا خلافِ قانون بھی نہیں تھا۔

ضابطۂ کلرینڈن۔ شاہ پرست پارلیمنٹ کے کام کو آسانی کے لئے دو عنوانوں کے تحت رکھکر غور کیا جا سکتا ہے۔ ایک اس کی مذہبی اور دوسرے سیاسی جد وجہد۔ قومی مذہب یا کم از کم قومی کلیسا کی تنظیم کا سوال ابھی تک ایک زندہ سوال تھا اور اس کا اب تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ اگر خود مختار فریق کے دعاوی اس قابل نہیں تھے کہ ان پر ہمدردانہ غور کیا جاتا تو پرسبٹیری فریق کو تو یہ یقین کرنے کی کافی وجہ تھی کہ "جامعیت" کی کوئی شکل ایسی اختیار کی جائیگی جس کی رو سے یہ فریق اور اس کے پادری قومی کلیسا میں شامل رہ سکیں گے۔ اور ان کو جملہ شرائط مثلاً رسوم ولباس کی پابندی نہیں کرنی پڑے گی جس کے وہ مخالف تھے۔ ان کو فوراً معلوم ہو گیا کہ وہ دھوکے میں ہیں پارلیمنٹ کی اینگلیکائی اکثریت اور ان کے رہنماؤں نے کامل اخراج اور جبری متابعت کا وہی مسلک اختیار کر لیا جو لاڈ کے ذہن میں تھا۔ یہ مسلک چار قوانین کے ایک سلسلے میں ظاہر ہوا جو لارڈ چانسلر کلرینڈن کی وجہ سے جو اس زمانے میں صدر وزیر تھا بالعموم "ضابطۂ کلرینڈن" کے نام سے موسوم ہیں۔

ان میں سے پہلا ۱۶۶۱ء کا قانون تخصیصات ہے اس کی رو سے بلدیات کے تمام ملازم پیشہ "عہد میثاق" کو ترک کرنے پر مجبور کئے گئے اور ان کو حلفیہ اقرار کرنا پڑا کہ بادشاہ کی مخالفت ہر حالت میں ناجائز ہے۔ وفاشعاری اور سیادت کی قسم کھانی پڑی اور آئندہ یہ لازمی قرار دیا گیا کہ انتخاب کے ایک سال کے اندر انگلیکنی رسوم کے مطابق رسم عشائے ربانی میں حصہ لیں۔ ۱۶۶۲ء کے قانون یک رنگی سے یہ طے پایا کہ تمام پادری کلیسائی سند حاصل کریں۔ اور اپنی نمازوں میں کتاب عبادت استعمال کریں

اور تمام معلم یہ اقرار کریں کہ ہم مقررہ عقائد اور عدم مخالفت کے اصول کو مانتے ہیں۔ ۱۶۶۴ء کے قانون مجالس منحرفین کی رو سے اس کی ممانعت ہو گئی کہ غیر انگلیکنی عبادت میں جہاں چار سے زیادہ آدمی ہوں کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ بشرطیکہ وہ ایک ہی خاندان کے نہ ہوں اس کی سخت سزا قرار دی گئی۔ ۱۶۶۵ء کے پانچ میل کے قانون نے قرار دیا کہ جو عمال مذہب قانون یک رنگی کے منکر ہیں وہ حلفیہ اقرار کریں کہ ہم مخالفت کو ناجائز سمجھتے ہیں اور وعدہ کریں کہ ہم کلیسا اور مملکت میں کسی تبدیلی کی کوشش نہیں کریں گے۔ ایسا نہ کرانے کی صورت میں ان کو اس کی ممانعت تھی کہ وہ کسی ایسے با اختیار شخصیہ یا بروبار میں کے پانچ میل کے اندر آئیں جہاں وہ پہلے وعظ وغیرہ کر چکے ہوں۔ اس کی خلاف ورزی کی سخت سزا قرار دی گئی۔

ان قوانین کا عالمگیر اور بہت دیرپا اثر ہوا۔ ایک قدرتی اثر تو یہ ہوا کہ کلیسائے انگلستان پرانے مفہوم میں قومی کلیسا نہیں رہا بلکہ سرکاری کلیسا ہو گیا۔ جامعیت کا خاتمہ ہو گیا، منحرفین غائب ہو گئے اور اب وہ مردّدین ہو گئے۔ زمانۂ حال کی طرح صدی کے اوائل میں بھی لفظ منحرف سے قومی کلیسا کا وہ رکن سمجھا جاتا تھا جو اس کے رسوم کی پابندی نہیں کرتا تھا۔ اب اس کے یہ معنی باقی نہیں رہے تھے بلکہ اس سے وہ تردید کرنے والے مراد لئے جاتے تھے جن کا کسی اور کلیسا سے تعلق ہوتا تھا یعنے یہ مردّد تھے یہ حربہ خود مختاروں کے بہ نسبت پرسبٹریوں کے لئے زیادہ مہلک ثابت ہوا اور حقیقت ہے کہ ایک حد تک پرسبٹری ہی اس کے نشانہ بنائے گئے تھے کیونکہ ان کی سیاسی اہمیت تھی کلیسا کی قومی تنظیم پرسبٹریوں کے اصل عقائد میں شامل تھی اور یہ تنظیم ان کے لئے انگلیکنی کلیسا کے اندر یا باہر ناممکن تھی۔ چونکہ پرسبٹریوں کی سیاسی طاقت کا مستقر قصبات اور بالخصوص شخصیات تھے جو پارلیمنٹ کے بلدی اراکین کا انتخاب کرتے تھے اس لئے سیاسی طاقت کے دوبارہ حاصل کرنے کی تمام امیدیں ملیامیٹ ہو گئیں۔ رفتہ رفتہ پرسبٹری خاندان کلیسائے انگلستان میں داخل ہو گئے اور آگے چل کر ان سے وِگ فریق کو بڑی تقویت حاصل ہوئی مگر پرسبٹری مذہب بہ حیثیت ایک منحرفانہ تنظیم کے انگلستان میں بہت کمزور ہو گیا۔ برخلاف اس کے خود مختار کلیساؤں کو جو قومی تنظیم کے معتقد نہیں تھے بہت کم نقصان پہنچا اور رواداری کے زمانے تک یہ بڑی تعداد میں باقی تھے۔ اگر حمیہ کے دور میں جو محدود رواداری کا زمانہ گزرا ہے اس میں قوم کے مذہبی اور کلیسائی معاملات پر پارلیمنٹ کو سیادت حاصل نہیں تھی تو زمانۂ رجعت نے اس کی پوری تلافی کر دی۔ مگر یہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ ضابطۂ کلیرینڈن کی وجہ سے مذہبی مسائل کے اثرات بالکل زائل نہیں ہوئے بلکہ اس زمانے کی دستوری قانون سازی ان سے برابر متاثر ہوتی رہی۔

بادشاہ کا منشا جب ہم سیاسی نقطۂ نظر سے چارلس دوم کے عہد حکومت کی

توضیح کرنے بیٹھتے ہیں تو بادشاہ کے مقاصد کا اہم سوال سامنے آتا ہے جس کے متعلق علماء بالکلیہ متفق نہیں ہیں۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ اپنی سیرت اور شخصیت کے اعتبار سے یہ پکا اسٹوارٹ نہیں تھا۔ ان چیزوں میں یہ اپنے نانا ہنری چہارم شاہ فرانس کے بہت کچھ لگ بھگ تھا۔ اس میں معمول سے زیادہ سیاسی قابلیت تھی اور جن حالات سے اس کو نپٹنا پڑا تھا اس میں اس کو ایک حد تک نظر غائر حاصل تھی جو اس کے باپ اور بھائی میں مفقود تھی۔ لہٰذا ان چند اعتبارات میں وہ ایسا اسٹوارٹ بادشاہ تھا جو دستور کے لئے بہت خطرناک تھا اگر اس کے مسلک حکومت کی سرسری وضاحت اس طرح کی جائے کہ اس میں بہت کم مشکلات کا سامنا ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے دو بڑے مقاصد قرار دئے تھے جن کی وہ تکمیل چاہتا تھا اولاً یہ کہ جہاں تک ہو سکے حکومت پر بادشاہ کا پھر شخصی تسلط حاصل ہو یعنے وہ پارلیمنٹ کے قید و بند سے آزاد ہو جائے اور دوسرے اگر کیتھولک مذہب کے لئے کلیسائے مملکت کی شان پھر نہیں پیدا ہو سکتی تھی تو کم از کم جو لوگ اس کو اختیار کرنا چاہیں ان کے لئے یہ مسلمہ اور باضابطہ مذہب بن جائے اور اس کا برابر کا درجہ ہو۔ وہ عیش پرستی کے پردے میں بڑی ہشیاری کے ساتھ ان دو مقاصد کے پیچھے لگا رہا اور ان کو اسوقت تک نہیں چھوڑا جب تک ان کے لئے سعی بلیغ کی ضرورت داعی ہوتی یا ایک دوسرے انقلاب کا خطرہ نہیں پیدا ہوا۔ یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ اس نے عیش و عشرت کو ایک ٹٹی کی آڑ بنائے رکھا تھا بلکہ وہ اپنے حظ نفس کے لئے عیش پرستی کرتا تھا اور جوں جوں اس کی عمر بڑھتی گئی عیش و عشرت جزو زندگی کی طرح اس پر مسلط ہوگئے تھے مگر اس کے عہد کی چند چیزوں کی تشریح کرنا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک ہم یہ فرض نہ کرلیں کہ اس نے جان بوجھ کر اپنے کو عیش و عشرت اور اس زمانے کی اخلاقی کمزوریوں کی طرف مائل کر دیا تھا تاکہ اس کے وزرا کو اس کا دلی ارادہ نہ معلوم ہو سکے کہ وہ دستور کی خاص تاویل اور اپنے باپ دادا بادشاہان ٹیوڈر کی حیثیت کی طرف عود کرنا چاہتا ہے۔

چارلس نے سب سے پہلے ڈسمبر ۱۶۶۲ء میں موجودہ حالات کو بدلنے کی کوشش کی تاکہ مردودین اور ان کے ساتھ کیتھولکوں کا فائدہ ہو جائے نیز اتفاق سے شاہی اختیار خصوصی کا بھی فائدہ متصور تھا اس نے ایک اعلان کیا جو اکثر اس کا پہلا "اعلان رعایت" کہلاتا ہے۔ اس میں اس نے یہ ظاہر کیا کہ پارلیمنٹ کو جب اس کی دوسری نشست ہوگی ترغیب دی جائے گی کہ وہ "ہمیں پورے اطمینان کی خاطر وہ اختیار استثنا استعمال کرنے کی اجازت دے جس کے متعلق ہم سمجھتے ہیں کہ وہ ہم میں ودیعت ہے" یہ اس امر کا اعلان تھا کہ بہ حیثیت بادشاہ کے

اس کو رائج الوقت قوانین کی اطاعت سے مستثنیٰ کرنے کا اختیارِ خصوصی حاصل ہے اور اس کو امید تھی کہ وہ اس کو مردودین کی اعانت کے لئے، استعمال کرے گا اور پارلیمنٹ اس کے ساتھ پورا اتفاق کرے گی۔ مگر پارلیمنٹ نے اتفاق کرنے سے انکار کر دیا اور چارلس اس منصوبے کو چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔ دس سال بعد اس نے پارلیمنٹ کے تعاون کی درخواست نہیں کی بلکہ خود اپنے اختیارِ خصوصی پر بھروسہ کر کے ایک جدید اعلان شائع کیا جس کے الفاظ یہ تھے "ہم اپنی رضا و خواہش کا اعلان کرتے ہیں کہ منحرفین یا مردودین کسی نوع کے کیوں نہ ہوں ان کے مذہبی معاملات میں ان کے خلاف جو تعزیری قوانین ہیں وہ سب کے سب فوراً معطل ہو جائیں اور بذریعۂ ہذا معطل کر دیئے گئے"۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس اعلان سے پارلیمنٹ کے تقریباً چالیس قوانین ٹوٹ گئے اور اس کی نوعیت بالکل ایسی تھی جیسے رچرڈ دوم کا وہ اعلان تھا جس کے ذریعے سے پارلیمنٹ کے اختیار پر ضرب لگائی گئی تھی۔ بادشاہ کے دل میں یہ خوشگوار امید تھی کہ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک مردودین دونوں متحد ہو جائیں گے اور اس طرح اس کی حکمت عملی کو ایک قومی تائید حاصل ہو گی لیکن جب پروٹسٹنٹ اس رواداری کو ان شرائط پر ماننے کے لئے راضی نہیں ہوئے تو یہ امید ٹوٹ گئی اور دوسرے اجلاس میں پارلیمنٹ نے بھی نہایت وضاحت کے ساتھ اپنا خیال ظاہر کر دیا۔ دارالعوام نے یہ قرارداد منظور کی کہ "مذہبی معاملات میں جو تعزیری قوانین ہیں وہ سوائے پارلیمنٹی قانون کے معطل نہیں کئے جا سکتے" اور اس قرارداد کو ایک مراسلے کی صورت میں بادشاہ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ کچھ پس و پیش کے بعد چارلس نے اس کو منظور کر لیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان طریقوں سے چارلس کو یہ سبق مل گیا تھا کہ اختیارِ خصوصی کو براہِ راست عمل میں لانے سے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر کیتھولکوں کے لئے مساوی حقوق حاصل کرنا ہی ٹھہرا تو وہ سیاسی کامیابی کے ذریعہ ہونا چاہئے یعنی پہلے مملکت میں اپنی برتری قائم کی جائے۔ بہرحال اس نے یہاں سے مذہبی تبدیلی کی علانیہ کوششیں یک قلم موقوف کر دیں۔ مگر دستوری فضا سے مذہبی عنصر غائب نہیں ہوا۔ کیتھولک غلبے کی دہشت جو آزادی کے لئے خطرناک تھی اور جس سے ملکہ الزبیتھ کی سیاسی تاریخ بہت کچھ متاثر تھی پھر ایک نئی شکل میں نمودار ہوئی۔ اب خوف یہ نہیں تھا کہ قوم کی یہ کیتھولک جماعت جس کی غالباً پہلے اکثریت تھی پوپ کی حکومت پھر بحال کر دے گی بلکہ خوف یہ تھا کہ ایک کیتھولک بادشاہ یا کیتھولک خاندان سے بھی یہی خوفناک نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے۔ چارلس کے پروٹسٹنٹ مذہب کے متعلق بہت کچھ مشتبہ تھا۔ اس کا بھائی جیمز، جو براہِ راست وارثِ تخت تھا اس کے متعلق تو شبہ یقین کی حد تک پہنچ گیا تھا اور یہ یقین کے ساتھ

سمجھا جاتا تھا کہ وہ کیتھولک ہے۔ قوم کے اس ڈر سے کہ شاید وہ بات پوری ہو جائے ایک قانون پاس ہوا جس کا اثر تاریخ انگلستان میں مدت دراز تک رہا ہے اور ایک دوسرا قانون پاس کرنے کی تقریباً کامیاب کوشش ہوئی جس کی دستوری اہمیت اس سے بھی بڑھ کر تھی۔

قانونِ آزمائش۔ پہلا قانون تو "قانونِ آزمائش" ہے جو "اعلانِ رعایت" کے واپس لینے کے عین بعد ہی پیش کیا گیا تھا اور اس کا منشاء یہ تھا کہ تمام کیتھولکوں کو ایک آزمائش کے ذریعے جس سے بچنا محال تھا خدمت سے خارج کر دیا جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ملازم پیشہ جو چھپے کیتھولک تھے ان کو صاف صاف اپنا مذہب ظاہر کرنا پڑا اور تمام فوجی اور دیوانی عہدہ داروں پر وفاشعاری اور تفوق کی از سرِ نو قسم کھانا لازم ہو گیا۔ اس قسم میں اس بات کا اقرار بھی شامل تھا کہ ہم عشاء ربانی میں قلب ماہیت کے معتقد نہیں ہیں اور کلیسائے انگلستان کے رسوم کے مطابق عشاء ربانی کا حصول لازم ہو گیا اس کے بعد ۱۶۷۸ء میں پارلیمنٹی قانونِ آزمائش پاس ہوا کہ یہی اظہار دونوں ایوانوں کے اراکین پر لازم ہے۔ کوئی کیتھولک ان شرائط کی پابندی نہیں کر سکتا تھا۔ جیمز کو صحیح اس بات کا اقرار کرنا پڑا کہ میں رومی کلیسا کا رکن ہوں اور کیتھولک امراء کو جو اب تک دارالامراء میں اپنی نشستوں پر قابض تھے اپنی نشستوں کو چھوڑنا پڑا۔

ٹی ٹس اوٹس نے جو ایک بڑے "پاپائی سازش" کا غلط افشاء کیا کہ کیتھولکوں کے فائدہ کے لئے حکومت کو الٹنے کی کوشش کی گئی ہے جس پر عام لوگ یہ سمجھ کر کہ یہ سازش جیمز ڈیوک آف یارک کی تائید سے ہوئی ہے اس سے بدگمان ہو گئے اس وقت جذبے کی آگ اس قدر بھڑک گئی کہ شاہ پرست پارلیمنٹ کے مخالف فریق کو اس سے بے حد تقویت حاصل ہو گئی چارلس نے اپنے وزیر ڈینبی کو مواخذے سے بچانے کے لئے اس پارلیمنٹ کو چند روز کے لئے ملتوی کر دیا اور پھر برخاست کر دیا لیکن جدید دارالعوام میں ۱۶۷۹ء کے موسم بہار میں منتخب ہو کر آیا مخالف فریق کی پہلی سے زیادہ اکثریت تھی جو قریب میں "وِھگ" کے نام سے موسوم ہونے والے تھے۔ یہ فریق اس بات پر تل گیا کہ پارلیمنٹ کے انتہائی اختیارات کو عمل میں لا کر کلیسائے انگلستان کیتھولک حکمران کے خطرے سے بچائے۔ تین پارلیمنٹوں میں یکے بعد دیگرے ایک مسودہ پیش کیا گیا کہ ڈیوک آف یارک کو وراثت تخت سے خارج کیا جائے۔ ایک مرتبہ تو دارالامراء نے اس کو مسترد کر دیا اور دو مرتبہ بادشاہ نے پارلیمنٹ کو ملتوی اور برخاست کر کے اس مسودے کو دارالعوام میں جانے سے روک دیا مگر اس نے باضابطہ طور پر پارلیمنٹ کے اس دستوری حق کی کہ پارلیمنٹ سلسلۂ جانشینی کو بدل سکتی ہے کوئی مخالفت نہیں کی۔ چارلس کے عہد میں مذہبی مسئلے سے اور مزید نتائج پیدا نہیں ہوئے لیکن اس

حقیقی انقلاب میں جو جیمز کے عہد حکومت پر ختم ہوتا ہے مذہبی مسئلہ بھی وہی اثر رکھتا تھا جو سیاسی مسئلہ رکھتا تھا۔ تاریخ انگلستان میں دو بڑے فریقوں کا جو مسلسل وجود پایا جاتا ہے اس کا باعث اس عہد کی یہی مذہبی الجھنیں تھیں۔ پہلا اصول تفریق جس سے یہ فرقے بظاہر دربار کی تائید اور مخالفت معلوم ہوتی ہے اور اس طریقے سے ان کی تاریخ پیچھے ہٹ کر اس تفریق تک پہنچ جاتی ہے جو ۱۶۴۱ء میں دار العوام میں ظاہر ہوئی تھی لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ ابتدائی تفریق بھی سیاسی بنیاد پر نہیں بلکہ بہت کچھ مذہبی بنیاد پر مبنی تھی چونکہ وہ ابتدائی تھی اس لیئے اس میں بہت خامی تھی اور ایک زمانہ ایسا آیا کہ اس میں مدت تک باضابطہ فریق نظر نہیں آتے۔ ایک خاص چیز سمجھنا چاہیئے پھر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا اور اس کے ثبوت میں قوی دلائل پیش کئے جا سکتے ہیں کہ اس ابتدائی زمانے میں بھی جس نقطۂ نظر سے ایک شخص اپنے زمانے کے بنیادی مسائل کو دیکھتا تھا اسی کے مطابق اس کا دربار سے مخالفانہ یا موافقانہ تعلق پیدا ہوتا تھا۔ اسی چیز نے ہمیشہ انگریز قوموں میں تفریق پیدا کی یعنی قدامت پسندی کی خواہش یا آزادانہ ترقی کا خیال زمانۂ حال کی عام تبدیلیوں میں گو وقتاً فوقتاً خاص مسائل پیدا ہوتے رہے ہیں لیکن بالآخر فریقانہ حیثیت کا دار و مدار اسی چیز پر رہا ہے۔ اور اسی چیز نے تاریخ انگلستان میں یہ فیصلہ کر دیا کہ یہاں ہمیشہ صرف دو فریق رہیں گے بجز اس زمانے کے جبکہ کچھ سیاسی انتشار پیدا ہو یا مزید مسائل صاف روشنی میں آئیں یا ان کے خاص مسائل بننے میں کچھ عرصہ درکار ہو خواہ کچھ بھی ہو لیکن یہ صحیح ہے کہ زمانۂ حال کے سیاسی فریقوں کی نشو و نما چارلس دوم کے عہد میں ہوئی تھی اسی عہد میں ان فریقوں نے اساسی اصولوں کو اپنا شعار بنا کر اسی روشنی میں نئے نئے مسئلے کو دیکھنے لگے اور اس طریقۂ عمل سے روشناس ہو گئے جو ایک طرف ان کے اندرونی انتظام میں اور دوسری طرف ان معرکوں میں ضروری تھا جو ان کے مخالفوں سے ہوتے تھے۔

بادشاہ کی کامیابی۔ ۱۶۸۱ء میں جب چارلس کی آخری پارلیمنٹ جمع ہوئی اور مسودہ اخراج کو پاس کرنے پر تل گئی تو چارلس اس پارلیمنٹ کو حقیر کرنے میں کامیاب ہو گیا اور صرف ایک ہفتے کے بعد اس نے اس پارلیمنٹ کو برخواست کر دیا۔ چارلس کی اس کامیابی کے دو اسباب تھے۔ ایک بات تو یہ تھی کہ اس نے لوئی چہار دہم کے اس خیال کو منظور کر لیا تھا کہ انگلستان کی طرف سے براعظم کے فرانسیسی منصوبوں کی کوئی مخالفت نہ ہو اور لوئی نے وعدہ کیا کہ اس کے بدلے چارلس کو وہ ایسا معاوضہ دے گا جو اس کو آئندہ پارلیمنٹی منظوریوں سے بے نیاز کر دے گا۔ دوسرے پاپائی منصوبوں کی زیادتیوں اور ڈھکوسلوں کی اس انتہائی پالیسی کے خلاف جو

منسوبہ اخراج میں ظاہر ہو رہی تھی انگلستان میں ایک عام ہیجان ہو گیا۔ مخالف فریق ٹوٹ پھوٹ گیا اور اس کا تمام اثر جاتا رہا تھا اور یہ لوگ اس وقت تک نہیں سنبھلے جب تک کہ اگلے عہد کے کچھ دن نہیں گزر گئے۔ چارلس کی زندگی کے آخری چار سال ایسے مطلق العنانہ حکومت کے گزرے جیسے شاہان ٹیوڈر کے تھے۔ لیکن یہ ایک خام اور غیر مکمل مطلق العنانیت تھی۔ اولاً اس مطلق العنانیت کے راستے میں ایک رکاوٹ یہ تھی کہ کیتھولک ہر دو دین کے حق میں بادشاہ کے جو ارادے تھے وہ ملتوی کر دیئے گئے تھے۔ اس کو یہ سبق مل گیا تھا کہ جب تک اس کی سیاسی طاقت محفوظ نہ ہو جائے اس وقت تک ان ارادوں کے اظہار میں سلامتی نہیں ہے۔ دوسرے یہ ایسی مطلق العنانیت تھی کہ اس کے اظہار کے لئے اداراتی ذرائع نہیں تھے۔ اس کی تشکیل تھی نہ تنظیم۔ اس کا وجود اب تک اس وجہ سے قائم تھا کہ اس کی مخالفت نہیں ہوتی تھی اور مخالفت کرنے والے رہنماؤں کا پتہ نہیں تھا۔ پھر روح معنی نے ایسی شکلیں اختیار کر لیں جن کی دوسری طرح بھی تاویل ہو سکتی تھی یعنے قوم کی عادت یہ تھی کہ وہ رواجی عملدرآمد کے مطابق قوانین کی تاویل کرتی تھی اور رواجی عملدرآمد کو قانون میں بدل دیتی تھی اور اگر چارلس اور اس کا بھائی دونوں اس نوخیز مطلق العنانیت کو کوئی جھارد ہم کی سی مطلق العنانیت کے قالب میں ڈھالنا چاہتے جو قانون اور دستور پر قائم تھی تو ان کے لئے یہ بڑا مشکل کام ہوتا۔ لیکن چارلس کی ابتداء کچھ ایسی پڑی تھی کہ اس کے عہد کے اوائل میں یہ کہنا ناممکن تھا کہ یہ دونوں اپنے منصوبوں میں ناکام ہو جائیں گے اگر یہ لوگ مذہب کو الگ رکھتے اور مناسب حزم و احتیاط کے ساتھ کام کرتے تو یہ ایسا ناممکن نہ ہوتا۔

یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ یہ لوگ دستوری آغاز سے بالکل ہی محروم تھے موجودہ انگلوسکسن آزادی کا ایک بڑا عنصر یعنے عدلیہ کی خود مختاری ابھی تک حاصل نہیں ہوئی تھی۔ پیورٹینوں نے اپنی قانون سازی میں "نیک چلنی" کی شرط کے ساتھ عادلوں کی میعاد ملازمت مستقل قرار دی تھی۔ quomdiu se bene gesserint لیکن وہ قوانین سب خاک میں مل چکے تھے اور چارلس اس پچھلے عملدرآمد پر کاربند ہو گیا تھا کہ تقرر بادشاہ کی خوشنودی پر موقوف ہے durante bene placito سیاسی اسباب کی بناء پر اس نے دو لارڈ چانسلر اور ایک امیر مہر بردار تین میر مجلس عدالت اور چھ عادلوں کو برطرف کر دیا اور جیمز دوم تو اس حد سے بھی آگے بڑھ گیا۔ اس ناگزیر موقع کے لئے بھی کہ اگر مجبوراً پارلیمنٹ بلانی پڑے تو کیا صورت ہو تیاری کر لی گئی تھی۔ مخالف فریق کے مستقر قصبات تھے اور انھیں بر دار کیا گیا۔ عدالتوں میں ان کے خلاف تحقیقات و نتائج

(Quo Warrants) کی کارروائی کی گئی اور بیان کیا گیا کہ ان کے افعال ان کے قانونی اختیارات سے متجاوز ہیں چنانچہ ان کے فرامین کی ضبطی کا اعلان کر دیا گیا۔ ان کو جدید فرامین عطا کئے گئے لیکن انتخاب اور مقامی حکومت کا حق صرف چند اشخاص تک محدود رکھا گیا تاکہ بادشاہ کو اپنے جادو چلانے میں آسانی ہو۔ اس کے علاوہ پارلیمنٹی رشوت کا فن بھی ایجاد کیا گیا اور اس عہد میں دل کھول کے استعمال کیا گیا۔ حق عرضداشت میں مداخلت کرنے کے نظائر پیدا ہو گئے تھے اور عدم مخالفت کے اصول کو اس قدر بڑھایا گیا کہ اس کو تقریباً عقائد میں شامل کیا گیا۔ لیکن اتنے عرصے کی ترقی کے بعد سترھویں صدی کے آخر میں آ کر کامیابی کی توقع فضول تھی پھر چارلس کی اچانک موت ایسی عمر میں جب کہ ان حالات میں عام طور پر چند سال اور پر زور کام کی توقع کی جا سکتی ہے مطلق العنانیت کے معاملے کے لئے بہت ہی خطرناک ثابت ہوئی اور یہ بادشاہوں کی تاریخ جانشینی میں کوئی نایاب بات نہیں ہے۔ اب سیاسی دور اندیشی اور مصالحت پسندی کی جگہ جو چارلس کے عہد کی خصوصیت تھی اس کے بھائی جیمز کی بدسلیقہ جلد بازی کا قدم آ گیا۔

قانون احضارِ ملزم۔ چارلس اوّل کے عہد کا ایک اور قانون خاص دستوری اہمیت رکھتا ہے اور وہ ۱۶۷۹ء کا قانون احضار ملزم ہے۔ ازمنۂ وسطیٰ میں کئی شقوں کا ذکر آتا ہے جس کا مقصد غیر قانونی گرفتاری اور قید کے خلاف رعایا کی آزادی کی حفاظت کرنا تھا۔ تیرھویں صدی میں سب سے پہلے جو شقہ جاری ہوا اس کو احضار ملزم کا شقہ کہنا صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے اغراض مختلف تھے یعنی یہ کسی شخص کو شہادت کے لئے عدالت میں بلانے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ صرف پندرھویں صدی میں آ کر یہ ہوا کہ قانون عرفی کی عدالتیں اس کو عدالتہائے دادرسی کے روز افزوں اختیارات خصوصی سے لوگوں کو بچانے کے لئے استعمال کرنے لگیں۔ سولھویں صدی میں آ کر یہ شقہ بہت اہم ہو گیا یعنے اب یہ کونسل کے روز افزوں اختیارات کے خلاف حفاظت کا ضامن ہوگا۔ ذاتی حفاظت کے لئے سلسلے میں شقے کے پورے اوصاف سترھویں صدی کے اوائل کے بعد تک ظاہر نہیں ہوئے، اور یہ ہم دیکھ آئے ہیں کہ چارلس اوّل کے اوائل عہد حکومت میں اسکو ترقی دینے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی گئی تھیں۔ ۱۶۴۱ء میں کونسل کے اصلی عدالتی اختیارات کا تو خاتمہ ہو گیا لیکن اس کے ساتھ حفاظت کی ضرورت ختم نہیں ہوئی کیونکہ گو کونسل کے اختیارات سماعت باقی نہیں رہے تھے مگر گرفتاری اور قید کے اختیارات تو باقی تھے۔ تجربہ ثابت کرتا تھا کہ کارروائی کے کئی اجزا ایسے ہیں جن کی صریح تعریف ضروری ہے۔ ۱۶۷۹ء کے قانون کے متعلق یہ نہیں

سمجھنا چاہئے کہ وہ صرف اصول قائم کرنا چاہتا تھا بلکہ ان اجرائے محاصل کے قوانین کی طرح جو ۱۲۹۵ء کے بعد پاس ہوئے ان راستوں کو مسدود کرنا چاہتا تھا جن سے لوگ اس اصول سے جو بہت خطرناک ثابت ہو چکا تھا بچنے کی کوشش کرتے تھے۔ نہ صرف ان عہدہ داروں پر جو لوگوں کو حراست میں رکھتے تھے سنگین سزاؤں کے ساتھ یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ محروس کو باقاعدہ اور جلد پیش کریں بلکہ عادلوں پر بھی جن کو شقوں کے لئے درخواست دی جاتی تھی سنگین سزاؤں کے ساتھ یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ شقوں کو جاری کریں شقے جاری کرنے والی عدالتوں کی تعداد بڑھائی گئی اور یہ ضابطہ بنایا گیا کہ جو قیدی ضمانت پر رہا نہیں ہو سکتے ان کو فوری سماعت کے لئے پیش کرنا چاہئے اس وقت یہ نہیں دیکھا گیا کہ ضرورت سے زیادہ ضمانت طلب کرنے میں کیا خطرہ ہوگا بلکہ اس کیلئے دس سال ٹھہرنا پڑا اب قانون حقوق میں اس کے متعلق بھی ضابطہ بنا دیا گیا۔

اس بات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ اس عہد میں مواخذے کی کارروائی نے بھی اپنی پختہ اور کامل شکل اختیار کرلی۔ یہ قرونِ وسطیٰ کا طریقۂ کار تھا جس سے وزرا براہِ راست پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ بنائے جاتے تھے۔ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ یہ طریقہ عین اس وقت مکمل ہوا جبکہ وہ عنقریب متروک ہونے لگا تھا کیونکہ جدید طریق ذمہ داری یعنے نظام کابینہ وجود میں آرہا تھا ارل ڈینبی کے مواخذے میں (جو ۱۶۷۹ء میں شروع ہوا لیکن کبھی پورا نہیں ہوا) جدید و قدیم مختلف امور طے ہو گئے۔ یہ طے ہو گیا کہ ایسے الزامات کی بناء پر وزرا کی سماعت کی جا سکتی ہے جو وزرا کے خلاف تو بے بنیاد ہوں لیکن بادشاہ کے خلاف ثابت ہوتے ہوں؛ بادشاہ کا کوئی تحریری حکم صفائی میں نہیں پیش کیا جا سکتا؛ اور بادشاہ کے معافی دینے سے سماعت موقوف نہیں ہو سکتی۔ یہ امور ۱۷۰۱ء کے قانون بندوبست میں شامل کرلئے گئے نیز یہ بھی قرار دیا گیا کہ پارلیمنٹ کے التوا اور برخاست سے مواخذے کی کارروائی مسدود نہیں ہو سکتی، چنانچہ اس کے بعد کارروائی کو از سر نو شروع کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ یہ آخری امر اس اصول کا عملدرآمد تھا جو دارالامرا اپنی روزمرہ عدالتی کارروائیوں کے سلسلے میں پہلے اختیار کر چکا تھا۔ اگرچہ نظام کابینہ کے ارتقا سے مواخذہ متروک ہو گیا ہے اور اب یہ سیاسی حربے کے طور پر استعمال نہیں ہوتا لیکن قانوناً اس وقت بھی انگلستان میں کام میں لایا جا سکتا ہے، اور ریاستہائے متحدہ میں بھی اسی طرح ممکن ہے گو یہاں سزائیں سیاسی نوعیت کی ہوتی ہیں۔

تعین اخراجات ۔ عاملہ پر پارلیمنٹی اقتدار قائم رکھنے کا ایک اور زبردست ذریعہ تعین اخراجات تھا جو کم از کم کیفیات حالیہ کے تحت چارلس ۲ کے عہد میں بہت وسعت و ترقی پاتا گیا ۔ اس اصول میں اس درجہ ترقی ہوئی کہ اس عہد کو اس کا گویا مبدا ہی سمجھنا چاہیئے پندرھویں صدی میں ہم اس علدرآمد کی ابتداء دیکھ آئے ہیں لیکن وہ ابتدا صرف ابتدائے امکان کی حد سے آگے نہیں بڑھی تھی ۔ اس ابتداء کے بعد اس نے کوئی خاطر خواہ ترقی نہیں کی تھی ۔ سترھویں صدی کے اوائل میں ایسی مثالیں پیدا ہو چکی تھیں کہ رقم کی منظوری کے ساتھ اس کے خرچ کا مقصد بھی معین کر دیا گیا ، لیکن یہ علدرآمد بھی جاری نہیں رہا ۔ اب سنہ ۱۶۶۵ء میں رقم کی اس طرح منظوری دی گئی کہ وہ ولندیزی جنگ میں صرف کی جائے اور اس کے بعد سنہ ۱۶۶۷ء میں خزانے کے حسابات کی تنقیح کے لئے ایک پارلیمنٹی کمیٹی کا تقرر عمل میں آیا ، اور ایوان سے بحری خزانہ دار کو اس علت میں خارج کر دیا گیا کہ اس نے بغیر وثیقے کے رقم دے دی تھی ۔ حسابات کی اس سخت تنقیح اور اس تاکید سے کہ کوئی شخص سوائے قانونی وثیقے کے ادائی رقم کا مجاز نہیں ہو سکتا تھا ، اس زمانے کی ترقی یافتہ شکل کے قدم جم گئے ۔ اگرچہ جیمز (دوم) کے عہد نے اس علدرآمد میں رکاوٹ پیدا کی لیکن اس سے کوئی حقیقی فصل نہیں ہوا ۔ جیمز کے اخراج کے بعد جو تغیرات عمل میں آئے ان کی بنیاد وہی تھی جو اس وقت مستحکم ہو گئی تھی ۔ زمانۂ حال کی اینگلو سیکسنی مقننات تعین اخراجات کے علدرآمد کو جو اس زمانے میں مصارف کے جزوی امور پر بھی حاوی ہو گیا ہے اپنی طاقت کا اہم تر ذریعہ سمجھتی ہیں اور غیر معمولی احتیاط کے ساتھ اس کی حفاظت کرتی ہیں ۔ اس سے تدبیر مملکت پر کافی گرفت رہتی ہے اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ایک وزیر اپنے کام کی جوابدہی کے لئے بلایا جاتا ہے بلکہ اس کے ناپسندیدہ افعال کی ترقی آئندہ مسدود ہو جاتی ہے ۔ پارلیمنٹ کے حصول اختیارات میں جو اس نے عاملہ پر حاصل کئے حق تعین اخراجات کے کامل قیام کو آخری زینہ سمجھنا چاہیئے جس کی مزاحمت تقریباً ناممکن تھی اور اس سے کابینہ کی ذمہ داری کا طریقہ پیدا ہو گیا جو کسی قانون سے ظاہر نہیں ہوتا بلکہ صرف غیر مسلمہ رواج میں اس کا وجود پایا جاتا ہے ۔

اگر دار العوام کا مصارف حکومت پر قابو حاصل کرنا اور اس طریقے سے اپنے اختیارات بڑھانا کابینی ذمہ داری قائم کرنے کی تیاری تھی اور اس کے بعد یہ کوشش تھی کہ فریق بندی

کے زور سے اس ذمہ داری کو متحرک کیا جائے تو دوسرے طرف اس عہد میں ایک بیرونی یا دارتی جماعت کی بھی تیاری ہو رہی تھی جو اس ذمہ داری کا بیرونی جامہ ہو نا تشکیل کابینہ کے اس رخ سے دیکھا جائے تو اس کا نقطۂ آغاز پرانی پریوی کونسل تھی اور اس کا پارلیمنٹ سے قریبی تعلق اس بات میں تھا کہ کونسل کے اراکین ہمیشہ کسی نہ کسی ایوان کے رکن ہوتے تھے۔ ازمنہ وسطیٰ کے اختتام کے بعد سے کونسل کا قطعی میلان یہ تھا کہ اپنے اراکین کی تعداد بڑھائے اور کم از کم یہ رجحان پیدا ہو رہا تھا کہ وزارتوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا جائے۔ یعنے منفردہ اراکین یا چھوٹی کمیٹیوں کو جو حکومتی یا انتظامی اغراض کے ذمہ دار نہیں جدا کر دیا جائے۔ اس قسم کی کمیٹیوں کا سلسلہ ازمنہ وسطیٰ سے جا کر مل جاتا ہے۔ ٹیوڈر دور میں ایسی کم از کم چھ کمیٹیاں تھیں جب کونسل کے اراکین کی کثرت بڑھتی گئی تو پورے اراکین کی مجلس میں اطمینان بخش کام کرنا مشکل ہو گیا اور تمام سترھویں صدی میں کمیٹیوں کا استعمال جاری رہا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ بادشاہ تدبیر مملکت کے کسی مسئلے میں کونسل یا اس کے کسی خاص اراکین سے مشورہ کرنے پر مجبور نہیں تھا۔ اور اس کے لئے یہ بھی جائز سمجھا جاتا تھا کہ وہ ایسے اراکین سے مشورہ کر سکتا ہے جو کسی مسلمہ کمیٹی کے اراکین نہیں ہوتے تھے یا ایسے اشخاص سے مشورہ کر سکتا ہے جو کونسل سے کوئی تعلق ہی نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا بارہا کیا۔

چارلس دوم کی تخت نشینی کے وقت کونسل اور زیادہ وسیع ہو گئی۔ اس کے باپ کی کونسل کے باقی ماندہ اراکین دوسرے شاہ پرستوں کے ساتھ اپنی نشستوں پر بحال کر دئے گئے اور فریق مخالف میں سے بہت سوں کا تقرر کر کے اس تعداد کا توازن قائم کر دیا گیا۔ چارلس کے عہد حکومت میں مختلف اوقات میں کونسل کی تعداد پچاس تک پہنچ گئی تھی لیکن یہ کوشش نہیں ہوئی کہ اس کونسل کو بحیثیت مجموعی ایک حقیقی صلاح کار آلہ بنایا جائے بلکہ معاملات خارجہ کی چھوٹی کمیٹی دیگر امور سے زیادہ اس کام کو بخوبی انجام دیتی تھی۔ ابھی چارلس بے ضابطہ اور خفیہ صلاح کاروں سے مشورہ کرتا تھا اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا یہ مشورہ بھی بڑھتا گیا حالانکہ یہ احساس روز بروز بڑھتا جاتا تھا کہ ایک مسلمہ کونسل ایسی ہونی چاہیے جو بادشاہ اور پارلیمنٹ کے درمیان قائم ہو اور دونوں میں مفاہمت کرے اور یہ ایسی ذی اثر ہونی چاہئے کہ حکمت عملی اختیار کرے۔ اسکی دونوں تائید کریں جو منصوبہ سر ولیم ٹمپل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس کی

تہ میں یہی خیال مضمر تھا اور یہ کلرینڈن کے بعد زوال کے آزمایا گیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ تمام فریقوں کے ساتھ مفاہمت کرنی چاہیئے۔ کونسل میں بادشاہ کے دوست اور دشمن اور غیر جانبدار لوگ اور پریوی کونسل کے اراکین اور پارلیمنٹ کے رہنما شریک ہونے چاہئیں۔ اگر بادشاہ اس کی دل سے تائید کرتا تو اس کے باوجود بھی یہ منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔

اگرچہ زمانہ حال کی کابینہ اختلاط کی اس تجویز سے نہیں پیدا ہوئی لیکن اس کوشش سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کابینہ جو عقدہ حل کرنے والی تھی یعنے اس بات کا قطعی انتظام کہ مقننہ اور عاملہ دونوں ایک ہی مسلک کی پیروی کریں اب سمجھ میں آرہا تھا نیز پریوی کونسل ہی ایسا ادارہ تھا جس سے یہ آئندہ مفاہمت دستیاب ہو سکتا تھا۔ اس کی طرف ہم آیندہ باب میں زیادہ تفصیل کے ساتھ رجوع کریں گے۔

نمایاں تغیرات۔ اس عہد میں بعض غور طلب امور کی ابتدا ہوتی ہے اور بعض کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ کلیسائی مجلسوں نے اپنے پر محصول لگانا چھوڑ دیا اور یہ حق پارلیمنٹ کو دے دیا۔ دارالامرا کو قانونِ عدالت کے طور پر جو عدالتی ابتدائی اختیارات حاصل تھے وہ اس نے چھوڑ دئے۔ اور اس کے بجائے عدالت چانسری کے مرافعوں کی سماعت کا حق حاصل کر لیا اراکین جوری خود اپنے فیصلوں کے خواہ وہ عادل کے لئے تشفی بخش ہوں یا نہ ہوں ذاتی طور پر ذمہ دار نہیں رہے۔ دارالعوام نے یہ طے کر دیا کہ اجرائی محاصل کے متعلق دارالعوام کو تنہا حق حاصل ہے جس میں امرا کوئی ترمیم نہیں کر سکتے۔ زمانہ وسطیٰ میں دسواں اور پندرھواں حصہ محصول کے طور پر لیا جاتا تھا وہ اب لیا جانا بند ہو گیا ایک نئے معتمد جنگ کے تحت محکمہ جنگ کی تنظیم شروع ہو گئی اور غیر ممالک میں آبادکاری کیلئے ایک ترقی یافتہ کونسل قائم ہو گئی۔

جن حالات میں جیمز دوم نے اپنی حکومت شروع کی ان سے بہتر حالات اس کو نہیں مل سکتے تھے۔ اس کو اپنے بھائی سے عظیم الشان عملی اقتدار حاصل ہوا تھا اور بعض تو یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ اقتدار ٹیوڈر بادشاہوں کے اقتدار سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ قوم کی ہمدردی اور ہمہ گیر خوشنودی سب اس کی تائید پر تھی کیونکہ اس کو تخت سے الگ کرنے کی کوشش کے خلاف عام اور شدید مخالفت ہو چکی تھی۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حق منجانب اللہ اور عدم مخالفت کے اصول کو عالمگیر مقبولیت حاصل ہو گئی ہے۔ مخالفت بالکل منتشر اور ایسی دل شکستہ تھی کہ اس میں زور دکھانے کی صلاحیت ہی باقی نہ تھی۔ اوائل میں جیمز کے افعال اور الفاظ

اور اس کا، ظاہری ضبط ایسا تھا کہ اس سے سب متاثر تھے۔ ایک تو یہ اثرات تھے دوسرے فرامین بلد یات میں تراش خراش کر کے بادشاہ کو فائدہ پہنچایا گیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ جیمز کی تخت نشینی کے بعد موسم بہار میں جو پارلیمنٹ منتخب ہو کر آئی تو اس میں شاہ پرستوں کی غیر معمولی کثرت تھی۔ بادشاہ کی عمر بھر کے لئے کثیر مداخل منظور کئے گئے اور پارلیمنٹ اس کی ہر معقول خواہش کے ماننے کے لئے تیار معلوم ہوتی تھی۔ جب ابتدا یہ تھی تو ظاہر ہے کہ تین سال سے کچھ زیادہ کی معمولی مدت میں اس کے تمام فائدوں کو نلیامیٹ کر دینا اور خود اس کو ایسے رتبے پر لانا جہاں اس کو تخت چھوڑ دے کر آوارہ گرد ہونا پڑا یہاں تک کہ اس کا کوئی ساتھ دینے والا باقی نہ رہا ہو کوئی معمولی سیاسی کامیابی نہ تھی۔ اس کامیابی کا جزو اعظم یہ تھا کہ اس نے اس قلیل مدت میں خود اپنے فریق کی کثیر تعداد کو جو اپنے دلی ایقان کے ساتھ عدم مخالفت کے اصول کو ماننے والی تھی مزاحمت اور انقلاب کا حامی بنا دیا۔

اس بحران کے بڑے اغراض اور محرکات مذہبی تھے اور اس میں جیمس اور قوم دونوں کا یکساں حال تھا۔ وہ کیتھولک مذہب کی حیثیت انگلستان میں بہتر بنانا چاہتا تھا اور اس بات کا آرزومند تھا کہ اس مذہب کی طرز عبادت کو جائز بنا دے لیکن اس غرض کے لئے اس نے جو ذرائع استعمال کئے اور جو نتائج پیدا کئے گو وہ محض ضمنی تھے اور اس کے مقصد اصلی سے ہٹے ہوئے تھے مگر وہ دستوری تھے چونکہ اپنی تخت نشینی کے بعد ہی اس نے آسانی سے آرگائل اور منمتھ کی بغاوت فرو کر دی تھی اور ساتھ ہی اس کے ہاتھ میں ایک اچھی خاصی فوج تھی جو شورش کے فرد کرنے کے بعد برخاست نہیں کی گئی تھی غالباً اس سے اس کو یہ ترغیب ہوئی کہ اپنے ابتدائی ارادوں سے آگے بڑھنا چاہئے اور جلدی کرنی چاہئے۔ اس نے نہ صرف یہ ٹھان لیا کہ مستقل فوج قائم رکھوں گا حالانکہ قوم مستقل فوج کو بہت بُری نظر سے دیکھتی تھی، بلکہ فوج کے عہدوں پر کیتھولکوں کو بحال رکھوں گا جو قانون آزمائش کے خلاف پچھلی شورش کے دوران میں مقرر کئے گئے تھے اور یہ اور بھی دلخراش بات تھی۔

نومبر ۱۶۸۵ء میں یہ مسائل پارلیمنٹ میں غور کے لئے پیش ہوئے لیکن اس کے پہلے ہی لوئی چہاردہم نے فرانس میں پروٹسٹنٹوں کو ستانا شروع کر دیا تھا اور خصوصاً اکتوبر میں آئین احکام نانت (edict of Nantes) منسوخ کر دیا تو قوم کا جذبۂ ہمدردی اور دہشت تیز ہو گیا کیونکہ اس کے متعلق یہ خیال تھا کہ یہ چیزیں خاص حلقۂ یسوعی کے اثرات کے تحت پیدا ہوئی ہیں۔

چونکہ یہ معلوم تھا کہ جیمز کے دربار میں بھی زوردار مسیحی اثرات ہیں۔ تو قدرتی طور پر شبہہ بڑھتا گیا اور پادشاہ کے بیانات اور وعدوں کے متعلق اعتماد گھٹتا گیا۔ جب پارلیمنٹ نے قوم کے لئے روپیے کی منظوری دینے سے یا عہدہ داروں کو قانون آزمایش سے مستثنیٰ کرنے سے انکار کردیا اور الٹے اس کی مخالفت میں پادشاہ کے پاس عرضداشت پیش کی تو پارلیمنٹ کو ملتوی کردیا گیا اور ایک طویل عرصے کے بعد اس کو برخاست کردیا گیا۔

اختیار استثنا۔ پارلیمنٹ کی مخالفت سے جیمز اپنے راستے سے ہٹ نہیں سکتا تھا۔ آیندہ موسم بہار میں عادلوں کا ایک اجلاس کالعدم کرکے ایک فرضی مقدمے کی بابت یہ فیصلہ حاصل کرلیا کہ میں اپنی رعایا میں سے ہر شخص کو قانون سے مستثنیٰ کرسکتا ہوں۔ اس اختیار سے اس نے کیتھولکوں کو نہ صرف فوج میں بلکہ غیر فوجی عہدوں میں، پریوی کونسل میں، جامعہ اکسفورڈ میں اور خود کلیسائے انگلستان میں برابر مقرر کرنا شروع کردیا۔ اس اثنا میں جب ایک پادری نے کیتھولک مذہب کے خلاف وعظ کہا تو جیمز نے یہ دیکھکر کہ میں اسکو سزا نہیں دے سکتا ایک ایسی عدالت قائم کی جو درحقیقت مذہبی عدالت ماموریہ اعلیٰ کی ایک جدید شکل تھی گو اس کی بے حد کوشش کی گئی کہ جس قانون سے اس نام کی پرانی عدالت موقوف ہوگئی تھی۔ اس کے الفاظ نہ آنے پائیں کیتھولکوں کے حوصلے بڑھ گئے؛ یہ لوگ علانیہ اپنے رسوم منانے لگے اور لندن کے انبوہ نے اس پر اعتراض کیا تو جیمز نے بھی فوج جمع کی اور (۱۶۰۰۰) آدمیوں کو شہر کے قریب ایک کیمپ میں ٹھیرادیا۔ ان نت نئی چیزوں کے متعلق قوم کا جذبہ صاف ظاہر ہورہا تھا لیکن پادشاہ نے اس چیز کو دیکھا نہ سمجھا۔

۱۶۸۶ء کے اواخر میں بادشاہ اس حد سے بھی آگے بڑھ گیا لیکن ابھی تک اس کے کام کی کوئی مضبوط بنیاد پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اس کا دارومدار صرف شاہی اختیار خصوصی پر تھا جس کا جواز اس وقت اور جب کبھی قوم اپنے عزم وارادہ کو ظاہر کرنے اور عمل میں لانے کے قابل ہوجائے قابل تسلیم نہیں رہتا تاک وہ یہ تھی کہ عام لوگوں کی تائید حاصل کی جائے۔ یہ سبق مل چکا تھا کہ اعلان رعایت کے ذریعے مذہبی قیود رفع کرنے کے باوجود چارلس پروٹسٹنٹ مردوںن کی تائید حاصل نہیں کرسکا تھا۔ جیمز سمجھا کہ میں ان کی تائید حاصل کرسکتا ہوں۔ سنہ ۱۶۸۷ء کو اپریل کے مہینے میں اس نے خود اپنا اعلان رعایت

شایع کیا ۔ اس میں تمام مرتدّین کو خواہ وہ پروٹسٹنٹ ہوں یا کیتھولک عبادت کی آزادی دی گئی اور خدمات کے لئے آزمایش کی قید اٹھادی گئی ۔ تھوڑی دیر کے لئے یہ خیال تھا کہ پروٹسٹنٹ مرتدّین اس پر صدائے لبیک دیں گے اور یہ بھی امید تھی کہ ایک پارلیمنٹ ایسی منتخب ہوکر آئے گی جو قانون آزمایش کو منسوخ کردے گی ۔ نیز حلقہ جات انتخاب کی الٹ پھیر بلدیات سے بڑھ کر صوبوں تک پھیلادی گئی تھی ۔ لیکن یہ کوشش کامیاب نہیں ہوئی صوبوں پر قابو حاصل نہیں ہو سکا ۔ کیتھولک مذہب کے ساتھ بادشاہ کا انہماک اس قدر بدگمانی پیدا کر رہا تھا کہ خود مختار گروہ اور کوئی دیگر فرقے کی تائید حاصل کرنا بالکل محال تھا ۔

۱۶۸۸ء کا انقلاب ۔ اسی اثناء میں جب کہ اعلان رعایت شائع ہوا تھا بادشاہ نے موڈلن کالج اکسفورڈ کی صدارت کیلئے رفقاء کے انتخاب کے خلاف ایک کیتھولک کو حکماً مقرر کر دیا اور زبردستی اس کو جائزہ دلایا ۔ اس پر عام لوگوں میں بڑی دہشت اور ہیجان پیدا ہوگیا ۔ لیکن جیمز ان تمام علامتوں اور واقعات کا اندازہ نہیں کرسکا جن کے قدرتی نتائج پیدا ہو رہے تھے ۱۶۸۸ء اپریل کے مہینے میں ایک دوسرا اعلان رعایت جاری کیا گیا اور اس کے بعد ہی یہ حکم نکلا کہ یہ اعلان تمام قومی کلیساؤں میں پڑھا جائے ۔ پادریوں نے دیکھا کہ یہ نہ صرف غیر قانونی فعل ہے بلکہ ہم سے بھی غیر قانونی فعل کا ارتکاب کرایا جارہا ہے ، چنانچہ اسقف اعظم کنٹربری اور چھ اساقفہ نے بادشاہ کی خدمت میں یہ درخواست بھیجی کہ پادریوں کو خلاف قانون عمل کرنے پر مجبور نہ کیا جائے درخواست کے اس معنوی اشارہ سے کہ بادشاہ کا فعل غیر قانونی ہے جیمز آگ بگولا ہوگیا اور اساقفہ کو مجرمانہ ازالت عرفی کے الزام میں گرفتار کیا گیا اور ٹاور میں نظر بند کر دیا گیا ۔ ان کا مقدمہ اصولِ انصاف کی ایک تحریف تھی ، لیکن جب جوری نے ان کو بری کر دیا تو اس پر فوج تک میں جوش و خروش کے ساتھ اظہارات مسرت کیا گیا اور ساتھ ہی جوری کے اختیارات میں ایک اور اضافہ ہوگیا کہ ان کے سامنے جو شہادت بھی پیش کی جائے وہ مقدمہ کے عام اوصاف کو دیکھکر فیصلہ کرسکتے ہیں ۔

اس مقدمے کی ابھی سماعت شروع نہیں ہوئی تھی کہ جیمز کے ایک بیٹا پیدا ہوا اور اس ایک واقعے سے تمام ماحول بدل گیا ۔ اس واقعے تک قوم کی نظر امید آگے نسبتہً قریب منزل پر پڑتی تھی جب جیمز کی بیٹی میری جو شاہزادہ اَرَنج سے بیاہی گئی تھی تخت نشین ہو جائے گی ۔ اس لئے کہ یہ دونوں پکے پروٹسٹنٹ تھے ان حالات کے بدلنے سے پہلے اس امید میں صبر کرنا اور یہ خیال کرنا ممکن تھا کہ معاملات

بہت طول نہیں کھینچیں گے اب کیتھولک بادشاہوں کے ایک لامتناہی سلسلے کے لئے راستہ کھل گیا اور یہ بات سب پر روشن ہو گئی کہ اب قوم کو اپنی آپ مدد کرنی چاہئے۔ اساقفہ کے براءت کے بعد ہی ولیم آف آرنج کو ایک تحریری دعوت دی گئی کہ انگلستان آکر بادشاہ کے خلاف رہنمائی کرے۔ اس دعوت نامہ پر سات سربرآوردہ وِھگوں اور ٹوریوں نے دستخط کئے تھے۔ ولیم کے انگلستان میں اترنے کے بعد بھی جیمز کے لئے انقلاب سے بچنا اور تخت بچانا کچھ مشکل نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ حقیقی صورت حال کو گہری نظر سے دیکھتا اور اپنے طریقۂ کار پر ضد نہیں کرتا لیکن چونکہ ایسا نہیں ہوا اس لئے تقریباً ہر شخص نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور فرانس بھاگ کر اس نے اپنے معاملے کو خود نقصان پہنچایا۔

آئندہ حکومت کی تنظیم کو ناممکن بنانے کے لئے، جیمز نے اپنی پوری کوشش کر لی، یعنے دوسری پارلیمنٹ بلانے کے لئے جو شقّے تیار کئے گئے تھے وہ جلادئے اور بڑی مہر غائب کر دی۔ لیکن اس سے کچھ زیادہ پریشانی نہیں ہوئی۔ ایک صلاح کا جمعیت طلب کی گئی جس میں امرا اور وہ سب لوگ شامل تھے جو چارلس دوم کے عہد میں دارالعوام کے اراکین رہ چکے تھے اور ان کے ساتھ حکومت لندن کے نمایندے طلب کئے گئے۔ اس جماعت نے ایک "اجتماعی پارلیمنٹ" طلب کرنے کی رائے دی اور حسب عادت پارلیمنٹی انتخاب کے لئے شقّے جاری کئے گئے۔ گو ان شقّوں کی شکل باضابطہ پارلیمنٹی شقّوں کی سی نہیں تھی۔ یہ اجتماع ۲۲ جنوری ۱۶۸۹ء کو منعقد ہوا اور ۲۰ اگست تک برابر کام کرتا رہا۔ دوسرے اجلاس میں بھی اس نے اپنا کام جاری رکھا۔ ولیم اور میری کے تخت قبول کرنے کے بعد ہی اس نے اپنے پارلیمنٹ ہونے اور اپنے افعال کو مصدقہ قانون ہونے کا اعلان کیا اور اس عہد کی جو دوسری پارلیمنٹ آئی تو اس نے اس کی مزید توثیق کر دی۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ انقلاب کی کارروائی کچھ اس طرح کی گئی تھی کہ موجودہ نسل کو سنسنی خیز اور ولولہ انگیز نہ معلوم ہوا اور معمولی حالات میں نہ سہی لیکن شدید ضرورت کی صورت میں یہ کارروائی جائز سمجھی جائے۔ اس کی کچھ وجہ اس صدی کا تجربہ تھا۔ کیونکہ اس وقت بھی اکثر اشخاص ایسے زندہ ہونگے جن کو گزشتہ اجتماعی پارلیمنٹ یاد ہوگی اور کچھ گذشتہ نظائر کا مطالعہ تھا جو عادت میں داخل ہو گیا تھا، واضح ہو کہ جیمز کے سلسلے میں اڈورڈ دوم اور رچرڈ سوم دونوں کی معزولی کی طرف اشارہ کیا گیا۔

جب اجتماعی پارلیمنٹ بیٹھی تو رائے میں بہت اختلاف تھا کہ کیا کرنا چاہئے۔ بعض

لوگوں کی یہ خواہش تھی کہ مستحکم شرائط کے ساتھ جیمز کو واپس بلانا چاہئیے؛ بعض لوگ یہ چاہتے تھے کہ جیمز کو برائے نام رکھکر ایک متولی مقرر کرنا چاہئیے؛ بعض کا خیال تھا کہ فرار ہو کر جیمز نے تخت چھوڑ دیا ہے لیکن تخت خالی نہیں بلکہ فوراً میری کو مل گیا؛ اور ایک طبقے کی رائے یہ تھی کہ جیمز نے تخت چھوڑ دیا ہے اور اب تخت خالی ہے اور قوم کو یہ حق ہے کہ کسی دوسرے شخص کو تخت پر بٹھائے اور اچھی حکومت کی ضمانت کے طور پر شرائط مقرر کرے۔ یہ آخری رائے بالآخر غالب آگئی اور اس کی کچھ وجہ یہ تھی کہ ولیم دوسری رایوں کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ جیمز کو باضابطہ معزول نہیں کیا گیا لیکن یہ قرارداد منظور کی گئی کہ "جیمز نے بادشاہ اور قوم کے اصلی معاہدے کو توڑ کر سلطنت کے دستور کو فسخ کرنے کی کوشش کی اور جزوئیٹ اور دوسرے قبیح اشخاص کی صلاح سے اساسی قانون کو پامال کر کے سلطنت چھوڑ کر چلا گیا اور تخت سے دستبردار ہو گیا لہٰذا تخت خالی ہے۔" دوسری قرارداد یہ تھی کہ "تجربے سے یہ ثابت ہوا کہ اس پروٹسٹنٹ سلطنت پر کسی پاپائی بادشاہ کی حکومت امن و سلامتی کے منافی ہے۔" ولیم اور میری دونوں کو تاج پیش کیا گیا اور وراثت کا تعین اس طرح کیا گیا کہ میری کی اولاد کے بعد شاہزادی این اور اس کی اولاد اور تیسرے درجے پر ولیم کی کسی دوسری بیوی کی اولاد تخت پر بیٹھے گی۔ اس کو ولیم اور میری نے منظور کر لیا۔

دستاویزِ حقوق ۔ یہ معاملہ صرف شرائطِ جانشینی پر ختم نہیں ہوا بلکہ جدید حکمرانوں کو اور بھی شرائط تسلیم کرنے پڑے۔ پارلیمنٹ نے ایک "اعلانِ حقوق" کا اور اضافہ کیا جن کو حکمرانوں نے تسلیم کر لیا۔ اس میں جیمز کے تمام خودرایانہ افعال گنائے گئے اور ہر فعل کو ایک ایک کر کے ناجائز ٹھیرایا گیا۔ اجتماعی پارلیمنٹ کے دوسرے اجلاس میں اس اعلان میں کچھ اضافہ کر کے قانون کی شکل میں مرتب کیا گیا اور اس کو قانون بنایا گیا۔ اس شکل میں یہ تاریخ میں "دستاویزِ حقوق" کے نام سے موسوم ہے۔

خواہ اس کو تاریخی نقطۂ نظر سے دستوری عہد کا منتہا سمجھا جائے یا محض اس کو فی نفسہ دیکھا جائے دونوں صورتوں میں دستاویزِ حقوق منشورِ اعظم کے دوسرے درجے پر تاریخ انگلستان کا سب سے زیادہ دلچسپ وثیقہ ہے۔ یہ اس کشمکش کو ختم کر کے اس کے تمام نتائج کو ایک جگہ جمع کر دیتا ہے جو ایک سو سال سے جاری تھی اور جس سے خود حکومت کی نوعیت اس کا منبعِ اقتدار۔ اور اظہارِ اقتدار کے طریقے اور راستے سب معرضِ بحث میں آگئے تھے۔ یہ مسائل جو

حکومت کی اساسی خصوصیت کو روشنی میں لاتے تھے اب آ کر ایسے طے ہو گئے کہ پھر تاریخ میں کبھی نہیں پیدا ہوئے۔ لیکن دستاویزِ حقوق میں اس کا کہیں ذکر نہیں کہ یہ نتائج اساسی نوعیت کے ہیں نہ اس میں اس کا کوئی ذکر ہے کہ امور تنقیح طلب کیا تھے نظریہ تصدیق سیاسی استدلال اور کلیہ سازی کی کوشش کا تو نام بھی نہیں اس فروگزاشت کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اس انقلاب کی تائید میں کوئی سیاسی فلسفہ متداول نہیں تھا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ بہت کچھ مواد چھپ چکا تھا اور جان لاک کے "دو مقالات حکومت" جو "دستاویزِ حقوق" کی تدوین کے چند مہینوں کے بعد شائع ہوئے بیس سال سے مسودے کی صورت میں موجود تھے۔ انگلستان کے باہر جن ممالک نے اس قسم کے وثائق اختیار کئے ہیں انھوں نے اس دستاویز کی من وعن پیروی نہیں کی۔ ایک صدی کے بعد براعظم کے انقلابی دور میں جو بے شمار اعلان حقوق انسانی نافذ ہوئے ان میں قدرتی اور لانیفک حقوق کے متعلق نظری فلسفہ بھرا پڑا ہے اور یہ سب کچھ براہ راست لاک کے تصورات سے ماخوذ تھا۔ خود امریکی اور مملکتی تاریخ کے وثائق میں امریکہ والے انگریزی اور فرانسیسی طریقۂ عمل کے بین بین ہیں، لیکن فرانسیسی طریقے سے زیادہ انگریزی طریقے کے قریب ہیں۔ اعلان آزادی کے مقدمے کی طرح امریکہ والوں نے قدرتی حقوق کے بہت سے بیانات پیش کئے ہیں اور خود یہ اعلان فرانس سے نہیں بلکہ براہ راست لاک سے ماخوذ کیا گیا تھا۔ امریکہ والے ان کو بالعموم دستاویزات حقوق کے نام سے موسوم کرتے ہیں لیکن ان کے ساتھ انھوں نے انگریزی طرز کے خاص خاص حقوق اور چارۂ کار شامل کر دئے ہیں جو صریحاً عملی ہیں جیسے اعلان آزادئ امریکہ اور دستور کی اولین ترمیمات میں سے بعضوں میں تو "دستاویزِ حقوق" کے الفاظ بھی استعمال کئے گئے ہیں۔ اصل میں قدرتی حق کے اعلانات نہیں بلکہ یہی آخرالذکر چیز ہے جس پر امریکی آزادی کا دارومدار ہے۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ اینگلوسیکسنی آزادی کی افزائش اور استحکام کی وجہ یہ ہے کہ اینگلوسیکسنی ذہنیت نے خود بخود جبلّی طور پر اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ تصوری حقوق کے اثبات سے خواہ وہ کتنے ہی زوردار اور مقدس الفاظ میں ظاہر کئے جائیں کسی چیز کی حفاظت نہیں ہو سکتی بلکہ وہ خاص حقوق کے قائم کرنے اور صریح خلاف ورزیوں کے اجتناب کی "تدبیر شرط ہے" جو حقیقت امر کے طور پر اصل مقصد تک پہنچاتی ہے۔

دستاویز حقوق کا یہی کام ہے۔ یہ سترھویں صدی کے اساسی نتائج کو بیان نہیں کرتا بلکہ وہ جیمز کے تمام افعال کو الگ الگ گنا کر جس سے اس نے مطلق شاہی اختیارات قائم

کرنے کی کوشش تھی ان کو ناجائز ٹھیراتا ہے اور اسٹورٹ بادشاہوں کی تمام کوششوں کو قابل ملامت ٹھیرا کر آئندہ کے لئے اس کا ارتکاب ناممکن کر دیتا ہے۔ اس طریقے سے اس قانون نے وہ کام کئے جو ۱۶۶۰ء میں رہ گئے تھے۔ یہ انقلاب کے تمام نتائج کو جمع کرتا ہے اور ان کو باضابطہ وثیقے کی صورت میں مرتب کر کے انکی پابندی آئندہ حکمرانوں پر لازمی قرار دیتا ہے اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ منشور اعظم کے بنائے ہوئے قوانین متروک ہو گئے ہیں اور حالات حاضرہ پر منطبق نہیں ہوتے ہیں اور برخلاف اس کے قانون حقوق کے ضابطۂ عالمہ کی کوشش پر جو حصول اختیار کے لئے ہوتی ہے فوراً منطبق ہو جاتے ہیں۔ دستاویز حقوق کی اہمیت تاریخ انگلستان میں بہت کچھ مکتوبی دستور کی سی ہے۔ یہ خود کوئی مکتوبی دستور نہیں ہے۔ نہ یہ حکومت کی تشکیل کرتا ہے۔ نہ حکومت کے اختیارات کی وضاحت کرتا ہے پارلیمنٹ کے معمولی قانون سے اس کو کالعدم اور متروک کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ یہ دستوری قوانین کے ایک سلسلے کو جو اینگلو سکسنی نظام حکومت میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں مکتوبی صورت میں داخل کر دیتا ہے۔ ممکن ہے کہ آج کچھ لوگ اس کو اپنے ذہن میں اس قدر اساسی سمجھ لیں کہ اگر پارلیمنٹ کبھی اپنے اختیار سے اس کو منسوخ کرنے بیٹھ جائے تو ایسے لوگ یہ کہنے کے لئے کھڑے ہو جائیں کہ پارلیمنٹ کو اس کا اختیار نہیں ہے۔

قانون کی برتری۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگر دستاویز حقوق کو دستوری قانون کی حیثیت سے دیکھا جائے تو اس نے سابق وثائق سے زیادہ مخصوص الفاظ میں اس واقعے کو جو انگریزی دستور کے ارتقا کی تہ میں مضمر ہے موثق کر دیا کہ بادشاہ کو سلطنت کے اساسی قوانین کو توڑنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ گو یہ حقیقت ہے کہ یہ قانون اس واقعے کو صاف گنے چنے الفاظ میں ظاہر نہیں کرتا لیکن اسکی طرف ایسا اشارہ کرتا ہے کہ اس کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ جیمز کے خود رایانہ افعال کو گنانے کے بعد مقدمے میں عبارت یوں ہے کہ "یہ سب باتیں وہ ہیں جو مسلمہ قوانین اور قوانین موضوعہ اور سلطنت کی آزادی کے قطعی اور علانیہ منافی ہیں" اور خود قانون کے اندر ان افعال کو "غیر قانونی" ٹھیرایا گیا ہے۔ نیز یہ دستاویز بادشاہ اور قوم کے درمیان ایسا کھلا معاہدہ تھا جیسے جان اور ہنری اول کے فرامین بادشاہ اور بیرنوں کے باہمی

معاہدات تھے گو اب سترھویں صدی کے جاگیری معاہدے کا کوئی جز باقی نہیں رہا تھا۔ اگرچہ یہاں بھی الفاظ واضح نہیں ہیں لیکن قانون میں یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ ولیم اور میری کو اس وجہ سے حکمران تسلیم کیا گیا ہے کہ انھوں نے جیمز کے افعال کو غیر قانونی تسلیم کیا ہے۔ ان امور کے لحاظ سے ۱۶۸۸ء کا انقلاب اور دستاویز حقوق انگریزی دستور کے ارتقا کا معراج کمال ہے۔ اس کے بعد پھر کبھی دستور کی بنیادوں یعنے قانونی برتری اور قوم کا اقتدار اعلے کے متعلق کوئی سوال معرض بحث میں نہیں آیا۔ بعد کی جو ترقی ہے وہ یہ ہے کہ ان اصولوں کو حقیقی حکومت میں پوری طور پر عمل میں لایا گیا اور پوری طور پر ان کو عملی جامہ پہنایا گیا۔

اگر دستاویز حقوق بالکلیہ عملی تھا تو اس کا اصلی سبب یعنی انقلاب بھی سنجیدگی کے ساتھ عملی تھا۔ یہ انقلاب رائے عامہ کے زور سے عمل میں آیا تھا جس میں خونریزی تو کجا کوئی کشمکش یا عام ہیجان تک نہیں ہوا۔ نہ صرف یہ کہ اس کو سکون اور اطمینان کے ساتھ عمل میں لایا گیا بلکہ اس بات کی بھی انتھک کوشش کی گئی تھی کہ جو زینہ طے کیا جائے وہ یا تو بالکلیہ قانونی دائرے میں ہو یا جہاں تک ہو سکے قانون کے قریب ہو پھر اس کے باوجود یہ ایک انقلاب تھا۔ بادشاہ کے متعلق یہ اعلان کرنا کہ اس نے تخت چھوڑ دیا ہے حالانکہ اس نے تخت نہیں چھوڑا تھا (اور اس نے نہایت زور سے ثابت کیا کہ میں نے تخت نہیں چھوڑا ہے) قانونی تھا نہ قانونی بنایا جا سکتا تھا۔ اس کی نوعیت ایک ایسی معزولی کی تھی جو بظاہر نہیں معلوم ہوتی تھی، اور ملوکیت کے قانون دستوری میں بادشاہ کی معزولی کے متعلق کہیں کوئی ضابطہ نہیں ملتا۔ دوسرے غیر قانونی امور بھی عمل میں لانے پڑے۔ نظائر کے مطابق اجتماعی پارلیمنٹ از روئے قانون پارلیمنٹ نہیں تھی اور نہ خود اپنے قانون سے اپنے کو پارلیمنٹ بنا سکتی تھی۔ اسی طرح دوسری پارلیمنٹ بھی جس کو انقلابی بادشاہ نے طلب کیا تھا خود اپنے آپ کو پارلیمنٹ نہیں بنا سکتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود یہ جائز انقلاب تھا کیونکہ قوم کے اعلیٰ حق فیصلہ کی بنا پر عمل میں آیا تھا اور اس میں قوم کی آواز تھی اور یہی اصل انقلاب ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور ایسا انقلاب نہیں ہے جس میں اینگلو سیکسنی انقلابوں کی دوسری عام خصوصیت صاف طور پر دکھائی دیتی ہو۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ قوم کو اس راستے سے جس پر وہ قدیم زمانے سے چل رہی تھی ہٹا کر نئے راستے

پر لگ گئے۔ اس کا منشاء صرف راستے کی رکاوٹیں دور کرنا تھا تاکہ قوم کی سیاسی ترقی کی رفتار خود بخود اسی شاہراہ پر لگی رہے جہاں وہ صدیوں سے چل رہی تھی اور درحقیقت انقلاب کا یہی نتیجہ تھا۔

لاک کے تصورات امریکہ میں۔ یہ بھی اضافہ کرنا ضروری ہے کہ اس انقلاب کا اثر جس طرح انگلستان پر عظیم الشان حیثیت سے پڑا اسی طرح امریکہ میں بھی ظاہر ہوا۔ حکومت کے تصورات میں جو اس صدی کے وسط میں پیوریٹنی آبادکار اپنے ساتھ لائے تھے یہ اثر جدید راستوں سے آکر شامل ہوگیا اور یہاں کی زندگی میں بہت قوت پیدا کی۔ چارلس اور جیمز کے منصوبوں سے جس قدر انگریزوں کو گھر میں نقصان پہنچا ہے اسی قدر آبادکاروں کو بھی ان کے فرامین اور ان کی آزاد حکومتوں میں نقصان پہنچا۔ تمام شمالی نوآبادیات میں ہر جگہ مخالف فریق کے ساتھ گہری ہمدردی کا اظہار کیا گیا اور انقلاب کی کامیابی پر اظہار مسرت کیا گیا۔ مگر یہ جدید اثرات لاک کی تحریرات کی بدولت یہاں پہنچے اور دیرپا ثابت ہوئے۔ امریکہ میں اٹھارویں صدی کے سیاسی تفکر پر لاک کا ایسا گہرا اور براہ راست اثر پڑا تھا جیسے فرانس پر۔ اور اب ان دونوں ممالک کی فکر بالکل ایک دوسرے کے متوازی چلتی ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان دونوں ممالک نے ان خیالات کی ایک دوسرے سے خوشہ چینی کی تھی بلکہ وجہ یہ تھی کہ دونوں نے ایک ہی معلّم سے استفادہ کیا۔ لیکن لاک کے اساسی تصورات مثلاً قوم کا اقتدار اعلیٰ، حکومت کا محکوم کی رضامندی پر منحصر ہوتا، مقننہ کا اعلیٰ طاقت ہونا مگر ساتھ ہی یہ قوم کا مفوضہ ہو تاکہ جب چاہے واپس لے لے، اور عاملہ مقننہ کا رہنما نہیں بلکہ اس کا عمیل ہونا وہ تصورات تھے جن کو پیوریٹین ۱۶۴۲ء سے لے کر سنہ ۱۶۶۰ء کے درمیان ظاہر کر چکے تھے اور اس پر عمل کیا تھا اور اسی پر امریکی نوآبادیات کی بنیادیں قائم تھیں۔

جیمز کے عہد کی رفتار واقعات اس بات کی خاطر خواہ توضیح کے لئے زیادہ تفصیل کے ساتھ دکھلائی گئی ہے کہ بحران کی کیا خصوصیت تھی اس میں کیا چیز معرض بحث میں تھی اس وقت دستور کا کیا درجہ تھا اور کس خطرے میں

مبتلا تھا اور جو انقلاب عمل میں آیا تو اس کی کیا ضرورت اور خصوصیت تھی۔ یہ تفصیل بہت ضروری تھی صرف الفاظ کی بہنات سے یہ کام نہیں چل سکتا تھا۔



BIBLIOGRAPHICAL NOTE.—W. C. Abbott, *The Origin of English Political Parties*, *A. H. R.* xxiv, 578, 1919. O. Airy, *Charles II, 1904*. F. Bate, *The Declaration of Indulgence, 1672, 1908*. A. V. Dicey, *The Law of the Constitution, 1915*. G. P. Gooch, *English Democratic Ideas in the Seventeenth Century, 1898*. J. Pollock, *The Popish Plot, 1903*. W. A. Shaw, *The Beginnings of the National Debt*, Owens Coll. Hist Essays, 1907.



باب ۱۵

کابینہ کی تشکیل

ولیم اور میری کا عہدِ حکومت تاریخ دستور انگلستان میں ایک ایسے جدید دور کا آغاز کرتا ہے جسکی پچھلی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ پرانی طرز کی قدیم کشمکش بالکل ختم ہوگئی، محدود اور مطلق العنان ملوکیت کی باہمی نزاع جو تیرھویں صدی کے آغاز سے تاریخ انگلستان کے کم و بیش ہر دور پر حاوی تھی وہ ہمیشہ کے لئے طے ہوگئی۔ اسکے بعد کسی انگریز بادشاہ نے مطلق العنانیت کے پرانے نظریے پر جس طرح اسٹوئرٹ پادشاہ دستور کی تاویل کرتے تھے اصرار نہیں کیا۔ بلاشبہ آگے چلکر ہم ایک ایسے زمانے میں پہنچیں گے جب کہ شاہ جارج سوم نے حصول اقتدار کی چندسال تک کامیاب کوشش کی لیکن وہاں یہ صاف نظر آتا ہے کہ جو چیز جارج دوبارہ حاصل کرنا چاہتا تھا وہ تیرھویں صدی کی کھوئی ہوئی چیز نہیں تھی بلکہ ۱۶۸۸ء کے بعد کی کھوئی ہوئی چیز تھی۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ سوالات ہی بحث میں نہیں آئے جس سے دستور کے اساسی معنوں پر روشنی پڑتی ہو۔ آج دوسو سال کے بعد ایک مسئلہ جو حقیقت کی کسی مشابہت سے اساسی کہا جاسکتا ہے ایک بڑے مسئلے کے طور پر قوم کے سامنے آیا ہے اور فیصلہ چاہتا ہے۔ یعنے مملکت میں دارالامرا کی کیا حیثیت ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اپنے نفس موضوع کے اعتبار سے یہ مسئلہ کہاں تک بحث طلب ہے کیونکہ اس مسئلے کے جس قدر اساسی پہلو تھے وہ درحقیقت سب

۱۶۸۸ء میں طے ہو چکے تھے۔ جدید عہد اس وقت شروع ہوتا ہے جب کہ پرانا مسئلہ طے ہو چکا تھا، اب دستوری حیثیت سے اس کی خاص کوشش یہ تھی کہ اس امر منفصلہ کو کسی طریقہ سے انصرام حکومت کے جزئیات پر بالکلیہ منطبق کئے جانے اور اس کو عمل میں لانے کے لئے کیا پرزور آلات تجویز کئے جائیں اس کی درخشاں خصوصیت ادارہ سازی ہے۔ اور اس وقت جو بڑا ادارہ صورت گیر ہوا ہے وہ بلاخوف تردید تاریخ کے بہت ہی اہم ادارات میں سے ہے، بلکہ غالباً آخر میں چل کر ہمارا یہ کہنا بالکل حق بجانب ہوگا کہ یہ تاریخ کا سب سے اہم ادارہ ہے کیونکہ اس کی تاریخ ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔ یہ جدید ادارہ انگریزی کابینہ ہے اس کابینہ سے صرف ایک ادارہ مراد نہیں ہے بلکہ حکومت کا نظام کابینہ مراد ہے یعنے وہ کابینہ جو وزارتی ذمہ داری کے موجودہ اصول اور عملدرآمد کے تابع ہے۔

کابینہ کی ضرورت۔ نظام کابینہ کی ابتدائی کیفیات سمجھنے کے لئے ہم کو پیچھے ہٹ کر ۱۶۶۰ء کی بحالی سے شروع کرنا چاہئے جیسے ہم دیکھ چکے ہیں کہ بحالی ایک مفاہمت تھی جس میں اقتدار اعلیٰ کی ظاہری صورت تو بادشاہ کے ساتھ باقی رہی لیکن اس کے برخلاف واقعی اقتدار پارلیمنٹ کے ہاتھ میں آگیا۔ اگر یہ پورے طور پر عمل میں لایا جائے تو اس مفاہمت کے یہ معنے ہوئے کہ تدبیر مملکت اور عاملانہ کارروائیوں کے تمام شعبے مجلس مقننہ کے براہ راست اختیار میں ہیں۔ چونکہ یہ انتظام تمام انسانی تجربات میں بالکل جدید تھا۔ اس لئے صحیح تجویز ہے کہ اس کو عمل میں لانے کے لئے کوئی آلات موجود نہیں تھے۔ کوئی ایسے اداراتی اشکال نہیں تھے جن کے ذریعہ مقننہ عاملانہ اقتدار عمل میں ایسی حالت میں لا سکے جب واقعاً اسے یہ اختیارات حاصل نہیں تھے۔ اس کی ضرورت تھی کہ اس مفاہمت کی عملی صورت میں لانے کے لئے دستوری کل پرزے پیدا کئے جائیں، چنانچہ اس کل کی نشو ونما اور ترقی دراصل کابینہ کی نشوونما اور ترقی ہے اور وہ اس اصول کے ساتھ کہ وزراء پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہوں۔ یا ہم اس واقعہ کو دوسرے طریقہ سے بیان کرسکتے ہیں۔ یہ انگریزی انتظام جس کی رو سے عاملانہ اقتدار کابینہ کے تفویض کیا جاتا ہے اور اس کابینہ کو خود پارلیمنٹ مرتب کرتی اور اس پر اپنا اثر رکھتی ہے سترھویں صدی کے ارتقائے دستور کا نتیجہ ہے اور یہ اس غرض سے گھڑا گیا کہ پارلیمنٹ کا اقتدار اعلیٰ ہمیشہ ملک کے انصرام حکومت میں ظاہر ہوسکے۔

یہ خیال کرنا فضول ہے کہ چارلس دوم کے عہد یا بعد کے دور کے لوگ اس بات سے

واقف تھے کہ یہ عملی مسئلہ ان کے لئے حل طلب تھا۔ اگر وائل میں وہ کچھ واقف بھی تھے تو صرف اس مشکل سے واقف تھے کہ مشترک راہ عمل میں بادشاہ اور پارلیمنٹ کی حکمت عملی کو کس طرح باہم مانوس کیا جائے، اور اس خصوص میں جو دانستہ کوششیں کی گئیں مثلاً پریوی کونسل کی تنظیم جدید کے لئے سر ولیم ٹمپل کا منصوبہ ان سب کا منشا یہ تھا کہ ان دونوں طاقتوں کے درمیان ایک ایسی جماعت قایم کی جائے جو دو قوتوں کو مربوط اور مانوس کر دے۔ ان دانستہ کوششوں کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ چارلس دوم کے عہد میں اس خصوص میں جہاں تک ترقی ہوئی وہ سب کچھ وزرا کی ایک چھوٹی جماعت کی کوشش تھی جس پر ایک طرف بادشاہ کو اعتماد تھا اور دوسری طرف یہ پارلیمنٹ کے اتصال پر بھی حاوی تھی۔ امیر کلیرنڈن جو ایک زمانہ میں انھیں وزرا میں تھا اس نے ان وزرا کے طریقوں کو اپنے الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔ یہ الفاظ ہمارے لئے خاص طور پر دلچسپی رکھتے ہیں کیونکہ یہی الفاظ بغیر کسی تبدیلی کے ان طریقوں پر صادق آتے ہیں جو پچھلے تیس سال کے دوران میں واشنگٹن میں اس غرض سے اختیار کئے گئے کہ قانون سازی پر صدر جمہوریہ امریکہ کا بھی اثر پڑے۔ وہ کہتا ہے "یہ وزرا (کلیرنڈن اور سیوتھیمپٹن) ہر روز دار العوام کے چیدہ اشخاص کے ساتھ صلاح و مشورہ کرتے تھے۔ ہمیشہ بادشاہ کی خدمت کی تھی اور اسی وجہ سے ان کو مجلس میں خاص دلچسپی حاصل تھی) اور چونکہ ان کو اچھا تجربہ اور اچھی قابلیت حاصل تھی اس لئے بڑی عزت کے ساتھ ان کی گفتگو سنی جاتی تھی۔ ایسے اشخاص کے ساتھ یہ وزرا مشورہ کرتے تھے کہ ایوان کو موافق بنانے کے لئے کس طریقہ سے پیش آنا چاہئے تاکہ جو امور عوام کے لئے نہایت ضروری ہیں ایوان تحریک کرے یا بعض اوقات ان پر رضامندی ظاہر کرے۔ اور ان کے ذریعے سے یہ دوسروں کو جو ان مانے امور ماننے کے لئے ہمیشہ راضی اور آمادہ پائے جاتے تھے فرائض تفویض کرتے تھے اور یہ سب کچھ بغیر شور و شغب کے ہوتا تھا نیز ایسا بھی نہیں ہوتا تھا کہ بہت سے اشخاص کو ان امور پر غور کرنے کیلئے جمع کیا جاتا ہو اس لئے کہ یہ پارلیمنٹ کو ناگوار گزرتا تھا اور ہمیشہ ہمیشہ گزریگا ممکن ہے کہ یہ کچھ دنوں کامیاب ہو لیکن بالآخر اس کو بری نظر سے دیکھا جائے گا"

سچ تو یہ ہے کہ بادشاہ ابھی تک حقیقی عاملہ تھا اور اس کے بعد بھی وہ بہت دنوں تک رہا۔ وہ اپنے وزرا کا خود انتخاب کرتا تھا اور ان کی حکمت عملی کا خود جوڑ توڑ کرتا تھا۔ بادشاہ کو ان دونوں باتوں کی کوئی پروا نہیں تھی کہ پارلیمنٹ اس کے وزرا اور اس کی حکمت عملی کو منظور کرتی ہے۔

یا نہیں۔ ادھر پارلیمنٹ کو دیکھو تو یہ جدید طریقوں سے بدظن بنی اور اس کا خیال تھا کہ یہ بادشاہ کے اغراض کے لئے درپردہ کارروائیوں کا آلہ ثابت ہوگی لیکن اس کے سامنے اعلیٰ اختیارات کو استعمال کرنے کا سوائے اس کے کوئی اور طریقہ نہیں تھا کہ بادشاہ کے ساتھ مناسب مفاہمت کی جائے۔ نیز بادشاہ کے ملازمین کو ذمہ دار ٹھیرانے کا واحد طریقہ یہ تھا کہ مواخذہ کے قدیم عمل درآمد کے ذریعے قطعی ذمہ داری عاید کی جائے۔

جہاں تک ان امور کا تعلق ہے ۱۶۸۸ء کے انقلاب سے صورت حال میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوا۔ اس انقلاب نے اشکال اور آلات معین نہیں کئے۔ پھر وہی اصول معرض بحث میں آگئے تھے جو تمام اشکال کی تہ میں مضمر تھے اور تمام قوم اس بات کے لئے مصر تھی کہ ۱۶۶۰ء کے انتظام کو اس حد تک برقرار رکھا جائے جہاں تک اس انتظام سے پارلیمنٹ کی فوقیت کا اساسی مسئلہ طے ہو چکا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر چارلس دوم کے عہد میں اس فوقیت کو عمل میں لانے کے دستوری آلات تجویز کر دیئے تو وہ ۱۶۸۹ء کے بندوبست میں ضرور شامل کر دیے جاتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ یہ محض پارلیمنٹی فوقیت کا اساسی اصول تھا جو کسی نہ کسی مفہوم میں ۱۶۸۹ء میں سمجھ میں آیا تھا لیکن اس کا ابھی تک تعین نہ ہو سکا تھا کہ یہ کس حد تک عملی حکومت پر منطبق کیا جا سکتا ہے اور انطباق کا طریقہ کیا ہے۔ یہ آخر الذکر چیز تو ایک عہدی تک صاف طور پر سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ وزارتی ذمہ داری کا اصول تھا جس کو کابینہ کی صورت دی گئی۔

آہستہ ترقی۔ جس طرح اوپر ذکر کیا جا چکا ہے بادشاہ اور پارلیمنٹ کا باہمی جھگڑا ولیم سوم کی تخت نشینی کے ساتھ ایسا حل ہو گیا کہ پھر نہیں پیدا ہوا۔ اس جدید دور کو اس سوال اور دستور کی تاویل سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ اس کا مدعا یہ تھا کہ اس نئے کام کو آگے بڑھایا جائے تاکہ عملی حکومت میں اس انتظام مفاہمت کو جو پہلے سے وجود میں آچکا تھا عمل میں لانے کے آلات تجویز کئے جائیں۔ اس قسم کے قابل عمل آلات بنانے میں چارلس دوم کے عہد میں جو ترقی ہوئی ہے اس پر ولیم سوم کے عہد نے کوئی بڑا اضافہ نہیں کیا۔ اب تک وہ جماعت جو دونوں کے درمیان ربط پیدا کرتی تھی موجود تھی یہ جماعت چند بے ضابطہ وزرا پر مشتمل تھی اور

یہ لوگ بادشاہ کے معتمد علیہ اور پارلیمنٹ میں ذی اثر تھے۔ اجرائی حکومت اور بالخصوص خارجی معاملات پر بادشاہ کو اب تک ید طولیٰ حاصل تھا۔ اور اس نے اس بات کا کبھی خیال ہی نہیں کیا کہ وزرا کے انتخاب میں بلاواسطہ یا بالواسطہ پارلیمنٹ کو رائے دینے کا حق عطا کرنا چاہیے۔

اس تغیر کو دوسرے الفاظ میں ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ مواخذہ جو وزرائی ذمہ داری کی قدیم شکل تھی جہاں تک اس کے مفہوم کا تعلق ہے چارلس دوم کے عہد میں ایک یادگار ماضی ہو کر رہ گئی تھی اور بہت جلد معدوم ہونے کو تھی اور اس کی جدید اور حالیہ شکل اپنے ادارتی جامہ میں ان تجربات کی صورت میں اپنا عکس ڈال رہی تھی جو بادشاہ اور پارلیمنٹ کے درمیان واصلی اور مصالحتی جماعت پیدا کرنے کے لئے کئے گئے تھے۔ منجملہ ان تجربات کے ایک سر ولیم ٹمپل کی مجوزہ تنظیم ہے جو پریوی کونسل سے متعلق تھی۔ لیکن یہ صورت وہ نہیں ہے جس سے زمانۂ حال کی شکل صورت گر ہوئی۔ اس کا وجود راست اس وزارتی حلقے سے تھا جس کو خود بادشاہ نے ترتیب دیا تھا اور جو ہمیشہ مشتبہ اور بری نظر سے دیکھا گیا اور شکل میں یہ اس حلقے سے ملتا ہے جو ولیم سوم کے عہد میں از سر نو مرتب کیا گیا نہ کہ چارلس دوم کے عہد میں۔ دوسری طرف مشکل یہ ہے کہ اس زمانہ سے وزارتی ذمہ داری کے تصور کا آغاز نہیں ہوا۔ اس لئے کہ اس نے اٹھارھویں صدی کے اوائل کے بعد آہستہ آہستہ جنم لیا ہے گو سر ولیم ٹمپل کے تجربے میں ایک طرح سے اس تصور کا رنگ آ گیا تھا۔

جب ولیم سوم نے حکومت شروع کی تو اس کو اچھی طرح معلوم تھا کہ منصب شاہی کے وسیع اختیارات سلب ہو چکے ہیں اس کے متعلق ایک جلیل القدر عالم دستور کے الفاظ یہ ہیں "یہ قرار دیا گیا تھا کہ بادشاہ قطعی طور پر قانون کے تحت ہو۔ اس کو قانون کے معطل یا قانون سے کسی کو مستثنےٰ کرنے کا کوئی اختیار نہ ہو۔ اپنے اعلان کے ذریعے وہ کسی جدید خلاف ورزی کو نہیں پیدا کر سکتا ہے اور زمانہ امن میں پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر ملک میں کوئی مستقل فوج نہیں رکھ سکتا ہے۔ پارلیمنٹ نے تعین اخراجات شروع کر دیا تھا۔ فوجی خدمات غائب ہو چکے تھے۔ اس کو جبری سربراہی اور ترجیحی خرید کا اختیار نہیں رہا تھا۔ وہ قانون حربی کے ذریعے

لوگوں کی سماعت نہیں کرسکتا اب عادلوں کی مدت خدمت کو شاہی مرضی سے تعلق نہ رہا تھا۔ وہ سیاسی عدالتیں جن کے ذریعے سے شاہان ٹیوڈر اور پہلے دو شاہان اسٹورٹ اپنی اپنی خواہش پوری کرتے تھے برخاست ہوگئیں۔ عدالت ایوان انجم اور عدالت ماموریہ اعلے کا خاتمہ ہوگیا۔" اس پر ہم یہ اضافہ کرسکتے ہیں کہ آیندہ بادشاہ بغیر قوم کے نمایندوں کی منظوری کے قانون نہیں بنا سکتا تھا، محاصل جاری نہیں کرسکتا تھا، حق الوہی کے ذریعے بادشاہی کا دعویٰ نہیں کرسکتا کیونکہ پارلیمنٹ کے قانون کے ذریعے حق الوہی کے سلسلہ کو توڑ دیا گیا اور آیندہ اس کا حق صرف اسی قانون پر موقوف تھا۔ وہ بغیر فوری سماعت کے کسی شخص کو قید میں نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس کے وزرا اور عہدہ دار اپنے اختیارات سے تجاوز کر کے جب کسی شخص کو نقصان پہنچاتے تھے تو اس کے وہ ذاتی طور پر ذمہ دار تھے اور یہ بات صاف طور پر تسلیم کرلی گئی تھی کہ وزرا جو حکمت عملی اختیار کریں خواہ وہ ان کی نہ ہو بلکہ خود بادشاہ کی ساختہ پرداختہ ہو اپنے جان و مال کے ساتھ پارلیمنٹ کے سامنے ذمہ دار ہوں گے۔ یہ تمام قیود ولیم سوم کو معلوم ہو چکے تھے اور وہ ان کو تسلیم کرچکا تھا۔

بادشاہ کے باقی ماندہ اختیارات۔ اس کے باوجود بادشاہ کسی طرح شاہ شطرنج نہیں تھا۔ اس کے عملی اختیارات اس سے کہیں زیادہ تھے جو آج زمانۂ حال کے بادشاہ کو حاصل ہیں۔ تدبیر مملکت کا تمام طول و عرض اصول حکومت کا تعین اور تشخص کہ حکومت کو کیا کرنا چاہیئے اور کس طرح کرنا چاہیئے سب کچھ بادشاہ کے ہاتھ میں تھا۔ دستور کی ترقی سے بادشاہ کے کئی خاص ذرائع چھین لئے گئے تھے۔ جن سے بادشاہ اپنی تدابیر عمل میں لایا کرتا اور اس کو عائد کرتا تھا۔ ان امور میں جن کی سخت مخالفت ہوتی اس کے صلاح کار اس کی حکمت عملی کے ذمہ دار ٹھیرائے جاسکتے تھے۔ تعین اخراجات اور تنقیح حسابات کی شکل میں ایک اور زبردست طریقہ ایسا پیدا ہو رہا تھا جس سے تدبر مملکت پر گرفت ہوسکتی تھی۔ اگر جدید قانون کی ضرورت تھی تو پارلیمنٹ سے بھی مدد لینا ناگزیر تھا اور ظاہر ہے کہ اگر بادشاہ مالیات کی بابت ایک نیا مسلک اختیار کرتا تو یہ صورت ضرور پیدا ہوتی لیکن اس وقت تک معاملہ کی تہ تک رسائی نہیں ہوئی تھی۔ ابھی تک تدبر مملکت کا الٹ پھیر پارلیمنٹ

کے ہاتھ میں نہیں بلکہ عاملہ کے ہاتھ میں تھا اور جماعت عاملہ ابھی تک براہ راست پارلیمنٹ کے قابو میں نہیں آئی تھی۔ اور وہ اس بات پر کسی طرح مجبور نہ تھی کہ کسی فیصلے کے پیش رفت میں بالواسطہ یا بلاواسطہ پارلیمنٹ سے مشورہ کرے۔ جس طرح آج خارجی امور کی حالت ہے یہ بات اس وقت بھی داخلی معاملات سے زیادہ خارجی معاملات پر صادق آتی تھی اور جس طرح تاریخ کے دور مابعد میں ہوتا رہا ہے۔ ولیم سوم کے زمانے میں داخلی حکمت عملی خارجی حکمت عملی کے بالکل تابع تھی۔

وہ دن آنے والے تھے کہ بالآخر پارلیمنٹ وزرا کے تقرر اور برطرفی پر بالواسطہ اقتدار حاصل کر کے تدبیر مملکت پر براہ راست قابو پائے لیکن ابھی تک اس سلسلے کی بسم اللہ بھی نہیں ہوئی تھی۔ آج پارلیمنٹ کو جس قسم کا اقتدار حاصل ہے وہ کچھ مواخذہ سے نہیں پیدا ہوا بلکہ وہ اس انکشاف سے یا اس کوشش کا نتیجہ تھا۔ جو انصرام حکومت کی بابت عمل میں لائی گئی۔ یعنے (جس طرح اوپر کہا گیا ہے) کوشش یہ تھی کہ بادشاہ اور دارالعوام کی کثرت ایک ہی مسلک حکومت پر متفق ہوسکیں۔ سب سے پہلے ولیم سوم ہی اس انکشاف تک پہونچا تھا۔ لیکن یہ سمجھنا خلاف قیاس ہوگا کہ وہ اس کے مفہوم سے واقف تھا اور وزرا کے انتخاب میں جہاں تک اس زمانہ کی مجبوری تھی اپنے کو اس کا پابند پاتا تھا۔ اپنے عہد کے آخری زمانے تک وہ آزاد تھا کہ جس طرح چاہے پریوی کونسل کے اراکین کا انتخاب کرے۔ ان اراکین کے انتخاب میں جو مملکت کی خدمات پر فائز ہوتے اور وزارت یا کابینہ میں نشست کرتے تھے جو اس وقت ٹھیٹ انگریزی کابینہ نہیں بلکہ امریکانی طرز کی کابینہ ہوتی تھی یا دوسرے الفاظ میں اپنے خاص صلاح کاروں کے انتخاب میں ولیم اس بات پر غور کرنے کے لئے مجبور نہیں تھا کہ ان کو پارلیمنٹ کے فریقوں کی تقسیم تعداد سے کیا تعلق ہے۔ جب کبھی وہ اس پر غور کرتا تھا تو خود اپنی سہولت کے خاطر کرتا تھا۔ اس میں کوئی مجبوری نہیں تھی۔ دوسرے لحاظ سے بھی ولیم کو اس معاملے میں اس سے زیادہ آزادی تھی جو ایک موجودہ بادشاہ کو حاصل ہے۔ وہ وزارت کے مشورہ پر چلنے کے لئے مجبور نہیں تھا۔ وہ ان لوگوں سے بھی مشورہ لے سکتا تھا جن کو حکومت سے کوئی سرکاری تعلق نہ ہوتا۔ چنانچہ

وہ ایسا مشورہ اکثر لیتا تھا اور اس سے فائدہ اٹھاتا تھا۔ وہ اپنے وزرا کے مشورے کو نظر انداز کر سکتا تھا چنانچہ اس نے ایسا بارہا کیا۔ ایسے غیر معمولی معاملات میں جو قوم کے آئندہ نقل و حرکت پر اثر ڈالتے تھے وزرا سے مشورہ لیئے بغیر وہ خود کام کرتا تھا تدبیر مملکت کے تمام مسائل میں اسی کا فیصلہ قطعی ہوتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود ولیم سوم محدود حکمراں تھا وہ ایسا مطلق العنان نہیں تھا جیسے اس کا دیرینہ حریف لوئی چہاردہم اور ایسا ہونا ممکن بھی نہیں تھا۔ لیکن انگریزی دستور کو بیسویں صدی کی حکومت کے درجے پر پہنچنے کے لیئے بہت کچھ ترقی باقی تھی

سرکاری کابینہ کا فقدان۔ ولیم اور میری کی تخت نشینی کے وقت دو سیاسی فریق وھگ اور ٹوری الگ الگ موجود تھے اور ایک دوسرے سے ایسے ہی ممتاز تھے جیسے بعد کے زمانہ میں پائے جاتے ہیں۔ اور فریقانہ جذبہ بھی بخاطر خواہ تیز تھا۔ ولیم کی پہلی پارلیمنٹ یعنی اجتماعی پارلیمنٹ بھی وھگ تھی۔ لیکن ولیم سمجھتا تھا کہ وزارت میں دونوں فریقوں کو ملانے سے نہ صرف ایک کامیاب حکومت بن سکتی ہے بلکہ اس وقت وہ اس وجہ سے بھی دونوں فریقوں کو ملانا ضروری سمجھتا تھا کہ اس سے حکومت طاقتور ہو جائے گی اور بادشاہ فریقانہ جانب داری سے بچ جائے گا۔ چارلس دوم کے عہد میں یہ تصور غیر شعوری طریقے سے پیدا ہو گیا تھا کہ وزارت کو مقتدر بادشاہ اور مقتدر پارلیمنٹ کے مابین ذاتی جماعت ہونا چاہیئے اور ظاہر ہے کہ اس تصور کو وجود میں لانے کے لیئے ایک مرکب وزارت کا تجربہ کرنا اقتضاء فطرت انسانی کے عین مطابق تھا۔ اس بارے میں کوئی زیادہ تجربہ تو تھا نہیں اس لیئے ظاہر ہے کہ واصلی جماعت پیدا کرنے کا ہر حالت میں یہی طریقہ معقول معلوم ہوتا تھا۔ یہ بھی ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ اوائل میں عہدہ داروں کا کوئی واضح اجتماع نہیں تھا کہ ان کی ایک ایسی ممیز جماعت بن جاتی جیسی آج ہم کابینہ کی شکل میں پاتے ہیں۔ ایک پریوی کونسل ضروری تھی جو ایک مشخص جماعت تھی پریوی کونسل کی مختلف مسلمہ کمیٹیاں تھیں اور یہ کمیٹیاں پشتوں سے حکومت کے الگ الگ فرائض انجام دیتی تھیں۔ لیکن یہ نو خیز کابینہ ان سے کسی قدر مختلف تھی۔ اس میں نہ اتنا ضابطہ تھا اور نہ یہ اس قدر مستند جماعت تھی۔ یہ گم ونشان

بڑے درجے اور اختیار کے انتظامی اور عاملانہ خدمات کا ایک ایسا مجموعہ تھا جس کے حامل پریوی کونسل کے اراکین ہوتے تھے اور ان لوگوں میں بعض اوقات ایسا ارتباط ہوتا تھا کہ یہ لوگ پارلیمنٹ کے مخالفانہ حملوں کا ایک ساتھ مقابلہ کرتے تھے۔ لیکن اب تک اس کے متعلق یہ تصور واضح نہیں تھا کہ یہ عہدہ دار ایسے منتظم ہیں کہ کونسل کے اندر بھی ہیں اور اس سے ممتاز بھی ہیں۔ اور تدبیر مملکت کی ترتیب و تشکیل سے ان سب کا کامل یا نیم سرکاری تعلق ہے! ایک معین شخص کو جو خدمت دی جاتی تھی تو اس وجہ سے دی جاتی تھی کہ وہ پارلیمنٹ اور قوم کا ذی اثر رہنما تھا اور بادشاہ بھی اسی وجہ سے اس سے مشورہ لیتا تھا۔ لیکن بادشاہ ایسے لوگوں کو جن سے وہ مشورہ کرنا چاہتا تھا خود اپنی مرضی سے یکجا کرتا تھا۔ اور اس میں بعض وقت بڑے عہدہ دار چھوڑ دیے جاتے تھے اور بعض اوقات ایسے لوگ شریک کر لیے جاتے تھے جو بڑے عہدہ دار نہ ہوتے تھے۔ اس تصور میں اب تک اجتماعیت کی بجائے تفرد تھا۔ جب کبھی لوگ ایسی شخص جماعت کی ہوا پاتے تھے جو کونسل سے الگ تھلگ نظر آتی اور حکومت میں خاصہ اثر رکھتی تھی تو بے ضابطہ اور خطرناک سمجھ کر اس کی مذمت کرتے تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان دو اموریں جو تبدیلی ہوئی تھی یعنے ایک ہر بولٹ کابینہ کا تسلیم کیا جانا اور دوسرے اس کا دستور بجائے مضر ہونے کے مفید ثابت ہونا زیادہ تر مرکب وزارتوں کے تجربوں کی وجہ سے عمل میں آیا۔

ولیم کا تجربہ اس کی پہلی وزارت ہی سے شروع ہوا۔ اجتماعی پارلیمنٹ پکی وھگ تھی لیکن عہدوں پر وھگ اور ٹوری رہنما دونوں فائز تھے۔ اگر اس اعتقاد پر کام ہوتا کہ مرکب وزارت دونوں فریقوں کو یکجہت کر دے گی تو نتیجہ قطعی مایوس کن ہوتا کیونکہ فرقہ وارانہ مناقشات وزارت اور پارلیمنٹ دونوں جگہ عام تھے۔ اس عہد کے پہلے انتخاب سے جو سنہ ۱۶۹۰ء میں عمل میں آیا ٹوریوں کی کثرت ہوگئی جس کی وجہ سے وزارت میں تبدیلیاں کی گئیں اور وھگ عہدہ داروں کی تعداد گھٹ گئی، ٹوری بڑھ گئے۔ لیکن اگر اس سے "پارلیمنٹ اور دربار میں بہت موافقت ہوگئی" تو اس کا کوئی ایسا زبردست اثر بھی نہیں پڑا کہ اس سے کوئی سبق ملتا یا مرکب وزارتوں کے علاوہ آمد میں تغیر ہوتا۔ اسی سال جب ولیم انگلستان

سے آیرستان گیا دونوں فریقوں کی ایک خاص کونسل اس غرض سے مقرر کی کہ یہ اس کی عدم موجودگی میں ملکہ کو کام میں مدد دیں۔ اس میں دونوں فریقوں کی تعداد تقریباً برابر کی تھی۔

سنہ ۱۶۹۲ء میں وزارت کے ردوبدل کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ لیکن سنہ ۱۶۹۳ء سے تغیرات کا ایک سلسلہ شروع ہوتا ہے جن کی اہمیت میں بعض اوقات بہت مبالغہ کیا جاتا ہے۔ ارل آف سنڈرلینڈ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے بادشاہ کو یہ توجہ دلائی تھی کہ وہ اپنی تمام وزارت صرف ایک فریق سے مرتب کرے اور اس وقت مشورہ یہ تھا کہ وزارت صرف وھگوں پر مشتمل رہے۔ اول الذکر چند دنوں تک اسی طریقہ کار کا معتقد تھا۔ یہ کام رفتہ رفتہ کیا گیا اور سنہ ۱۶۹۶ء تک وہ کابینہ بنائی گئی جو "جماعت متحدہ" کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ اس نام سے جو مفہوم مترشح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ لوگ نہ صرف اس اجتماع کو جان گئے تھے بلکہ اس کو ناپسند بھی کرتے تھے۔ سنہ ۱۶۹۵ء کے انتخاب سے دارالعوام وھگ ہوگیا لیکن "جماعت متحدہ" کو ہم موجودہ کابینہ کی مسلسل تاریخ کا آغاز نہیں سمجھ سکتے کیونکہ جب سنہ ۱۶۹۸ء کے انتخاب سے پانسہ پلٹا تو وزارت نے استعفا دینا ضروری نہیں سمجھا اور کئی سال تک کابینہ اور پارلیمنٹ کی کثرت کا باہمی تعلق تسلیم نہیں کیا گیا۔

ذمہ داری کا مسئلہ۔ تاہم سنہ ۱۶۹۸ء کے انتخاب سے جب کہ معاملہ اہم تھا یہ بات ظاہر ہوگئی کہ پارلیمنٹ بادشاہ سے برتر ہے کیونکہ پارلیمنٹ نے جو تخفیف فوج کا مسلک اختیار کیا تو ناگوار نتائج نکلے اور ولیم کے دلی خواہشات سے تصادم ہوگیا۔ تاہم وہ اس کے ماننے پر مجبور ہوگیا۔ ولیم کے عہد کی باقی تبدیلیوں میں کوئی جدید اصول یا عملدرآمد رونما نہیں ہوا۔ وزارت اور ٹوری ہوگئی لیکن لوئی چہاردہم کی گستاخانہ حرکات کی وجہ سے قوم ولیم کی تائید کے لئے متحد ہوگئی جس میں ٹوری فریق بھی شامل تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لڑائی ٹھن گئی لیکن اس لڑائی کے سر کرنے کے لئے خود ولیم زندہ نہیں رہا۔ ولیم کے عہد حکومت کا جملہ ماحصل صرف اس قدر تھا کہ ایک میلان پیدا ہوگیا تھا لیکن ایک طرح سے دیکھا جائے تو وہ ایسا میلان تھا جو عرصہ سے جاگزیں تھا اور اب اس کو روکنا ممکن نہیں تھا۔ میلان کا اقتضا یہ تھا کہ قومی

معاملات کے انصرام کو کونسل کے اندر ایک چھوٹے حلقے کے سپرد کیا جائے جو بڑے عہدہ داران پر مشتمل ہو۔ یہ حلقہ ایسا واضح تھا کہ اکثر پہچانا جاتا تھا اور ایک خاص نام سے موسوم تھا لیکن نہ صرف یہ غیر سرکاری تھا بلکہ قانون بھی اس کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ اس کے بعد نظام کابینہ کی تشکیل میں جو بڑا زینہ باقی رہ گیا تھا وہ اس بات کا انکشاف کرنا تھا کہ وزرائے کار فرما اور پارلیمنٹ کی کثرت کے درمیان کیا تعلق ہے اور اس تعلق کو کس طرح عمل میں لایا جا سکتا ہے۔

چونکہ اس زمانے کے لوگ اس تعلق سے ہنوز واقف نہیں ہوئے تھے اس لئے ظاہر ہے کہ ان کو اسی الجھن میں پڑنے کی کوئی وجہ نہ تھی مگر اس تغیر کا سب سے بڑا خطرہ ان کے سامنے یہ تھا کہ کابینہ کی سکار روائی راز میں ہونے لگی تھی اور اس سے وہ کچھ دھندلے طور پر واقف تھے۔ اور وزرا بادشاہ کو جو مشورہ دیتے تھے اس کے متعلق ان کو ذمہ دار ٹھیرانا مشکل تھا۔ مواخذہ جو وزرا کو پارلیمنٹ کے سامنے براہ راست ذمہ دار بنانے کا ہتھیار تھا اور قرون وسطی کا پیدا کیا ہوا تھا ابھی ابھی مکمل ہوا تھا۔ لیکن چونکہ پارلیمنٹ کی فوقیت جو ۱۶۶۰ء میں قائم کی گئی اور ۱۶۸۸ء میں موثق کی گئی۔ بلا واسطہ نہیں بلکہ بالواسطہ تھی اور قانوناً تسلیم نہیں کی گئی تھی اس لئے طریقۂ مواخذہ میں بھی وہ گرفت باقی نہیں تھی۔ پارلیمنٹ کی حیثیت کو موثر بنانے کے لئے جس بات کی ضرورت تھی یہ نہ تھی کہ وزرا کو ان کے افعال کی سزا دی جائے بلکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ تدبیر مملکت کی قرار داد میں پارلیمنٹ کے اقتدار کو موثر بنایا جائے۔ یہی ایک واحد طریقہ تھا جس سے حقیقی فوقیت قائم کی جا سکتی تھی ورنہ یہ فوقیت بالواسطہ تھی۔ ظاہر ہے کہ اس زمانے کے لوگ اس ضرورت کو محسوس نہیں کرتے تھے۔ اور اس بات کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ دستور کی یہ عظیم الشان تبدیلی سب کچھ غیر شعوری طریقے سے ہوئی تھی۔

اس زمانے کے لوگ صرف اس حد تک غور کرتے تھے جو ان کو نظر آتی تھی اور وہ یہ تھی کہ وزرا کو ذمہ دار بنانے کا ہتھیار ان کے ہاتھ سے چلا جا رہا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہو رہا تھا کہ مواخذہ ان کے ہاتھ سے نکلا جاتا ہے اور اس کی جگہ کوئی اور چیز نہیں قائم ہو رہی ہے۔ اوائل عہد یعنی ۱۶۹۲ء کے موسم خزاں میں جنگ کی بد انتظامی پر

جو حکومت سے ہوئی تھی بڑی دھواں دھار بحث ہوئی اور اس میں ارکین پارلیمنٹ نے کابینہ پر سخت چوٹ کئے کہ اس کا انگریزی ادارات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک رکن نے کہا کہ "ہماری کتب قانونی میں اس کا کہیں ذکر نہیں ہے" دوسرے رکن نے کہا کہ "یہ انگلستان کا طریقہ کبھی نہیں رہا ہے" چونکہ خفیہ مشورہ دیکر ذمہ داری سے پہلو تہی کی جاتی ہے اس لئے "تم ان کو سزا نہیں دے سکتے کیونکہ ان کے افعال کا تم کو علم نہیں ہے" کئی اراکین نے اس بات پر زور دیا کہ وزرا جو مشورہ دیں اس پر ان کو اپنے دستخط ثبت کرنے چاہئیں۔ دوسرے سال کے اجلاس میں جب یہ مسودہ پیش ہوا کہ عہدہ دار دارالعوام سے خارج کئے جائیں اور ولیم نے اس کو نامنظور کیا تو عوام برافروختہ ہو گئے اور یہ رائے ہوئی کہ منظوری رقم سے انکار کر کے بادشاہ پر دباؤ ڈالنا چاہئے کئی دفعہ مواخذوں کی دھمکی دی گئی لیکن یہ ۱۷۰۱ء سے قبل جبکہ ولیم کا آخری زمانہ تھا عمل میں نہیں لایا گیا۔

مواخذہ کا متروک ہونا۔ مواخذہ کی ابتدا اس وقت ہوئی جب بادشاہ اور پارلیمنٹ اس مسئلے پر کشمکش کرتے تھے کہ مملکت میں اقتدار اعلیٰ کہاں واقع ہے اور یہ مسئلہ بہت پرانا مسئلہ تھا۔ دستور اعظم کے باب ۶۱ اور پرانی طرز کے ہراولہ سکار کے طرح مواخذہ کا بھی یہی مقصد تھا کہ خانہ جنگی اور انقلاب کا خطرہ نہ پیدا ہو اور بادشاہ کو رسمی ذمہ داری سے ہٹا کر حقیقی ذمہ داری کا پابند بنایا جائے۔ اگرچہ دوسرے آلات بھی ایک طرح سے کامیاب ہوئے تھے لیکن مواخذہ اس غرض کے لئے سب سے بڑا اور سب سے زیادہ موثر آلہ کار ثابت ہوا تھا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے اپنی ذمہ داری پر اصرار کرنا چھوڑ دیا۔ لیکن وہ مسئلہ اب ایسا طے ہو چکا تھا کہ ۱۶۸۸ء کے انقلاب کے بعد پھر کبھی بحث میں نہیں آیا۔ اب جو حقیقی مسائل رہ گئے تھے وہ یہ نہیں تھے کہ بادشاہ اور پارلیمنٹ کے درمیان دستور کی اساسی تاویل کیا ہو سکتی ہے بلکہ اب مسائل یہ تھے کہ حکومت کے روزمرہ کاروبار میں دو مختلف الرائے فریقوں کے رہنما ایک دوسرے کے مقابلے میں کیا مقصد اور حکمت عملی اختیار کریں۔ وفاداری دستور کے ساتھ اور ان فریقوں کی اس دور کے اوائل میں غیر شعوری طور پر مان لی گئی تھی۔ ان حالات میں یہ بات خود بخود سمجھ میں آ گئی تھی کہ مخالف فریق کے

رہنماؤں کو فوجداری چالان میں مبتلا کرنا فریقانہ مفاد کا ناشائستہ استعمال ہوگا اس لئے مواخذہ خاموشی سے برخاست ہوگیا حالانکہ اس وقت تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ ذمہ داری عاید کرنے کے لیئے پھر اس کی جگہ کونسی چیز استعمال کی جائے۔

اسی دور میں جس پر یہ باب مشتمل ہے شاہی حق امتناع قطعی کا بھی یہی حشر ہوا اور اسباب وہی تھے۔ ولیم سوم نے اس حق کو چار مرتبہ استعمال کیا اور ہر وقت پارلیمنٹ اس سے مشتعل ہوئی۔ ملکہ این نے اس کو صرف ایک مرتبہ استعمال کیا۔ لیکن مواخذہ کی طرح اس کو بھی دستوری ترقی کے جدید رخ سے جو انگلستان اختیار کرچکا تھا کوئی مناسبت نہیں تھی۔ یہ دونوں ایسے ہتھیار تھے جو عاملہ اور مقننہ کی قدیم کشمکش میں ایک کو پارلیمنٹ پادشاہ کے خلاف اور دوسرے کو بادشاہ پارلیمنٹ کے خلاف استعمال کیا کرتا تھا؛ لیکن اب ان پرانے مناقشات کا زمانہ گزر چکا تھا۔ دور جدید کے مناقشات عاملہ اور مقننہ کے ایسے باہمی مناقشات نہیں تھے کہ مملکت میں کون برتر ہوگا بلکہ رائے عامہ کی تفریقوں پر مبنی تھے جن کی مقننہ میں مختلف گروہوں کے ذریعہ نمائندگی ہوتی تھی۔ اور رسمی عاملہ یعنے بادشاہ اور حقیقی عاملہ یعنے کابینہ دونوں کا بالکلیہ انتخابات کے نتیجہ پر منحصر ہونا پڑتا تھا۔ ملکہ این کے بعد سے حق امتناع کو کبھی استعمال نہیں کیا گیا۔ لیکن اب سے چند سال پہلے اس شاہی حق کے استعمال کے متعلق بہت کچھ بحث ہوئی تھی کہ یہ حق استعمال ہونا چاہیئے اور اس طرح استعمال ہونا چاہیئے کہ مخصوص مسائل رائے عامہ یا مراجعہ کے لئے پیش کرنا لازمی قرار دیا جاسکے۔

ولیم کے عہد کے آخری سال پارلیمنٹ نے ایک دستوری قانون پاس کیا جو "دستاویز حقوق" سے کم اہمیت نہیں رکھتا اور وہ قانون بندوبست ہے۔ چونکہ ملکہ میری اور ملکہ این کی آخری پسماندہ اولاد ڈیوک آف گلوسٹر کا یکے بعد دیگرے انتقال ہوگیا تھا اس لئے پادشاہی کے لئے جانشینی کا تعین کرنا ضروری ہوگیا تھا۔ اس ضرورت کے تحت پارلیمنٹ عملی وراثت کے اصول کو مدنظر رکھ کر درمیانی ورثا کو جو کیتھولک تھے نظر انداز کردیا اور یہ اعلان کیا کہ ملکہ این کے بعد تخت کی وارث والیہ ہانوور سوفیا ہوگی جو جیمز اول کی نواسی اور شاہان قدیم کی نسل میں بھی قریب ترین پروٹسٹنٹ وارث تھی۔ اصول میں تو یہ پارلیمنٹ کا دعوے حق تھا کہ بادشاہی کا تعین

پارلیمنٹ کرے گی اور اس طرح یہ "دستاویز حقوق" سے کچھ کم انتہائی نہیں تھا۔ مگر یہ اس وجہ سے زیادہ درخشاں تھا کہ جن ممکن ورثا کو نظر انداز کر دیا گیا تھا ان کی تعداد بہت زیادہ تھی اور جو وارث تخت قرار دیا گیا اس کو حکمران وقت سے دوسروں کے بہ نسبت بہت دور کی قرابت ہوتی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس طریقے سے صحیح مسئلہ نسب کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ اس اصول کی پرزور تجدید کر دی گئی کہ تخت انگلستان کسی حق منجانب اللہ کے تابع نہیں ہے۔ خاندان ہانوور کے حکمران جو اس قانون کی بدولت تخت و تاج کے مالک ہوئے انھوں نے ان چیزوں کو ایک نہیں کئی دفعہ ڈنکے کی چوٹ تسلیم کر لیا اور یہ اعلان کیا کہ ہم صرف قوم کی رضامندی سے حکومت کرتے ہیں۔

مخالف قانون سازی۔ یہ بات بھی ملحوظ رکھی گئی کہ وراثت کے انتظام کے لئے جو قانون بنے تو اس میں چند ایسے دستوری دفعات بھی شامل کر لئے جائیں جیسے دستاویز حقوق میں کئے گئے تھے۔ بالآخر عادلوں کی مدت خدمت از روئے قانون نیک چلنی پر منحصر کی گئی اور اس کے علاوہ ان کی برطرفی کے لئے دونوں ایوان پارلیمنٹ کی درخواست لازمی قرار دی گئی، اور یہ بھی قانون بنایا گیا کہ مواخذہ کے انسداد کے لئے معافی کو صفائی میں نہیں پیش کیا جا سکتا۔ دو اور دفعات شامل کئے گئے جن کی مصلحت مشکل سے سمجھ میں آتی ہے ان کے ذریعہ پارلیمنٹ نظام کابینہ کی نزاعوں کا خاتمہ کر دینا چاہتی تھی تاکہ پارلیمنٹ کے خیال میں ذمہ داری عاید کرنے کا ہتھیار ہاتھ سے نہ چلا جائے اگر یہ دفعات عمل میں لائے جاتے تو کابینہ کا خاتمہ ہو جاتا۔ ایک کا منشاء یہ تھا کہ کونسل کے جملہ کاروبار کسی دوسری جگہ نہیں بلکہ صرف پریوی کونسل میں طے ہوں یعنی کسی "جماعت متحدہ" یا کابال میں طے نہ ہوں کیونکہ یہ ان کی نظر میں مشتبہ تھے اور کونسل کے اراکین جو قرارداد منظور کر لیں ان پر اپنے دستخط ثبت کر دیں تاکہ اس طریقے سے ان کی ذمہ داری واضح ہو جائے۔ اور دوسری دفعہ میں یہ ممنوع قرار دیا گیا کہ دارالعوام کی رکنیت کے لئے بادشاہ کے عہدہ دار یا وظیفہ خوار جن میں خود وزرا بھی شامل تھے منتخب نہیں ہو سکتے۔ دوسرے الفاظ میں پارلیمنٹ یہ بات سمجھنے سے قاصر تھی کہ اپنی فوقیت حاصل کرنے کا بہترین طریقہ کیا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ وہ بدیدہ دانستہ

ایک متروک طریقے کی خاطر اس سلسلہ ترقی کا خاتمہ کر دینا چاہتی تھی جو پرزور ذریعے سے ملوکیت کے جامہ میں جمہوریت پیدا کر رہا تھا۔ یہی ایک پرزور ذریعہ تھا اور یہی ہو سکتا تھا۔

یہ دونوں دفعات عمل میں نہیں آئے۔ سب نے یہ محسوس کیا کہ پہلی دفعہ سے وزرا کی وہ آزادی جس سے وہ بادشاہ کو مشورہ دیتے تھے۔ محدود کر دی گئی ہے۔ چنانچہ ملکۂ این کی تخت نشینی کے بعد ہی اس کو منسوخ کر دیا گیا۔ دوسرے قانون کا صرف یہ منشا نہیں تھا کہ دارالعوام کو شاہی وزرا کے برے اثر سے بچائے بلکہ اس کا عین منشا یہ تھا کہ بادشاہ کے وہ زوردار ذرائع سلب کرے جن کے ذریعے سے یعنے عہدہ داروں کے توسط سے اور عہدوں اور وظیفوں کو رشوت بنا کر بادشاہ دارالعوام کے افعال پر قابو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ خود ولیم سوم نے ان ذرائع کو دھڑلے سے استعمال کیا تھا۔ لیکن یہ بات جلد معلوم ہو گئی کہ یہ دفعہ وزرا کو پارلیمنٹ سے خارج کرنے میں حد سے تجاوز کر گئی ہے اور اس کے فوائد کے مقابلے میں عملی دقتوں کا پلہ بھاری ہو جائے گا۔ پہلی دفعہ کی طرح اس کو بھی اسی وقت منسوخ کر دیا گیا لیکن دو سال کے بعد اس موضوع کا ایک جدید قانون پاس کیا گیا جو چند ترمیمات کے ساتھ اب تک جاری ہے۔ اس قانون سے یہ ضابطہ بنا کہ جو اشخاص ۲۵ اکٹوبر ۱۷۰۵ء کے بنائے ہوئے خدمات یا مندرجۂ ہذا خدمات پر فائز ہوں وہ دارالعوام میں نشست نہیں کر سکتے لیکن جو اراکین ان کے علاوہ دیگر خدمات پر فائز ہوں ان کو اپنی نشست چھوڑنا ضروری نہیں ہے بلکہ ان کا دوبارہ انتخاب ہو سکتا ہے۔ اس تاریخ کے بعد سے جس قانون سے جدید وزارتی خدمات پیدا کئے گئے وہ دوسرے درجے میں رکھے گئے اگر قانون بندوبست کے ہر دو مطالبات پورے ہو جاتے تو اس کی وہ صورت ہوتی جو بعد کو امریکا کی کابینہ کی ہوئی یعنے صرف وہ ایک انتظامی اور صلاح کار کابینہ ہوتی بشرطیکہ موافق حالات باقی رہتے اور کابینہ کی ترقی جاری رہتی یعنی وہ زمانۂ حال کی حکومت کابینہ اور وزارتی ذمہ داری کے درجہ پر کبھی نہیں پہنچتی۔ جیسے ہم آگے چلکر دیکھینگے اس قانون کی وجہ سے بادشاہ دارالعوام پر ناجائز اثر ڈالنے کے ذرائع سے بالکلیہ محروم نہیں کیا گیا بلکہ اصول قائم کر دیا گیا اور اس کے حصول میں پیش قدمی بھی

کی گئی۔

اگرچہ ولیم کے عہد حکومت کی خاص دستوری اہمیت اس ترقی میں پائی جاتی ہے جو حکومت کابینہ میں عمل میں آئی تھی لیکن دوسری ترقیوں کو بھی جن کی داغ بیل ڈالی گئی تھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے مذہبی رواداری بھی ایک حد تک عمر کز برپا کی گئی ۱۶۸۸ء سے پہلے پروٹسٹنٹ منحرفین کو ان کی قبیح مجبوریوں سے چھڑانے کے لئے جو کوششیں کی گئی تھیں وہ سب ناکام ہو گئی تھیں لیکن اجتماعی پارلیمنٹ کے پہلے اجلاس میں ایک قانون رواداری پاس کیا گیا۔ اگرچہ ضوابط کلرینڈن کو منسوخ نہیں کیا گیا لیکن "موحدین" کو مستثنیٰ کر کے ان پروٹسٹنٹوں کو جو وفا شعاری اور سیادت کی حلف اٹھانے کے لئے اور قلب ماہیت کے خلاف اعلان کرنے کے لئے تیار تھے ان تعزیرات سے آزاد کر دیا گیا جو مجالس منحرفین اور کلیسا کی غیر حاضری کے مانع تھے۔ انھیں شرائط کے ساتھ اور ۳۹ دفعات پر جن میں سے تین دفعات اور دوسری دفعہ کا ایک حصہ خارج تھا دستخط کرنے کے بعد منکر واعظین کو وعظ و نصیحت کرنے اور عشاء ربانی کا انتظام کرنے کی اجازت دی گئی اور رجسٹر ہونے کی صورت میں ان کے مجلس گاہوں کی حفاظت کا انتظام بھی کیا گیا۔ اگرچہ ملکہ این کے عہد میں رواداری کے خلاف ردعمل ہوا یعنے ایک "قانون منکر عہدہ داروں کو" ہنگامی مطابقت" کی ممانعت کرتا تھا اور "قانون شقاق" منکر مدارس کے مخالف تھا۔ لیکن یہ دونوں ۱۷۱۸ء میں منسوخ ہو گئے اور جلد ہی منکرین کو عملاً فائز خدمت ہونے کی اجازت دیدی گئی۔ تعزیرات سے بچانے کے لئے سالانہ قانون برات پاس ہوتے تھے۔ قانون رواداری اتنا وسیع نہیں کیا گیا کہ آئرستان بھی اس سے فائدہ اٹھاتا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تیس سال کے دوران میں جو ۱۶۸۸ء کے انقلاب کے بعد گذرے بہت سے اسکاچ آئرستانی اہر کیانی نوآباد مستعمرات میں جلاوطن ہو گئے۔

دستوری قانون سازی۔ قانون غدر کے عمل درآمد کو جس کا تعلق فوجی تنظیم اور قواعد و ضوابط کے لئے تھا اور تعین اخراجات کے جواز کو صرف ایک سال کے لئے محدود کر کے انقلاب کے بعد پارلیمنٹ کے سالانہ اجلاس کو گویا لازمی قرار دیا گیا۔ ۱۶۹۴ء میں ایک مرتبہ بادشاہ کے امتناع کے بعد قانون سہ سالہ پاس کیا گیا کہ

کم از کم تین سال میں ایک مرتبہ پارلیمنٹ کا اجلاس ہونا چاہئے اور پارلیمنٹ کی عمر بھی تین سال کے لئے محدود کر دی گئی۔ ۱۶۹۵ء میں دارالعوام نے قانون اجازہ جات کی تجدید کرنے سے انکار کر دیا جس سے مطابع پر احتساب جو حال میں ختم ہو چکا تھا دوبارہ قائم ہوتا تھا اس وقت سے لیکر اب تک انگلستان میں مطابع قانوناً و عرفاً آزاد ہیں اور فی الواقع احتساب سے مستثنیٰ ہیں۔ لیکن ملکہ این کے عہد میں ایک قانون کاغذ مہور پاس ہوا جو چھوٹی اشاعتوں کے لئے گراں بار ثابت ہوا اور جدید اشاعتوں کے لئے رکاوٹ ہو گئی۔ تاہم انقلاب کے بعد اخباروں کی طباعت بہت تیزی سے ترقی کرنے لگی اور زمانہ حال کے رنگ پر سیاسی تبلیغ اور سیاسی نقطہ خیال کی نشر و اشاعت کے لئے اس کا استعمال بہت بڑھ گیا۔ ملکہ این کے عہد میں ہارلے سب سے پہلا وزیر سمجھا جاتا ہے جس نے اخبار کو سیاسی اغراض کے لئے استعمال کیا۔ غداری کی سماعت کو باضابطہ بنانے کے لئے ۱۶۹۶ء میں ایک اہم قانون پاس کیا گیا جس سے ملزم کو خاص تحفظات حاصل ہوئے اور دو صریح گواہ ضروری قرار دیے گئے ایک ہی فعل کے لئے جو بالکل ظاہر ہو ہمیشہ دو گواہ ایسے ضروری نہیں تھے جیسے امریکہ کا دستوری ضابطہ ضروری قرار دیتا ہے بلکہ ایک ہی غداری کے دو فعل کے لئے ضروری ہوتے تھے۔ باقی قانون سازی یہ ہے "اخراجات شاہی" معین کر دیے گئے اور اس سے زیادہ خاص چیز یہ ہے کہ قومی قرضہ کو ہمیشہ کے لئے باقاعدہ بنایا گیا بنک انگلستان قائم کی گئی۔ اگرچہ یہ قانون سازی قطعی دستوری شان نہیں رکھتی مگر انقلاب کے نتائج کو مستحکم بنانے اور اس کے موید ین کو تقویت دینے میں اس کے دستوری نتائج اہم ہیں۔

ملکہ این کا عہد حکومت دستوری نقطۂ نظر سے ولیم کے عہد کا قدرتی تتمہ ہے جس کے اصول اور خصوصیات ایک ہی تھیں۔ لیکن حکومت کابینہ کی ترقی جو خاص چیز ہے ولیم کے عہد سے زیادہ ملکہ این کے عہد میں ہوئی۔ لیکن اس ترقی میں کوئی ایسے مدارج نہیں ملتے جو اچانک اور قطعی کہے جا سکیں بلکہ آہستہ آہستہ اس بات کا تعارف ہو رہا تھا کہ حکومت کابینہ کس طرح چلائی جا سکتی ہے اور اس کا کیا مفہوم ہے۔ ملکہ این کی تخت نشینی کے وقت پارلیمنٹ میں وہگوں کی کثرت تھی اور کابینہ

ولیم کے طرز کی تھی یعنی دونوں فریقوں سے مرکب تھی۔ ان کا رجحان زیادہ تر ٹوریت کی طرف تھا اور یہی اس کے ہم مشرب مارلبرو اور اس کی بیوی کا حال تھا۔ اپنی ذاتی جانبداری کے اثر کو کام میں لاکر ملکہ این نے فوراً وزارت کو برخاست کرنے کی کوشش کی یہاں تک کہ خفیف استثنا کے ساتھ وزارت ٹوری ہو گئی۔ پہلا انتخاب جو ہوا تو پارلیمنٹ میں خاطر خواہ ٹوری اکثریت ہو گئی۔ لیکن یہ انتخاب کابینہ کی تبدیلی کے بعد ہوا تھا اور نئی کابینہ موجودہ وھگ اکثریت کے ساتھ بنائی گئی تھی چنانچہ نئی اکثریت کا کابینہ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا۔

اس طرح وجود میں آنے کے بعد یہ کابینہ ۱۷۱۰ء کے بڑے تغیر تک برائے نام ذی اقتدار رہی یعنے یہ دو آدمیوں کے جن کا اس کی تشکیل میں خاصہ حصہ تھا، زیر اثر رہی ایک گڈولفن اور دوسرے مارلبرو۔ لیکن اندرونی طور پر اس میں بہت سی تبدیلیاں ہوئیں جو اپنی تمام خصوصیات میں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ اولاً یہ کہ اس سے سخت ٹوری خارج کر دیے گئے۔ اور ان کی جگہ معتدل ٹوری بھرتی کیے گئے۔ پھر مارلبرو نے دیکھا کہ وھگ جنگ کے زیادہ حامی ہیں لہذا ٹوری خارج کر دیے گئے اور وزارت پہلے سے بہت زیادہ وھگ ہو گئی۔ آخر میں معتدل ٹوریوں کے رہنما ہارلے نے ۱۷۰۸ء میں اپنے کو زیادہ طاقتور بنانے کی جو کوشش کی تھی وہ ناکام ہو گئی اور اس کی ناکامی کا نتیجہ یہ ہوا کہ معتدل ٹوری برخاست کر دیے گئے۔ اور وزارت بالکلیہ وھگ ہو گئی ۱۷۱۰ء کے زوال مالبرو تک اس کا یہی رنگ رہا۔

انقلاب کی تائید ۱۷۱۰ء میں وزارت کا اچانک اور پورے طور پر شکست کھا جانا فریق بندی کی ابتدائی تاریخ کے بہت ہی مہتم بالشان واقعات میں سے ہے۔ یہ شکل ایک ٹوری واعظ ڈاکٹر سیکے ویریل کے مواخذے کی وجہ سے پیدا ہوئی اور ملکہ کو وزارت برخاست کرنے کا موقع ملا۔ اس شخص نے ۱۷۰۹ء میں گیے فاکس کے دن سنٹ پال کے ایک خطبے میں عدم مقاومت اور خاموش اطاعت کے پرانے انتہائی ٹوری اصول کو خوب بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور ان اصولوں پر سخت حملے کیے جن کے مطابق ۱۶۸۸ء کا انقلاب عمل میں لایا گیا تھا۔ وزرا کو اس کا مطلق اندازہ نہیں تھا کہ عوام کے جذبات کس کے وہ باعث ہو رہے ہیں بہت ہی پرجوش ردعمل ہوگا

یہ لوگ انقلاب کے وھگ اصول کی صداقت کو منوانے کے لئے اس کا مواخذہ کرنے پر اڑ گئے۔ برک اس بات کا معتقد تھا کہ کابینہ اپنے فعل میں حق بجانب تھی چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ڈاکٹر سیکے ویریل کے مواخذے کا کھلا مقصد یہ تھا کہ انقلاب کے اصول کی صحیح بنیاد واضح کی جائے۔" اس زمانے کے اکثر علما برک سے متفق الرائے ہیں کہ وزارت ایسے سخت حملے کے مقابلے میں اپنی مدافعت کو نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ دوران سماعت میں اس اساسی مسئلے پر زور دیا گیا کہ اصولاً قوم اور پارلیمنٹ کو بادشاہ کی مخالفت کا حق حاصل ہے اور تمام تاریخ انگلستان میں اسی حق پر عمل ہوتا رہا ہے۔ ٹوریوں کی طرف سے صفائی میں جو جواب پیش ہوا تو اس میں اصل نکتے کو تسلیم کرنا پڑا۔ کہ اقتدار اعلیٰ مقننہ سے وابستہ ہے نہ کہ عاملہ سے لیکن نتیجے سے بچنے کے لئے اس بات پر زور دیا گیا کہ اقتدار اعلیٰ کی مخالفت نہ ہونی چاہیئے۔ وزارت اپنے خاص مقصد میں کامیاب تو ہوگئی لیکن اس کی کامیابی خود اس کے لئے مہلک ثابت ہوی۔ ملک میں عام طور پر کابینہ کے خلاف اس قدر تیز جذبہ ابھر گیا تھا کہ وھگوں کو ہٹانے کے لئے جن کو ملکہ پسند نہیں کرتی تھی اور ٹوریوں کو لانے کے لئے ملکہ کو موقع مل گیا۔ جو انقلاب کے بعد صورت گر ہوئی یہ سب سے پہلی کامل تبدیلی اور سیاسی حیثیت سے سب سے پہلی متجانس وزارت تھی جزئی تبدیلیوں کے ساتھ یہ کابینہ اس عہد کے ختم تک برسر حکومت رہی۔

ملکہ این کے عہد میں تین مرتبہ وزارتوں کا خاص ردوبدل ہوا اور ہر تبدیلی کے عین بعد ہی جو عام انتخاب ہوتا گیا تو ہر انتخاب میں جدید وزارت کے لئے بڑی کثرت مہیا ہوگئی۔ لیکن ان تمام تبدیلیوں کا باعث بالکلیہ شاہی اختیار عزل ونصب تھا۔ اور موجودہ کثرت اس تبدیلی کے مخالف ہوتی تھی۔ بعض مرتبہ تو یہ خود ملکہ کے ذاتی رغبت اور نفرت کا نتیجہ ہوتا تھا اور سچ تو یہ ہے کہ اس زمانے تک ملکہ کی خوابگاہ کی سازشیں وزارتوں کے بننے اور بگڑنے پر برابر اپنا اثر ڈالتی تھیں۔ ولیم سوم سے کئی مرتبہ اور کئی درجہ زیادہ ملکہ این نے ایسے وزیروں اور وزارتوں کو برسر اقتدار کیا جن کو وہ خود پسند نہیں کرتی تھی بلکہ بعض اوقات وہ ان کی سخت مخالف ہوتی تھی۔ لیکن اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ پارلیمنٹ کی اکثریت اس بات پر اصرار کرتی تھی کہ معاملہ کرنے کی یہی شرط ہے کہ وزارت برطرف کردی جائے بلکہ جنگ کے لئے حسب خواہش تائید

حاصل کرنے کا ملکہ اور اس کے وزرا کے پاس یہی ایک طریقہ ہوتا تھا۔ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ عملاً دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ ہم اس وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ بعد کی تاریخ میں اس وحدانیت کی تصدیق ہو گئی ہے۔ ملکہ این کے عہد کے لوگ ابھی یہ نہیں سمجھ سکے کہ اس مسئلے کے تینوں عناصر میں کیا تعلق ہے یعنی پارلیمنٹ کی اکثریت کابینہ اور حکمت عملی کا کامیابی سے انجام دینا۔ مگر ملکہ کے عہد میں جو واقعات ظہور پذیر ہوئے اور تجربات حاصل ہوئے وہ جلد جلد یہ واضح کر رہے تھے کہ کابینہ اور حکمت عملی کا دار و مدار پارلیمنٹ پر ہے اور فریقانہ وزارت مرکب وزارت سے زیادہ طاقتور اور پائدار ہوتی ہے۔ یہ بھی کہنا ضروری ہے کہ ملکہ این کو چونکہ سیاسی امور سے دلچسپی نہ تھی اور بین الاقوامی مسائل سے اس کو مس نہیں تھا اس لئے اہم امور کا دار و مدار کابینے پر ہو گیا جو پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا اور ولیم کے عہد میں تو قطعی نہیں ہوا تھا۔

اسکاچستان کا قانون اتحاد جو ۱۷۰۷ء میں منظور کیا گیا اس کو ہم پارلیمنٹ کے دستوری اختیارات کی انتہائی مثال سمجھ سکتے ہیں کیونکہ اس سے اسکاچستان کے اختیار قانون سازی کا خاتمہ ہو گیا اور اس کے متعلق اہل اسکاچستان نے کوئی صریح اختیار دیا تھا نہ اس کو منظور کیا تھا۔ مگر پارلیمنٹ کے اقتدار اعلیٰ کا جو برطانوی اصول ہے اس کی رو سے یہ قانون بالکلیہ اس کے اختیار کے اندر آجاتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دونوں قومیں اس تجویز کے موافق تھیں۔ اس قانون سے ایک نظیر قایم ہو گئی کہ پارلیمنٹ کے اختیارات میں توسیع نہیں ہو سکتی۔ اسکاچستان کو پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں (جو اب برطانوی پارلیمنٹ ہو گئی تھی) نیابت حاصل ہو گئی گو امور مذہبی اور عدالتوں کی قانونی معدلت گستری کے پورے اختیارات اس کے ہاتھ میں باقی رہے۔ ۱۷۱۱ء میں ملکہ نے ایک غیر معمولی اختیار خصوصی سے کام لیکر جو ابھی قابل اعتراض نہیں سمجھا جاتا تھا فوراً بارہ جدید امرا بنا دیے تاکہ دار الامرا میں ٹوری اکثریت ہو جائے۔ اور ایک مرتبہ اس نے حق امتناع بھی استعمال کیا جس کو تاریخ میں سب سے آخری کہنا چاہئے۔ دو مقدمات میں ایک ایشبی بنام وھائیٹ اور دوسرے اہل ایلسبری بنام عہدہ داران ارسال تختہ جات کہ انھوں نے اہل ایلسبری کی رایوں کو مسترد

کر دیا تھا۔ دارالعوام نے قانون کے ذریعے سے نہیں بلکہ خود اپنی ہی کارروائی کے ذریعے
اس بات کی کوشش کی تھی کہ پارلیمنٹ کے انتخابات میں رائے دینے کے حق کی اہلیت
کا تعین کرے لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ۱۷۱۱ء میں ایک قانون منظور ہوا۔
جس سے دارالعوام کے اراکین کی مالی اہلیت معین کی گئی۔ صوبوں کے نمایندوں کے لئے
چھ سو پونڈ سالانہ اور بلدیات کے نمایندوں کے لئے تین سو پونڈ سالانہ منفعت
کی اراضی قرار دی گئی۔ یہ قانون ایک صدی سے زیادہ زیر عمل رہا۔

ترقی کا خلاصہ۔ ان دو عہدوں میں اگرچہ عظیم الشان ترقی عمل میں آئی
کہ کابینہ کے طرف حکومت کی تحویل ہو گئی لیکن ابھی اس سے زیادہ کام باقی تھا۔
این کے انتقال کے وقت کابینہ معین عہدہ داروں کی ایک جماعت تھی جو متفقہ کام
کرتے تھے۔ ایک طرف وہ حکومت کے مسلک پر اور دوسری طرف پارلیمنٹ کی
کارروائی پر اثر ڈالتے تھے۔ عملاً وہ پریوی کونسل کے قائم مقام تھے کیونکہ وہ مملکت
کے تمام معمولی اور تقریباً تمام غیر معمولی امور میں مشورہ دیتے تھے اور حکمت عملی
مشخص کرتے تھے۔ اب اس کو کوئی اس نظر سے نہیں دیکھتا تھا کہ یہ ایک ناجائز
اور خفیہ کابال یا جماعت متحدہ ہے جو اختیارات پارلیمنٹ کے لئے خطرناک ہیں
اس کو قابو میں رکھنا چاہئے اور اگر ممکن ہو تو قانون کے ذریعے اس کو نابود کر دینا چاہئے
یہ بات اب تک ذہن میں نہیں آئی تھی کہ آیا وزراء پر ذمہ داری عائد کرنے کا سوائے
مواخذے کے کوئی اور طریقہ بھی ہو سکتا ہے۔ پھر وزارتی ذمہ داری کے علاوہ فریقانہ حکومت
کا تصور اور احساس بھی نہیں پیدا ہوا تھا۔ لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت کابینہ
کا وجود کم از کم دل ہی دل میں مان لیا گیا تھا کہ آلۂ حکومت کا یہ بھی ایک ضروری پرزہ ہے۔
فرمانروا اب تک کابینہ کی مجلسوں میں برابر حاضر ہوتا تھا اور اکثر مواقع پر کابینہ
کے فیصلے اس کے اثر سے متاثر ہوتے ہوں گے دوسری طرف کابینہ اور پارلیمنٹ
کے تعلقات کے سلسلے میں ابھی بہت کچھ سیکھنا باقی تھا۔ موجودہ طرز کا کوئی وزیر اعظم
نہیں تھا جس کو سب کابینہ کا صدر تسلیم کریں اور دوسرے اراکین کابینہ سب اس کے
ماتحت ہوں۔ اور وہ پارلیمنٹ اور قوم کے سامنے تنہا ذمہ دار ہو۔ یہ اب تک
سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ حکمت عملی کے مسائل میں کابینہ کو یک دل ہونا چاہئے۔ دیگر کابینوں

کی طرح مرکب کابینہ بھی جائز سمجھی جاتی تھی اور اکثر ہوتی تھی۔ اور اس وقت بھی جبکہ جملہ الراکین ایک ہی فریق سے متعلق ہوتے تھے سب کا متفق ہونا ضروری نہیں سمجھا جاتا تھا، جو تجویز ایک رکن پیش کرتا تھا اور جملہ وزارت کی طرف سے اس کی تائید ہوتی تھی۔ وہ حکومت کی ایسی تجویز نہیں سمجھی جاتی کہ اس کے کامیاب اور ناکام ہونے پر وزارت کی قسمت کا فیصلہ نہیں ہوتا نتیجہ یہ ہے کہ پارلیمنٹ کے سامنے کابینہ کی مجموعی ذمہ داری اب تک سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ جب دارالعوام میں اس کو شکست ہوجائے تو وزارت اور فریق وزارت کے ہاتھ سے حکومت جاتی رہتی ہے اور ایک جدید وزارت اور جدید فریق برسر اقتدار ہوتا ہے۔ ملک کو اس اصول تک پہنچنے کے لئے ایک اور پشت کے تجربے کی ضرورت تھی۔ گذشتہ تجربات سے نہیں بلکہ ابھی آئندہ تجربات سے۔ حکومت کابینہ اور وزارتی ذمہ داری کے سمجھنے کے لئے ایک راستہ نکل آیا چنانچہ حکومت کے اس جدید طریقے کے فوائد سے پورا پورا استفادہ کرنے کے لئے ایک اور پشت بلکہ اس سے بھی زیادہ درکار تھی۔



Bibliographj Cal Note:—G.B. Adams, *The Origin of The English Constitution*, 1920. Sir W.R. Anson, *The Law and custom of the Constitution* 1907—9; *The Cabinet in the Seventeenth and Eighteenth Centuries*, E.H.R *xxix*, 56, 325, 1914. M.T. Blauvelt, *The Development of Cabinet Government* 1902 E.I. Carlyle. *Clarendon and the Privy Council*, E.H.R. *XXVII*, 251. E. Jenks, *Partiamentary England*, 1903. H.B. Learned, *The Beginnings of the National Debt*, Owens Coll. Hist. Essays, 1907. H.W.V. Temperley. *Inner & Outer Cabinet and Privy Couneil*, E.H.R. XXVII, 682; *Powers of the Privy Council in the Seventeenth Century* E H.R. XXVIII, 127. E.R. Turner, *The Development of the Cabinet*, A.H.R. *XVIII*, 751, *XIX*, 27; Committees of Council and the Cabinet, A.H.R. *XIX*, 772.

باب ۱۶

کابینہ کا ارتقا

جس طریقے سے جیمز اول کی تخت نشینی عام دستور کی تاریخ میں ایک تشکیلی عہد کا آغاز کرتی ہے اسی طریقے سے جارج اول کی تخت نشینی حکومت کابینہ کی ترقی میں تشکیلی عہد کو شروع کرتی ہے۔ کابینہ اپنی شکل اور طریقۂ عمل دونوں حیثیتوں سے آمادۂ ترقی تھی۔ ضروری لوازم پہلے سے نیا دہو چکے تھے۔ اس کا آلۂ کار تقریباً صورت گیر ہو چکا تھا۔ اس زمانہ کے جدید حالات نے جو چند مواقع پیدا کر دیئے تھے وہ ہاتھ سے نہیں جا سکتے تھے کیونکہ ان کی حفاظت اور رہنمائی کے لئے کافی تجربہ حاصل ہو چکا تھا لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا از حد ضروری ہے کہ اب اور آئندہ طویل مدت تک جو کچھ ترقی ہوئی اس کے متعلق اس زمانے کے عمیق نظر مدبرین کے سامنے بھی جو اس ترقی کے علمبردار تھے کوئی خاص ارادہ نہیں تھا اور نہ ان کو اس کا کوئی اندازہ تھا کہ ہم کس نتیجے تک پہنچ رہے ہیں۔ یہ تخلیقی ترقی کا دور ہے جس کے انجام کا کوئی پتا نہیں تھا۔ یہ دور ۱۷۸۳ء پر ختم ہوتا ہے جبکہ جارج سوم نے فاکس و نارتھ کی وزارت برخاست کر دی اور دارالعوام کی کثرت مخالف کے علی الرغم چھوٹے ولیم پٹ کو وزیر اعظم بنا دیا۔ اگرچہ یہ سنہ جیسے ہم آگے چلکر دیکھیں گے نظام کابینہ کے کامل ادراک

کے لئے بہت ہی قبل از وقت ہے لیکن یہاں ایک ایسی صاف حد قائم ہو جاتی ہے جہاں تخلیقی ترقی ختم ہو جاتی ہے۔ اب اس نظام کی تکمیل اس بات پر موقوف تھی کہ اس وقت تک جو نتیجہ برآمد ہو چکا تھا اس کو مع اس کے تمام متعلقات کے سمجھ لیا جائے۔

جس ماحول نے اس عجیب و غریب عہد ترقی کو پیدا کیا اور اس کی ترقی کو پچاس سال تک بلا رکاوٹ لازمی قرار دیا وہ ایک غیر ملکی خاندان ہالوور کا تخت انگلستان پر آنا تھا۔ جارج اول صرف ایک جرمن نژاد ہی نہیں تھا۔ جس وقت یہ انگلستان کا بادشاہ ہوا ہے اس وقت اس کی عمر پچاس سے متجاوز تھی۔ اس کے عادات و اطوار، رضا و رغبت طبیعت میں راسخ ہو چکے تھے۔ اگر وہ دل سے اپنی جدید سلطنت کے انوکھے حالات کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کی کوشش بھی کرتا تو یہ کوشش اس کے لئے غیر معمولی دقت سے خالی نہیں تھی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس نے اس کوشش کی کبھی خواہش بھی نہیں کی۔ چند ذاتی خواہشوں کے قطع نظر اس کی زندگی کے بڑے اُمور یہ تھے کہ جرمنی کی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کے درمیان جن میں اس زمانے میں جرمنی منقسم تھی سازش کا جال پھیلائے۔ اس نے انگلستان کے تخت کو اس وجہ سے چاہا تھا کہ اس سے اس کا وقار بڑھ جائے گا۔ حقیقی طاقت اور روپیہ حاصل ہوگا اور حقیقت یہ ہے کہ یہاں وہ یہی سوچتا رہا کہ اپنی سلطنت جرمنی کے لئے کچھ اور علاقہ حاصل کرے یا شمالی جرمنی میں خوب فوجی طاقت پیدا کرے۔ انگلستان میں اختیارات خصوصی کو بچانے کے لئے یا دستوری ترقی کو روکنے کے لئے جو بادشاہ کی اختیار تحریک کا خاتمہ کر رہی تھی اس نے کوئی خیال ہی نہیں کیا۔ ایک اور چیز ہے جو بظاہر ایک امر اتفاقی معلوم ہوتی ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ اس کو اس نتیجے کا بہت بڑا عامل سمجھنا چاہئے۔ بادشاہ انگریزی سے ناواقف تھا اس کے عہد حکومت میں لے دے کے ایک وزیر ایسا تھا جو جرمن جانتا تھا اور بادشاہ کو اسی سے اپنا کام چلانا پڑتا تھا۔ والپول کے ساتھ بھی جو گفتگو ہوتی تھی تو لاطینی زبان میں ہوتی تھی جس کو دونوں فریق روانی کے ساتھ نہیں بول سکتے تھے۔ اِن مشکلات کے علاوہ کہ جارج انگریزی طریقوں اور راستوں سے نابلد تھا دستور کے مالہ و ماعلیہ کے سمجھنے میں بھی اس کو کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس پر طرہ یہ تھا کہ اپنے

وزرا سے آزادی کے ساتھ گفتگو بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس بنا پر اس نے مجبوراً حکومت کے نہ صرف روزمرہ کاروبار بلا مدافعت وزراء کے سپرد کر دیے بلکہ ایسے اُمور کی اوبیڑبن بھی جو براہ راست جرمن سیاسیات سے متعلق نہ ہوتی وزراء کے سپرد تھی۔ یہ ایک ایسی صورت تھی جو ایک کمزور بادشاہ کی وجہ سے بالعموم پیدا ہوتی ہے اور اس وقت بادشاہ کی یہ کمزوری اپنی فطرت کی وجہ سے نہیں بلکہ خاص حالات کی وجہ سے تھی۔

پہلا وزیر اعظم۔ اگرچہ جارج دوم کو بھی جو ۱۷۲۷ء میں تخت نشین ہوا ہانوور سے بہت کچھ وابستگی تھی لیکن وہ اپنے باپ کے مقابلے میں انگلستان سے زیادہ دلچسپی لیتا تھا اور انگریزی معاملات سے زیادہ واقف تھا۔ اس کے باپ کے عہد میں تدبیر مملکت کی تمام تر سیادت کابینہ کے ہاتھ میں اس قدر سرعت کے ساتھ تحویل ہوتی رہی کہ یہ معاملہ بہت آگے بڑھ گیا تھا۔ اس رو کو پیچھے موڑنے کے لئے ایک مستقل کوشش کی ضرورت تھی۔ اور موڑنے کی یہ ترکیب جارج کے سمجھ میں نہیں آئی۔ سر رابرٹ کا اقتدار اٹل ہو گیا تھا اور جارج کے تخت نشین ہونے کے اور بارہ سال کے بعد تک اس کا اقتدار جاری رہا اس کے علاوہ جارج دوم پر اس کی ملکہ کا خوب جادو چلتا تھا۔ اور وہ ایسی ترکیبیں کرتی تھی جس کا جارج کو کبھی شبہہ بھی نہیں ہوا۔ ملکہ والپول کی دل سے دوست تھی اور یہ خوب سمجھ گئی تھی کہ والپول کے اقتدار سے جو اس کو دارالعوام پر حاصل ہے انصرام اُمور کا سہل تر راستہ پیدا ہو گیا ہے اور یہی وہ جڑ ہے جس میں سے نظام کابینہ کی نشو و نما ہوئی۔ یہ بات بھی تعجب سے خالی نہیں ہے جب جارج دوم کو اس امر کا یقین ہو گیا کہ ایک دستوری اصول پیدا ہو گیا ہے تو اس میں یہ احساس ہو گیا تھا کہ میں دستور کے احترام کے لئے مجبور رہوں۔ اس لحاظ سے جارج دوم کا تیس سالہ طویل عہد بہ حیثیت مجموعی اس کے باپ کے عہد سے مختلف نہیں ہے کیونکہ حکومت کابینہ دونوں اعتبار سے یعنے اپنے طریقۂ عمل اور اپنے نظام کے اور اک میں بلا رکاوٹ ترقی کرتی رہی اور اس کی رفتار ترقی میں بھی کوئی فرق نہیں آیا۔

اگر یہ دو بادشاہوں کے خاص اخلاق و عادات کی وجہ سے تخلیق کابینہ کے عین موافق تھا تو ان بادشاہوں نے بھی اس کے لئے خوشگوار موقع بہم پہنچائے۔

تحریک و رہنمائی تو سر رابرٹ والپول سے ہوئی تھی جو اس زمانے کا بہت بڑا وزیر تھا۔ ان بڑے انگریز وزرار کی طویل فہرست میں جنھوں نے اپنے میدان عمل میں دوہرے فرائض انجام دیئے ہیں، ایک رہنمائی یا دارالعوام کا انتظام' دوسرے مرکزی عاملہ کی قیادت اور رہنمائی' والپول کو اولیت حاصل ہے۔ اس نے اپنے لئے جو حیثیت پیدا کی تھی وہ اس کے جانشینوں کے لئے مثال بن گئی۔ یہ ایسا روشن دماغ آدمی نہیں تھا جیسے اس کے حریف بولنبروک اور کارٹریٹ ہو سکتے تھے۔ اس کے جانشینوں میں چند آدمی ایسے تھے جو روشن دماغ کہے جا سکتے ہیں۔ والپول کے اوصاف بہت کچھ ٹھوس تھے۔ اس کی سمجھ روشن اور پختہ تھی۔ اس کی تقریروں کا یہ اثر تھا کہ رائیں اس کے موافق ہو جاتی تھیں اور یہ فصاحت کی وجہ سے نہیں بلکہ وضاحت اور معقول استدلال کی وجہ سے ہوتی تھیں۔ اس زمانے میں جبکہ علم سیاسیات اور معاشیات کی صرف داغ بیل پڑ رہی تھی اور پچھلے تجربات پر بالعموم غائر نظر نہیں ڈالی جاتی تھی والپول کو خاص امتیاز ہے کہ اس نے مختلف مسائل کا جو اس مدبر کے سامنے آئے ایسا ضروری حل نکال لیا جیسے بعد کے زمانے میں کیا گیا۔ لیکن اس کے پاس حکومت کا کوئی شارع نظریہ نہیں تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ وہ کسی مسئلے کو اس طرح نہیں دیکھتا تھا کہ اس کو ملانے والی بہت سی کڑیاں ہیں اور یہ سب ملکر ایک حکمیاتی مجموعہ بن جاتی ہیں۔ بلکہ ہر مسئلے کو ایک فوری گتھی سمجھکر اس کو سلجھا لیتا تھا۔ وہ اپنے مسائل میں ایسا ہاتھ نہیں ڈالتا تھا جیسے ایک فلسفی ڈالتا ہے بلکہ اس طرح جیسے ایک عملی آدمی کرتا ہے۔ لیکن اس کے تمام محلولات حکمیاتی مجموعے میں چست بیٹھ جاتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ والپول اقتدار کا حریص تھا مگر یہ اپنے ذاتی منفعت کے لئے نہیں بلکہ وہ اس طرح خدمت کرنے کے مواقع حاصل کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ اس بات کا معتقد تھا کہ میں بھی بہترین خدمت انجام دے سکتا ہوں۔ ایک اقتدار کو قائم رکھنے کا عزم اور دوسرے اس وقت کا صحیح اندازہ لگانا کہ اب میرا اقتدار ختم ہو جائے گا' یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جو کابینہ کے ارتقا پر مستقل اثر ڈالتی ہیں۔

والپول پہلا وزیراعظم کہلاتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے۔ اس حیثیت کو قائم کرکے اس نے اس ترقی میں ایک بڑا اضافہ کیا تھا جو اس وقت جاری تھی لیکن

ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس ترقی کی غیر شعوری کیفیت تھی اور اس کے علاوہ تقریباً دو سو سال تک یہ عہدہ کبھی باضابطہ طور پر تسلیم ہی نہیں کیا گیا۔ یہ صحیح ہے کہ اس زمانے کے لوگ یہ محسوس کرتے تھے کہ اس قسم کی کوئی چیز وقوع پذیر ہو رہی ہے لیکن وہ اس پر غور کرنے کے قابل نہیں تھے اور اوائل میں کابینہ کا جو رنگ تھا اس سے یہ لوگ اس کو شبہہ اور نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ صدر وزیر یا وزیر اعظم کی اصطلاح کے ساتھ وہ حقارت شامل تھی جو جماعت متحدہ یا کابال کے ساتھ تھی۔ والپول کو خود اس بات کا سخت انکار تھا کہ یہ اصطلاح اس پر منطبق ہوتی ہے اور اس کی یہ حیثیت ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اس ارتقائی منزل پر جہاں اس وقت کابینہ پہنچ گئی تھی۔ ایک وزیر اعظم کا وجود ضروری تھا جو اس کی حکمت عملی پر تسلط رکھے، تعاون عمل قائم کرے اور ایک مشترک ذمہ داری پیدا کرے اور اس وقت والپول کے سوا کوئی اور عظیم الشان شخصیت ایسی نہیں تھی جو ضروری قیادت انجام دے سکتی۔ وزیر اعظم کا کوئی عہدہ نہیں قائم کیا گیا لیکن چند دنوں پہلے سے یہ بات سمجھ میں آگئی تھی کہ کابینہ کا ایک رکن ایسا ہوتا ہے جو دوسرے اراکین کے متعلق فیصلہ کرتا ہے وہ کون لوگ ہوں گے اور کونسے عہدے اس سے متعلق ہوں گے اور اس کو اس بات کا حق ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو اپنے تابع رکھے یا ان کو مستعفی کرائے۔ یہ سب کچھ جو والپول نے قائم کیا تھا حالات کے زور سے پیدا ہوا تھا اور والپول کی حیثیت ایک رہنما سے زیادہ قائم نہیں تھی۔ لیکن یہ ایسی رہنمائی تھی کہ صورت حال کی منطق سے علانیہ مترشح ہوتی تھی اور جب ایک دفعہ وجود میں آگئی تو ہمیشہ کے لئے لازمی ہوگئی اور کابینہ کی مستقل خصوصیت ٹھیر گئی۔

عوام کے اختیارات میں ترقی۔ یہ ظاہر ہے کہ اس وقت ہم جس بات کو واضح کرنا چاہتے ہیں وہ کابینہ کا ارتقا ہے جو اٹھارھویں صدی کے نصف اول میں عمل میں آیا لیکن اسی کے ساتھ ایک اور تبدیلی بھی لازمی طور پر پیدا ہوگئی جس کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ یہ رفتار ترقی کم از کم ۱۷۱۵ئہ سے دور خی ہوگئی تھی اس میں صرف یہی چیز شامل نہ تھی کہ تدبیر مملکت کی فوری تشکیل اور اس کے نفاذ کا اعلیٰ اختیار کابینہ کے ہاتھ میں آجائے بلکہ یہ بھی تھا کہ مملکت کی آخری قوت فیصلہ دار العوام کے

ہاتھ میں منتقل ہو جائے۔ جس وقت کابینہ اس قابل ہوگئی کہ وہ بادشاہ سے بے نیاز ہو کر تدبیر مملکت کا تعین کر سکتی تھی تو اس کے ساتھ اس کو یہ بھی محسوس ہوا کہ اس کی تدبیر کے لئے دار العوام کی منظوری ضروری ہے ورنہ اس کو عمل میں لانا ممکن نہیں۔ دوسرے الفاظ میں کابینہ کو موجودہ دستور میں جو حیثیت حاصل ہوئی ہے وہ ایسی نہیں کہ وہ ایک خود مختار ادارہ ہے بلکہ اس طرح کہ وہ پارلیمنٹ فوقیت کا آلہ کار ہے۔ اپنے عمل ترقی اور نتیجہ کے اعتبار سے ان دونوں تغیرات کے باہم ڈانڈے ملے ہوئے تھے۔ ایک تبدیلی دوسرے پر منحصر تھی۔ ان میں سے ہر ایک اپنے خاص نقطے سے اس وقت تک آگے نہیں بڑھ سکی جب تک دوسری تبدیلی اس کے ساتھ قدم بہ قدم نہیں چلی۔ جب یہ دورخی مواد اپنے منتہائے کمال کو پہنچ گیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت ۱۶۶۰ئہ کی مفاہمت مملکت کے دستور متداولہ میں شامل ہوگئی۔ پارلیمنٹ کے اقتدار اعلیٰ کو ایسے آلات مل گئے تھے جن کے توسط سے وہ حکومت مملکت میں اپنے کو حقیقی طور پر منوا سکتا تھا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف دار الامراء کے عملی اختیارات اور دوسری طرف بادشاہ کے اختیارات خصوصی زائل ہو گئے کیونکہ پارلیمنٹ کا اقتدار اعلیٰ عین قوم کے اقتدار اعلیٰ پر مبنی تھا۔ بظاہر بادشاہ اور دار الامراء میں سے کوئی چیز کم نہیں ہوئی اور یہ صورت ایک مفاہمت کی تھی کہ ان کے اختیارات میں بظاہر کمی نہ ہو۔ لیکن حقیقت میں ہر معاملے کے متعلق فیصلے کا حقیقی اختیار دار العوام کے ہاتھ میں آگیا۔ اس دور میں یہ حقیقت ایک سے زیادہ طریقوں سے ظاہر ہوئی لیکن یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ والپول اندر ہی اندر اس حقیقت سے واقف تھا اور اس خصوص میں یہ پہلا انگریز وزیر ہے جو بلند مرتبے پر پہنچا۔ اور اسی لئے اس نے اپنے زوال اقتدار تک ایوان بالائی کے لئے لوگوں کو امرا بنانے سے انکار کر دیا۔

جب عاملانہ اختیار کابینہ کے ہاتھ میں اور اعلیٰ اختیار دار العوام کے ہاتھ میں آگئے تو اس کے ساتھ موجودہ عمومیتوں کی ایک اور خصوصیت پیدا ہوگئی اور ملکی معاملات میں اپنا خاطر خواہ زور دکھانے لگی۔ یہ وہ چیز ہے جس کو ہم فریقانہ حکومت کہتے ہیں یعنی جدید عاملہ و جدید اقتدار اعلیٰ اور منظم سیاسی فریق کے مابین

ایک قوی رابطہ پیدا ہوگیا۔ جب تدبیر مملکت کی قرار داد ان لوگوں کے ہاتھ میں آگئی جو سیاسی علمبردار تھے اور بطور اکائی کے متفقہ کام کرتے تھے اور قوم ان کی پیروی کرتی تھی تو اس سے لازماً دو چیزیں پیدا ہوگئیں۔ ایک یہ کہ ان لوگوں نے حکومت سے متعلق چند مشترک اساسی اصول مقرر کر لئے اور اس کے پابند ہوگئے اور اس طریقے سے ان کو حکمت عملی کے ایک خاص مرکز پر جمع ہونا آسان ہوگیا، دوسرے یہ کہ اس پابندی سے دارالعوام کی یا غالباً قوم کی ایک کثرت اسی طرف مائل ہوسکی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ میں اکثر ایسا ہی ہوا ہے کہ جذبے کی ہوا مخالف سمت سے چلی ہے اور قوم یا کثرت دارالعوام کی صریح رائے کابینہ پر غالب آگئی لیکن یہاں بھی اصول وہی ہے۔ ایسے رہنمایان سیاست جن کے خیالات پہلے سے معین ہوتے ہیں اور جو کابینہ بنانے اور اپنے مسلک حکومت کو عمل میں لانے کے اہل ہوتے ہیں ہر وقت مل جاتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں جو فریق جداگانہ اصول کا پابند ہوا اور ایک جداگانہ مسلک حکومت کا قائل ہوا اس کو کثرت حاصل کرنے کے لئے انتظار کرنا پڑتا ہے۔ تاکہ اس کثرت کے زور سے عاملہ پر قابو حاصل کر سکے۔ یہی فریقانہ حکومت ہے یا کم ازکم اس وقت تک ہم اس کے اس مفہوم سے واقف رہے ہیں یہ ہماری تاریخ انگلستان کا وہ دور ہے جس میں اس فریقانہ حکومت کا مسلسل عملدرآمد شروع ہوا اور اس سے حکومت خوب زوردار ہوگئی۔

اس صورت حال کے تین عناصر کو یہاں جس ترتیب سے دکھایا گیا ہے یعنے کابینہ، عاملہ، دارالعوام بہ حیثیت اقتدار مختتم اور فریقانہ تحکم اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ یہی تاریخی ترتیب ہے۔ ان میں سے کوئی بھی پہلے اور کوئی بھی پیچھے نہیں پیدا ہوا۔ تینوں ایک ساتھ پیدا ہوئے اور تینوں نے ایک ساتھ ترقی کی کیونکہ یہ ایک ہی صورت حال کے لازم و ملزوم عناصر تھے۔ جیسے بعد کو تشریح کی جائیگی یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ ایسا زمانہ نہیں تھا جس میں عمومیت کی تخلیق ہو سکے تاہم اس زمانے میں ایسے آلات ضرور پیدا کئے گئے جن کو عمومیت اب تک استعمال کرتی رہی ہے۔ اور یہ اب تک موجود ہیں۔

وھگوں کا تسلط۔ ملکۂ این کے انتقال کے وقت ٹوری فریق برسرِ حکومت

تھا۔ لیکن ملکہ کی اچانک موت کی وجہ سے اور بعض دیگر رہنماؤں نے جو زور جنبش کی تو خاندان اسٹوائرٹ کی بحالی کے راستے مسدود ہو گئے۔ جب ٹوری فریق کا یہ میلان معلوم تھا کہ وہ بحالی چاہتے ہیں تو ایسی صورت میں بادشاہ اپنے انصرام معاملات میں ان پر کوئی بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔ وھگ برسر اقتدار ہو گئے اور ان لوگوں نے پچاس سال تک عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں رکھی۔ لیکن ٹوری صرف اقتدار حکومت سے ہی خارج نہیں ہوئے بلکہ عوام کی نظروں سے بھی گر گئے اور کئی سال تک اس فریق کا یہ حال تھا کہ ان کا کوئی منظم وجود نہیں تھا۔ چنانچہ یہ لوگ کئی سال کے بعد بھی وھگ کابینہ کے خلاف دارالعوام میں مخالف گروہ بندی کر سکے اور یہ گروہ بندی بھی بڑی حد تک بیزار وھگوں کی طرف سے عمل میں آئی تھی۔ جب اس فریق نے اپنے کو سنبھالا اور ایک بین ٹوری فریق بن گیا تو یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ ۱۷۱۴ء کے نقطۂ خیال سے بہت کچھ آگے بڑھ گئے ہیں۔ اب یہ ۱۶۸۸ء کے نتائج پر اعتراض کرتے تھے نہ ان نتائج کو ملیا میٹ کرنے کی کوشش کرتے تھے بلکہ یہ لوگ اٹھارھویں صدی میں بادشاہ اور بادشاہ کے باقی ماندہ اختیارات کے خاص حامی بن گئے۔ چنانچہ یہی چیز انیسویں صدی میں جا کر پارلیمنٹی ترقی کے راستے میں حائل ہو گئی۔

اس طویل دور میں جب کہ وھگوں کی حکومت تھی وزراء کا بہت کچھ رد و بدل ہوا لیکن ہمارے اغراض کے لئے صرف چند وزراء ایسے ہیں جو خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔ جارج اول کی پہلی کابینہ میں لارڈ ٹونشنڈ سب سے بڑا وزیر تھا اور والپول اس وقت ایک چھوٹی خدمت پر مامور تھا۔ لیکن اس نے بہت جلد اپنے اوصاف ظاہر کئے اور ابھی ایک سال سے زیادہ نہیں ہوا تھا کہ کابینہ کا ایک قوی رکن سمجھا جانے لگا اور وزیر خزانہ بنا یا گیا۔ ۱۷۱۷ء میں وھگ فریق میں پھوٹ پڑ گئی اور ٹونشنڈ اور والپول کابینہ سے دست کش ہو گئے۔ والپول ۱۷۲۰ء میں پھر خدمت پر آ گیا لیکن اس کی بڑی وزارت ۱۷۲۱ء سے شروع ہوتی ہے جو اکیس سال تک قائم رہی اور یہ وہ دور ہے جس میں نظام کابینہ نے بہت سرعت کے ساتھ ترقی کر لی۔

جارج اول کو تخت نشین ہوئے بہت دن نہیں گذرے تھے کہ کابینہ کے طریقۂ کارروائی میں ایک تغیر ایسا ہو گیا جو ترقی کے اس زینے پر کابینہ کے لئے ایک اچھا

محرک ثابت ہوا اب تک بادشاہ کابینہ میں مستقل رکن کی حیثیت سے شریک ہوتا تھا۔ مباحثوں میں حصہ لیتا تھا اور انفصال امور میں رائے دیتا تھا۔ جب تک یہ صورت جاری رہی تدبیر مملکت کی کامل ذمہ داری کابینہ کے ہاتھ میں منتقل نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ بادشاہ کی رائے قطعی ہوتی تھی اور قطعی سمجھی جاتی تھی جارج اول کے تخت نشین ہوتے ہی یہ عملدرآمد بند ہو گیا اور اس کا سبب کوئی خاص نظریہ تھا نہ یہ بات محسوس ہوئی تھی کہ یہ ایک پسندیدہ صورت ہے بلکہ اس کا سبب صرف یہ تھا کہ کابینہ کے مباحثوں سے بادشاہ کو دلچسپی نہ تھی اور وہ انگریزی نہ جاننے کی وجہ سے ان مباحثوں سے بیزار ہو گیا۔ اگرچہ یہ بظاہر ایک اتفاقی امر تھا لیکن اس سے ایسی تبدیلی ہو گئی جو کابینہ کی خود مختاری اور حکومت کی پوری گرفت کے لئے ضروری تھی اور یہ چیز ایسی ہے کہ اگر اس کو بادشاہ کے علم اور واقفیت کے ساتھ ارادۃً عمل میں لانے کی کوشش کی جاتی تو یہ بعید دشوار گزار کام ہوتا۔

سچ تو یہ ہے کہ یہی الفاظ بلاکم وکاست تاریخ کابینہ کے جملہ مدارج پر صادق آتے ہیں کابینہ کی ترقی میں کسی چیز کا ارادہ کیا گیا نہ دانستہ کوشش کی گئی تھی۔ والپول نے نظام کابینہ کی تعمیر میں جو پہلا اضافہ کیا ہے یعنی وزیر اعظم کے حیثیت کی تخلیق کی ہے اس کی بھی یہی حالت ہے۔ اس سلسلے میں جو کچھ اس نے کیا وہ اس وقت سے شروع ہو گیا کہ ابھی اس کی طویل وزارت نہیں بنی تھی اور وہ وزیر اعظم نہیں ہوا تھا۔ یہ صرف اپنی شخصیت کے زور سے رہنما بنا تھا۔ اس میں نہ تو خود اس کا اختیار شامل تھا نہ اس کے ہمکار وزراء کا۔ وزارت عظمیٰ اپنی تاریخ کے ابتدائی مدارج میں بس اس سے زیادہ نہ تھی گو یہاں سے اس کی تاریخ بہت جلد جلد آگے بڑھی۔ اس کی حقیقت اس حیثیت سے زیادہ نہیں تھی جو ان حالات میں رہنمائے وقت کے اعلیٰ اوصاف کے زور سے خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ایک طرف کابینہ کے غور و خوض میں شریک تھے تو دوسری طرف دارالعوام کے اہتمام میں دخیل۔ اولین مدارج میں اس کو کسی عہدہ سے تعلق نہ تھا۔ لیکن جب ایک دفعہ یہ حیثیت پیدا ہو گئی تو یہ خود بخود محسوس ہونے لگا کہ اس کا وجود بہت ضروری ہے تو ان لوگوں نے جن میں یہ اوصاف نمایاں نہیں تھے یا ناقص تھے اس کو بلا تکلف قائم رکھا حالانکہ ایک عرصے تک اس کی ضرورت صاف طور پر

تسلیم نہیں کی گئی۔

وزارت کی یکجہتی۔ اب ہمیں جو دوسرا زینہ ترقی دیکھنا ہے وہ بہت کچھ غور و خوض کے ساتھ طے کیا گیا تھا لیکن یہ اس وقت تک نظر نہیں آیا جب تک کابینہ نے تدبیر مملکت کو اپنے ہاتھ میں نہ کر لیا اور وزارت عظمیٰ وجود میں نہیں آئی۔ جب وزارت وجود میں آگئی تو اس وقت یہ بات محسوس ہوئی کہ جو تدبیر مملکت سے طے ہو جائے وزارت کا وحدت وجود کی حیثیت میں اس کی تائید کرنا ضروری ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وزارت کو مجموعی حیثیت میں اپنے صدر کے سامنے ذمہ دار ہونا چاہئے۔ والپول کا سب سے مشہور مسئلہ اس کا مسودۂ جنگی تھا۔ یہ ایک تحریک تھی جو اصلاح محصول کے لئے ۱۷۳۳ء میں پیش کی گئی تھی۔ اس سے والپول کی وہ قابلیت آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے جو اس نے اس پیچیدہ مسئلے میں ظاہر کی تھی اور یہ اس زمانے کے تمام مفکرین سے بہت بڑھ چڑھ کر تھی اس تجویز کے محاسن سے ہمیں یہاں بحث نہیں۔ ہم کو صرف اس واقعے سے بحث ہے کہ اہل ملک نے اس کی شدومد سے مخالفت کی اور اس مخالفت میں وزارت کے ارکین اور ایوان بالائی کے اعلیٰ عہدہ داروں نے خاطر خواہ حصہ لیا۔ اس بات کو والپول ماننے والا نہیں تھا۔ اس نے فوراً ایسے کئی آدمیوں کو جن کے متعلق وہ سمجھتا تھا کہ انھیں تائید کرنی چاہئے تھی لیکن نہیں کی، خدمت سے علیحدہ کر دیا۔ پھر اسی سال چند دنوں کے بعد یہی چیز اس وقت عمل میں آئی جب کہ دارالامراء میں حکومت کو شکست ہوگئی۔ لیکن والپول نے اس بات کی ضرورت نہیں سمجھی کہ اس شکست کی بنا پر وہ استعفا کے لئے مجبور ہے۔ لیکن اس امر کو تو اس نے ضرور واضح کر دیا کہ وزارت کو لازماً متحد العمل ہونا چاہئے اور جو رکن کثرت کے فیصلے کو ماننے کے لئے تیار نہ ہو اس کو مستعفی ہو جانا چاہئے۔ والپول پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اس کے تمام افعال کینہ توز ہوتے تھے اب بھی اس کو کوئی شخص بالکل بے گناہ نہیں سمجھتا بلکہ تامل کرتا ہے۔ لیکن جس اصول پر اس نے کام کیا تھا وہ صحیح تھا اور یہ اصول کابینہ کے کارروائیوں کا معین قاعدہ بن گیا گو یہ فوری نہیں ہوا۔

والپول نے اپنے مسودۂ جنگی سے ہاتھ اٹھا لیا اور پارلیمنٹ میں بزور لانے کی کوشش نہیں کی حالانکہ دارالعوام میں اس کی اکثریت تھی۔ فریقانہ حکومت کے آغاز

کے بعد سے یہ پہلا واقعہ تھا کہ پارلیمنٹ کی اکثریت نے محض اس دباؤ کی وجہ سے جو باہر سے پڑ رہا تھا اس مسئلے سے دست برداری دیدی۔ بیرونی رائے کے اظہار کے لئے ابھی تک باضابطہ ذرائع نہیں پیدا ہوئے تھے اور اس وقت جو طریقے اختیار کئے گئے تھے وہ شورانگیز اور بھدے تھے لیکن ساتھ ہی پرزور تھے۔ رائے عامہ کے ذریعے سے پارلیمنٹ پر دباؤ ڈالنے کا طریقہ یا اصول سوائے اس کے نہیں معلوم ہوتا کہ عام انتخاب کیا جانے اس وقت بھی یہی رائج ہو گیا لیکن اس کو اس نوعیت کے دوسرے امور کے ساتھ جو اس زمانے سے اکثر ظہور پذیر ہونے لگے تھے اور دیگر صورتوں کے ساتھ جو رائے عامہ کے دباؤ سے پادشاہ، پارلیمنٹ اور کابینہ پر لازم ہو رہے تھے ایک امر اتفاقی سمجھنا چاہئے۔ ورنہ کسی اور وجہ سے توان کا وجود ہی نہیں ہوتا جنگ ہفت سالہ کے دوران میں پٹ کی جو عظیم الشان وزارت مرتب ہوئی تھی وہ نہ تو بادشاہ کی آفریدہ تھی نہ پارلیمنٹ کی بلکہ رائے عامہ کی آفریدہ تھی اور جارج دوم نے امیرالبحر جنگ کے قتل کے متعلق پٹ کو جو جواب دیا تھا اس میں کچھ حقیقت ضرور تھی "تم نے مجھے یہ سکھا دیا ہے کہ میں اپنی رعایا کا احساس معلوم کرنے کے لئے دارالعوام سے باہر کسی اور جگہ نظر ڈالوں"۔ علی ہذا ڈاکٹر جانسن کے الفاظ میں بھی بہت کچھ صداقت تھی کہ "والپول وہ وزیر ہے جو بادشاہ نے قوم کو دیا برخلاف اس کے پٹ وہ وزیر ہے جس کو قوم نے بادشاہ کو دیا ہے"۔ ممکن ہے کہ یہ اتفاقی امور جو اقتدار رائے عامہ کی مبادیات میں اٹھارھویں صدی کے واقعات سے زیادہ معنی خیز سمجھے جائیں کیونکہ یہ آئندہ آنے والے مواد کی علامتیں تھیں۔

والپول کا زوال۔ ۱۷۴۲ء میں والپول کا جو زوال ہوا تو اس سے حکومت کابینہ کا ایسا اصول قائم ہو گیا جو رائے عام کے اقتدار کے مقابلہ میں کم از کم پچھلے زمانہ کے لئے زیادہ معنی خیز اور اہم تھا۔ جس وقت ۱۷۳۹ء میں اسپین سے لڑنے کے لئے مخالف فریق بہت شدید اور پرزور ہو گیا اور باہر کے عام مطالبے سے اس کی تائید ہوتی رہی تھی تو والپول بادشاہ کا استعفانا منظور کرنے پر جو دو دفعہ پیش کیا گیا تھا ساکت ہو گیا اور اپنے معقول فیصلے کے خلاف جنگ میں شریک ہو گیا۔ اگرچہ دارالعوام میں ابھی اس کی اکثریت تھی اور ابھی بادشاہ اس کی تائید کرتا تھا لیکن

اس کو مجبوراً ایسا مسلک اختیار کرنا پڑا جس کو وہ پسند نہیں کرتا تھا اور جس کے لئے زمانہ حال کا ایک وزیر اعظم اپنی سبکدوشی پر مجبور ہوتا۔ تین سال اور وہ برسر خدمت رہا۔ ۱۷۴۱ء کے انتخاب کے بعد پھر ایک چھوٹی مگر غیر مستقل اکثریت اس کی تائید پر آگئی۔ لیکن ۱۷۴۲ء میں ۲۸ جنوری کو ایک کی اکثریت سے اور ۲ فروری کو ۱۶ کی اکثریت سے اس نے شکست کھائی۔ چنانچہ اس نے استعفا دیدیا اور ارل اکسفورڈ بن کر یہ اسی دارالامراء میں آگیا جس کے متعلق وہ جانتا تھا کہ یہ دارالعوام کے مقابلے میں بہت کم اہمیت رکھتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر اس زمانے میں کوئی وزیر دارالعوام کے بغیر حکومت کے کاروبار چلا سکتا تھا تو والپول ہی چلا سکتا لیکن اس نے اپنی کامیابیوں اور ناکامیوں سے یہ ظاہر کر دیا تھا کہ دارالعوام کے بغیر کام کرنا ناممکن ہے۔ دارالعوام کو بھی یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ ایوان کو وزارت پر پورے اختیارات گرفت حاصل ہیں اور اس کو عمل میں لانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جب تک بے راہرو وزیر مستعفی نہ ہو جائے کوئی کام نہ ہونے دیں۔ یہ اقتدار کا ایک بالواسطہ طریقۂ کار تھا جو قرون وسطی کے لئے بالکل بعید از قیاس تھا اور یہ اس وقت تک قابل عمل ثابت نہیں ہوا جب تک تمام قومی امور کی بالکلیہ نگہداشت ایوان کے ہاتھ میں نہیں آگئی۔ لیکن ایوان کو اس کا مطلق احساس نہ تھا کہ وزارتی ذمہ داری کو عمل میں لانے کا یہی بہترین طریقہ ہے۔ کیونکہ جب والپول کو شکست ہو چکی تھی تو اس کے بعد پھر اس کے مواخذے کی کوشش کی گئی۔

بادشاہ کے اختیارات کا ہاتھ سے چلا جانا۔ اگرچہ یہ سب والپول کی خدمت کے بہت ہی نمایاں اتفاقات ہیں جو حکومت کے نظام کابینہ کی ترقی کے باعث ہوئے ہیں لیکن یہ اتفاقات اس زمانے کی جملہ ترقیوں کو حصر نہیں کرتے جو ہو چکی تھیں یا ان کی تیاری ہو رہی تھی۔ کیونکہ ایک چیز اور ہے یعنی وزراء کا تقرر اور ان کو اپنی خدمت پر قائم رکھنا۔ یہ اختیار بادشاہ کے ہاتھ سے نکل جا رہا تھا۔ بادشاہ والپول کو ہمیشہ خدمت پر قائم نہیں رکھ سکا حالانکہ وہ خوشی سے رکھنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے حسب خواہش جدید کابینہ کی رکنیت کا تعین نہیں کر سکا۔ ۱۷۴۴ء میں اس کو اپنی مرضی کے خلاف کارٹریٹ کی برطرفی کی اجازت دینی پڑی۔ اپنی ذاتی نفرت

کی وجہ سے چند روز تک تو اس نے ولیم پٹ کو خدمت سے علٰحدہ رکھا لیکن ۱۷۴۶ء میں گو چھوٹی خدمت پر سہی، اس کو پھر ایک جگہ دینے پر مجبور ہو گیا۔

۱۷۴۶ء کا واقعہ بہت دلچسپ ہے جس سے نہ صرف بادشاہ کی حقیقی کمزوری کا ثبوت ملتا ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح کابینہ کی زندگی دارالعوام کی تائید پر منحصر تھی۔ جارج موجود الوقت وزارت کو بالکل پسند نہیں کرتا تھا اور جس وقت اس کے سامنے یہ تحریک پیش کی گئی کہ وزارت کی از سر نو ترتیب کرے اور اس پر پٹ کا تقرر کرے تو اس نے انکار کر دیا۔ اس پر وزارت نے استعفا دے دیا اور بادشاہ نے لارڈ باتھ اور لارڈ گرینویل (کارٹریٹ) سے کہا کہ جدید وزارت مرتب کریں۔ وزارت کی ترتیب کے لئے ان لوگوں نے خاطر خواہ کوشش کی لیکن ان کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ وہ لوگ جو دارالعوام میں کسی جماعت کے پیرو ہیں وہ ان کے تحت کوئی خدمت قبول نہیں کریں گے۔ اور جو لوگ خدمت قبول کریں گے ان کو دارالعوام قبول نہیں کرے گا۔ ان لوگوں نے مجبور ہو کر اپنی کوشش چھوڑ دی اور بادشاہ کو مجبوراً پچھلی وزارت کو واپس لانا پڑا۔ صرف وہ اس حد تک کامیاب ہوا کہ پٹ کو کابینہ میں نہ آنے دے۔ ترتیب کابینہ کے سلسلے میں یہ پہلی ناکامی تھی۔ کیونکہ پارلیمنٹ کی تائید حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔

۱۷۵۷ء میں جارج دوم نے پٹ کی وزارت کے خلاف پھر اسی قسم کی کوشش کی۔ اگرچہ وہ اس وقت پٹ کو خدمت سے علٰحدہ کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن اس کو کوئی شخص ایسا نہیں ملا جو اس کی جگہ لے سکے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے ایک نیا تجربہ کرنا پڑا یعنے پٹ اور نیوکاسل کو جن کی دارالعوام میں بڑی طاقت تھی۔ باہم ملا دیا گیا۔ اس وقت کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ تقرر اور برطرفی کا اختیار بادشاہ کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ اب تک یہ اختیارات برائے نام بادشاہ کے ہاتھ میں تھے اور یہی اس کے بڑے اختیارات تھے جس کو وہ مناسب حال موقعوں پر استعمال کرتا تھا اور آئندہ بہت زمانے تک کرتا رہا۔ چنانچہ ارل گرینویل کے متعلق ہمیں یہ معلوم ہے کہ اس نے ۱۷۶۱ء میں کابینے کی ایک بحث میں پٹ کی مخالفت کرتے ہوئے کہا تھا "اسے یہ یاد نہیں کہ وہ اس مجلس میں صرف بادشاہ کے سامنے ذمہ دار ہے" صاف دلی سے اس نے یہ الفاظ کہے تھے

اور اس وقت بھی یہی خیال تھا۔ زمانۂ حال کا ایک وزیر بھی ذمہ داری کی حقیقت سے قطع نظر صرف ظاہری شکل کو دیکھتے ہوئے یہی کہہ سکتا ہے اور اس کے الفاظ صداقت پر مبنی ہوں گے لیکن وہ محسوس کرے گا کہ ارل گرینویل کے مقابلے میں اصل واقعات سے میں بہت دور نکل گیا ہوں۔

اگرچہ یہ نمایاں واقعات نہیں تھے بلکہ نادانستہ نظائر سے یہ عملدرآمد ہمیشہ کے لئے مقرر ہو رہا تھا کہ بادشاہ کو بغیر ذمہ دار وزراء کے صلاح اور مشورے کے کام نہیں کرنا چاہیے اور اپنی حکمت عملی کابینہ سے اخذ کرنی چاہیئے۔ یعنی دوسرے الفاظ میں جو مشورہ اس کو دیا جائے اس کی پابندی بادشاہ پر لازم ہے اور یہ وزراء کی پارلیمنٹی ذمہ داری کا تقریباً لازمی نتیجہ تھا۔ ظاہر ہے کہ وزراء ایسی حکمت عملی کے ذمہ دار ہونے سے اجتناب کریں گے جو خود ان کی نہ ہوگی اور اگر بادشاہ اپنی حکمت عملی کابینہ پر عائد کرنے میں کامیاب ہو جائے تو ایک وزیر یا جملہ وزراء اس کے ذمہ دار ہو جائیں گے اور یہ کابینہ کی حکمت عملی ہونے کی وجہ سے بالواسطہ قوم کی حکمت عملی ہوگی اور پارلیمنٹ اس کی تائید کرے گی اس لئے یہ ضرور عمل میں آئے گی۔

دو اور اُمور پر جو عام رفتار واقعات سے متعلق ہیں غور کرنا ضروری ہے۔ ایک تو مسلمہ اور باضابطہ پارلیمنٹی "مخالفت" کی تشکیل ہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ وہاں ایک منظم جتھا ہے جس کا ہمیشہ کام یہ ہو کہ وہ برسر خدمت وزارت کی مخالفت کرتا ہے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ ہر فریقانہ حکومت میں دو چیزیں لازمی ہیں۔ ایک وہ منظم فریق جو برسر حکومت ہوتا ہے اور دوسرے اس کی مخالفت فریق مخالف وہ فریق ہے جو خدمت سے خارج ہو کر کام کرتا ہے۔ اس کے پاس بھی تدبیر مملکت کا ویسا ہی باضابطہ پیش نامہ ہوتا ہے جس طرح برسر حکومت فریق کے ہاں ہوتا ہے۔ چنانچہ اس پیش نامہ کو دکھلا کر یہ فریق اہل ملک کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ اس کو اختیار کریں اور جب وہ اس میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اس کو عمل میں لانے کی ذمہ داری اس کے سر ہو جاتی ہے۔ "مخالفت" کی حیثیت میں اس کا کام بھی اسی طرح صاف اور صریح ہوتا ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ وہ برسر حکومت فریق کو اس وقت تک کوئی تدبیر اختیار کرنے نہ دے جب تک اس پر خاطر خواہ رد و قدح نہ ہو جائے۔

اور وہ اپنی حکمت عملی کو ہر طرح حق بجانب اور قرین مصلحت ثابت کرنے کے لئے مجبور ہوں ورنہ برسر اقتدار فریق کو حکومت سے ہاتھ دھونا پڑے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا کام یہ ہے کہ کابینہ کو تن آسان اور بے پروانہ ہونے دے اور اس کو ہر ئی تحریک پر آگاہ کرے کہ بغیر سوچے سمجھے اختیار کرنا خطرناک ہے۔

ایک اور بات غور طلب یہ ہے کہ کابینہ اور پریوی کونسل کی تاریخ بالکل ایک سی ہے۔ اس زمانے میں پریوی کونسل حکمت کا صلاح کار آلہ نہیں رہا ہے۔ یہ سب کام کابینہ نے لے لیا ہے۔ لیکن جونہی قرون وسطی ختم ہوئے پریوی کونسل کی طرح کابینہ بھی جلد جلد تعداد بڑھانے کی طرف مائل ہوگئی۔ روایتہً بعض بڑے عہدے اس سے ضرور متعلق تھے۔ اور جوں جوں کام بڑھتا گیا اور مختلف سررشتوں کی اہمیت بڑھتی گئی دوسرے عہدہ داروں کو بھی لازماً اس میں شریک کرنا پڑا۔ پرانے ادارے کی طرح اس کا بھی قدرتی طور پر یہ حال ہوا کہ یہ اتنی بڑی جماعت ہوگئی کہ حقیقی بحث و مباحثہ کے لئے غیر موزوں ہوگئی اور بالآخر ایک چھوٹے حلقے میں جہاں لائق اور ناگزیر عہدہ دار ہوتے تھے مسلک حکومت کی قرار داد معین ہونے لگی۔ اور بڑی جماعت ان فیصلوں کو تسلیم کر لیتی تھی۔ اٹھارھویں صدی میں امر واقعہ کے طور پر اس پر نظر پڑنے لگی اور خیال آرائی ہونے لگی کہ ایک بیرونی کابینہ ہے اور ایک اندرونی یا (concilia onlum) یہ اندرونی کابینہ آگے چلکر حقیقی کابینہ بن گئی لیکن انیسویں صدی میں اس کا بھی آہستہ آہستہ اسی طرح حجم بڑھنے لگا۔ اور جنگ عظیم کے دباؤ میں پھر ایک اندرونی کابینہ کی تشکیل کرنی پڑی۔

پارلیمنٹ کی رشوت خوری۔ دارالعوام کو پہلے دو ہانووری حکمرانوں کے عہد میں وہ اقتدار حاصل ہوگیا کہ انگلستان کے امور کا آخری فیصلہ اسی کے ہاتھ میں آگیا۔ لیکن اٹھارھویں صدی کے کسی دور میں دارالعوام انگریز قوم کا اس طرح قائم مقام نہیں تھا جس طرح آج ہم لفظ قائم مقام کے معنی سمجھتے ہیں۔ وھگ فریق جو ملکہ این کے انتقال سے لیکر جارج کی تخت نشینی تک جو ۱۷۶۰ء میں ہوئی تھی۔ برسر اقتدار تھا حال کے لبرل فریق کا گویا مورث تھا اور گلیڈسٹن اور لائڈ جارج والے لبرل فریق کا پیشرو تھا۔ لیکن یہ علانیہ ایک اعیانی فریق تھا۔ اس کے رہنما تمام

اونچے خاندانوں کے لوگ تھے یا انھوں نے اپنے خاندانوں کا پایہ بلند کر دیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ جس وقت ولیم پٹ اور اس کے بعد ٹوری فریق کے رہنما ابرٹ پیل سیاسی زندگی میں داخل ہونے لگے تو وہ بڑے گھاٹے میں تھے کیونکہ یہ بڑے زمیندار خاندانوں میں پیدا نہیں ہوئے تھے۔ ایسے رہنماؤں کو پہلے اپنے موافق فضا پیدا کرنی تھی۔ لیکن جس طرح تاریخ انگلستان کے ہر زمانے میں دیکھا جاتا ہے اس زمانے میں بھی غیر معمولی قابلیتوں کے لئے یہ ممکن تھا وہ اعلیٰ رتبے تک اپنا راستہ پیدا کر سکنے سب سے اہم بات یہ تھی کہ دارالعوام اعیان ملک کے قابو میں تھا۔ پندرھویں صدی کے اوائل وسط سے پہلے قوانین انتخاب میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی جو اس زمانے تک جب کہ والپول کا نظم ونسق شروع ہوا ہے آبادی کے نقل مکان سے بیحد بدنظمیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ اٹھارھویں صدی میں پارلیمنٹی تاریخ کے بڑے افراد ایک تو "جیبی بلدیات" تھے جو مالکان اراضی اکابر کے زیر اثر تھے اور دوسرے ویران بلدیات تھے جہاں انتخاب کنندگان بہت محدود اور بے راہ ہوتے تھے اور جہاں علانیہ روپیہ سے کام چلتا تھا۔ اس کے علاوہ ابھی تک دارالعوام میں بیشمار عہدہ دار اور شاہی وظیفہ خوار تھے۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۷۴۲ء میں ان وظیفہ خواروں کی تعداد دو سو تھی۔ اور یہ جیسا حکومت چاہتی تھی ویسا ہی کرتے تھے اس امر کا تخمینہ کیا گیا ہے کہ ۱۷۹۳ء میں ایوان کی اکثریت کو صرف چھ ہزار رائے دہندگان منتخب کرتے تھے اور ۶۵۸ میں سے ۴۸۷ ایسے اراکین تھے جو درحقیقت نامزد کئے جاتے تھے۔

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اٹھارھویں صدی پارلیمنٹی بدنظمی کا سب سے بڑا زمانہ ہے۔ ان سے حکومت کابینہ کی تشکیل میں بھی مدد ملی کیونکہ ان اسباب کی بنا پر اراکین ایوان کو ایک وزارت کی اطاعت سے منحرف کر کے دوسری وزارت کا حلقہ بگوش بنانا بہت ہی آسان تھا۔ انگلستان کی کابینہ اس بات پر منحصر ہے کہ اراکین جو ایک وقت ایک وزارت کی تائید کرتے ہیں وہ دوسرے وقت اس کے خلاف ہو سکتے ہیں اور ہو بھی جاتے ہیں۔ یہ بات صرف اوائل انیسویں صدی سے سمجھ میں آرہی ہے کہ تبدیلی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ وزارت اپنی تدبیر مملکت کے لئے

ایوان کی تائید حاصل نہیں کرسکی یا پارلیمنٹ کے باہر رائے عامہ بدل گئی۔ اٹھارھویں صدی کے لئے یہ سمجھنا مشکل تھا کہ تبدیلی کابینہ کے اسباب ایسے پاک صاف ہوسکتے ہیں والپول پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ پہلا وزیر ہے جس نے باقاعدہ رشوت کو جاری کیا۔ یہ الزام موجہ نہیں معلوم ہوتا۔ ڈیوک نیوکاسل کے متعلق تو یقین ہے کہ یہ ایوان میں رایوں کی الٹ پھیر کردیتا تھا اور اسے ایک فن بنا رکھا تھا۔ اور اس طریقے سے اس صدی کے پہلے نصف حصے میں ایوان کے انتخابات اور رایوں کے غلط استعمال سے جو تجربہ حاصل ہوا تھا وہ جارج سوم کے لئے بہت مفید ثابت ہوا۔ جارج نے انھیں تجربوں سے شاہی اقتدار کو بحال کرنے کی کوشش کی۔

نظام کابینہ کے ارتقا کے سوا اس زمانے کی کوئی چیز ایسی اہم نہیں کہ وہ ضبط تحریر میں آئے۔ ۱۷۱۶ء میں قانون سہ سالہ اس ڈر سے منسوخ کیا گیا کہ ٹوری یا حامیان جیمز عام انتخاب میں غلبہ حاصل کرلیں گے اور پارلیمنٹ کی میعاد سات سال مقرر کی گئی۔ یہ قانون ہفت سالہ ۱۹۱۱ء کے قانون پارلیمنٹ کے پاس ہونے تک جاری رہا۔ ۱۷۱۹ء میں اس قسم کی ایک کوشش یہ ہوئی تھی کہ دارالامرا بند کیا جائے اور وہ شاہی اختیار محدود کردیا جائے جسے کام میں لاکر جدید امرا پیدا کئے جاتے ہیں تاکہ دارالامرا کی وھگ اکثریت قائم رہے۔ لیکن یہ ترکیب بارآور نہیں ہوئی۔

اس زمانے میں چانسلر آف اکسچکر (وزیر خزانہ) کا ایسا عروج ہوا کہ مملکت کا خاص وزیر فینانس بن گیا۔ ملکہ این کے انتقال کے بعد خازن اعظم کی خدمت پر کسی کا تقرر نہیں ہوا۔ بلکہ خزانہ ایک ماموریہ کے سپرد کیا گیا جس کا صدر اول امیر خزانہ ہوتا ہے۔ لیکن درجہ بدرجہ اس عہدے کے متعلق یہ سمجھا جانے لگا کہ یہ وزیر اعظم کے قبضے میں ہونا چاہیئے اور اس کے فرائض انتظامی نہیں بلکہ سیاسی ہوگئے یا دوسرے الفاظ میں خزانے کے فرائض برائے نام ہوگئے۔ انھیں مدارج سے چانسلر آف دی اکسچکر جو قرون وسطیٰ میں ایک ذیلی عہدہ دار سمجھا جاتا تھا خزانے کا اعلیٰ عہدہ دار سمجھا جانے لگا۔ وزارت کی مالی مسلک کا بچاؤ اسی کے ذمے رہ گیا اور اس طریقے سے اس مسلک کی تشکیل اور تعمیل کی ایک عجیب و غریب ذمہ داری اس پر عائد ہوگئی اس بنا پر یہ خود بخود محسوس ہونے لگا کہ اس کو دارالعوام کا رکن ہونا چاہیئے گو اس

غرض کے لئے کوئی قانونی قاعدہ نہیں بنایا گیا۔

ردعمل۔ اگر ہم ادارہ کابینہ کو اس زینہ ترقی پر رکھ کر دیکھیں جو اس وقت تھا تو اس کی ترقی جو دو ہانوور ی عہد ہائے حکومت میں ہوئی تھی بہت تیز تھی یعنے بادشاہ کے اختیار تحریک کی جگہ بہت جلد حکومت کا نظام کابینہ قائم ہوگیا اور اس نظام کے اتفاقی نتائج علی تجربے کی بدولت ایسے سمجھ میں آنے لگے تھے جن سے وزیر اعظم کی حیثیت اور کابینہ کی یکجہتی سمجھ میں آگئی۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے اس بات کو بھول جائیں کہ اس وقت نہ تو یہ ادارہ مجموعی طور پر سمجھ میں آیا تھا نہ اس کے متعلقہ خصوصیات تو ہمارا جی چاہتا ہے کہ اس صدی کے دوسرے عشرے میں اپنے آپ کو رکھ کر پیش بندی کریں کہ اس میں موجودہ نظام کا کامل ظہور ہونے والا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی ترقی ضرورت سے زیادہ تیز ہوئی تھی۔ صرف اسی قدر نہیں کہ یہ نظام سمجھ میں نہیں آیا بلکہ اس کے لوگ عادی بھی نہیں ہوئے تھے۔ یہ ابھی بے ضابطہ تھا اور کوئی شخص اس کو جزو دستور نہیں سمجھتا تھا بولنگبروک اچھی طرح سے سمجھ گیا تھا کہ انقلاب کے بعد جو حکومت قائم ہوگی وہ مشیت عامہ کی قطعی بنیاد پر قائم ہوگی۔ برک نے جارج سوم کی کامیابی سے چونک کر استدلال کا ایک سلسلہ قائم کر دیا تھا کہ حکومت کیسی ہونی چاہیے۔ اس استدلال میں اکثر جدید طریق کے اساسی اصول شامل تھے۔ لیکن یہ اصول جو اس نوخیز ادارے کے مختلف خدوخال میں ظاہر ہونے تھے اور لازمات بن چکے تھے۔ دوسروں کی سمجھ میں نہیں آئے تھے۔ یہ بھی ایک امر واقعہ تھا کہ کبھی اس جدید نظام کو شاہی اختیارات کی مخالفت کا امتحان نہیں ہوا تھا جو پورے عزم اور دماغی قابلیت کے ساتھ عمل میں آتیں۔ اس کو سرعت کے ساتھ ترقی کرنے کا کچھ ایسے حالات میں موقع ملا تھا کہ ملوکیت کے اختیارات گویا معطل ہوگئے تھے۔ ان تمام حالات میں ردعمل ہونا کچھ خلاف قیاس نہیں تھا۔ اور یہی ردعمل ہے جو آئندہ پچیس برسوں کو ممتاز کرتا ہے۔

جارج سوم میں جو ۱۷۶۰ء میں تخت نشین ہوا کوئی مدبرانہ وصف نہیں تھا۔ صحیح تو یہ ہے کہ اس کی قابلیت بالکل ادنی درجہ کی تھی۔ اس میں قدرتی طور پر ضد اور ہٹ کا وہ پہلو پورے طور پر پایا جاتا تھا جو بالعموم محدود ذہنیت کا خاصہ ہے۔

لیکن ایک بات کی اس کو نہایت ہشیاری کے ساتھ تعلیم دی گئی تھی اور وہ تعلیم اس کی ماں کے الفاظ میں یہ تھی کہ وہ "بادشاہ ہو" یعنی شاہی اختیارات دوبارہ حاصل کرے۔ وہ محنتی اور جفاکش تھا اور دل سے چاہتا تھا کہ اپنے ملک کی منفعت اور طاقت کو بڑھائے اور اس بات کا بزور خواہشمند تھا کہ وہ تمام فرائض اچھی طرح انجام دے جو اس کے ذہن میں بادشاہ کے فرائض ہو سکتے تھے۔ علم سیاست میں جو کتابیں اس کے مطالعے میں آئی تھیں ان میں سے ایک "وطن پرست بادشاہ کا تصور" جو بولنگبروک کے ٹوری استدلال سے پر تھا اور اس نے "قوانین انگلستان کی توضیحات" کا بھی مطالعہ کیا تھا لیکن یہ اب تک غیر مطبوعہ تھیں۔ اس میں بلیکسٹن نے یہ واضح کیا تھا کہ دستور میں بادشاہ کی کیا حیثیت ہے۔ بلیکسٹن کا بیان ایک قانون داں کا بیان تھا۔ ظاہر ہے کہ اس نے قانون کو اس طرح دکھلایا تھا جس طرح وہ موجود تھا اور ان تاویلات کا کوئی لحاظ نہیں کیا تھا جو اب رسم و رواج میں داخل ہو گئی تھیں۔ اگرچہ جارج کی ذہنیت اس قابل نہیں تھی کہ وہ اس تشویشناک زمانے میں اس بڑی مملکت کی سیاسی رہنمائی کر سکے مگر وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتا تھا کہ حکومت میں بادشاہ کے فرائض کیا ہیں۔ اور وہ ان کو دوبارہ حاصل کرنے کے پیچھے پڑ گیا۔ اور اس عملی صورت حال میں جو اس کے سامنے آئی اس نے وہ تدبیریں اختیار کر لیں جن سے کامیابی کی توقع تھی۔

جارج سوم کا منصوبہ۔ شروع میں ہمیں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ جہاں تک ہمیں تاریخ سے معلوم ہوتا ہے بادشاہ کے منصوبوں کی کہاں تک رسائی تھی اور ان میں کون سے امور شامل نہیں تھے۔ اس نے پارلیمنٹ کی فوقیت اور اقتدار اعلیٰ پر کوئی حملہ نہیں کیا یعنی کم از کم جب تک اس کو اپنے منصوبے پھیلانے کا موقع ملا ہے اس نے اس قسم کے اقتدار شاہی کا خیال نہیں کیا تھا جو چارلس اول اور جیمز دوم چاہتے تھے یعنے ایک مطلق العنان اور خود رایانہ اقتدار شاہی حاصل ہو۔ جس پر سوائے اس ذمہ داری کے جو بادشاہ کی خدا کے سامنے ہے کوئی اور قید نہ ہو۔ اس نے ۱۶۸۸ء کے اصلی نتائج کو بدلنے کی کوئی کوشش نہیں کی بلکہ اس نے اس شاہی اقتدار کو دوبارہ قائم کرنے کی کوشش کی جو ولیم سوم کو تدبیر مملکت پر حاصل تھا۔

جن نتائج کو وہ محو کرنا چاہتا تھا وہ انقلاب کے ثانوی نتائج تھے۔ ایک امور مملکت کی تحریک اور تعین کا اختیار جو اس کی دانست میں اس سے چھین لیا گیا تھا۔ دوسرے عہدہ داران حکومت کی ذمہ داری جو بادشاہ سے وزیر اعظم کی طرف رجوع ہو گئی تھی اور اس کے ساتھ دار العوام کا انتظام۔ اگر وہ کامیاب ہو جاتا تو اس کے آخری نتائج کیا ہوتے، اس پر روشنی ڈالنا مورخ کا منصب نہیں ہے۔ تاہم یہ دیکھنا آسان نہیں ہے کہ کس قدر دستوری آزادی باقی رہ جاتی۔ بظاہر فوری نتیجہ یہ ہوتا کہ وزارتی ذمہ داری کا اصول باقی نہ رہتا اور بادشاہ ذمہ دار ہو جاتا یا کم از کم یہ ہوتا کہ بلاواسطہ ذمہ داری کا یہ طریقہ جو مواخذے کے ذریعے زمانہ وسطیٰ میں استعمال ہوتا تھا پھر جاری ہو جاتا۔

جارج سوم کے منصوبوں پر رائے قائم کرنے میں ہم کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس زمانے میں کوئی شخص اس کو ایک غیر دستوری کوشش نہیں سمجھتا تھا۔ زمانۂ حال کے ایک بادشاہ کا یہ فعل غیر دستوری ہوگا۔ زمانۂ حال کے ایک عالم نے جارج کی اس کوشش کو غیر دستوری کہا ہے لیکن یہ رائے حالات حاضرہ کو، جو اس وقت موجود نہ تھے اس بعید زمانے پر منطبق کرنے کے مغالطے پر مبنی ہے۔ ۱۷۶۰ء اور ۱۷۸۲ء کے درمیان بادشاہ نے اپنے وزراء کے متعلق جو رویہ اختیار کیا تھا اس کے متعلق کوئی شخص بھی اس امر سے انکار نہیں کر سکتا تھا کہ بادشاہ کو ان امور کا قانونی اور دستوری حق حاصل نہیں ہے۔ یہ ہمیں صاف معلوم ہوتا ہے کہ جارج نے نظام کابینہ پر جو ضرب لگائی تھی وہ کاری ضرب تھی اور اگر یہ ضرب کامیاب ہو جاتی تو اس نظام کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جاتا۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ اس وقت یہ نظام کابینہ نہ قانونی طور پر تسلیم کیا گیا تھا نہ وہ اس قدر مضبوطی سے قائم تھا نہ اس کا عملدرآمد اس قدر پرانا ہوا تھا نہ عام حالات میں اس نے ایسی جگہ پیدا کر لی تھی کہ باضابطہ دستور میں اس کا قدم جم جاتا۔ اس میں شک نہیں کہ جارج سوم تاریخ انگلستان کی اس پوری رو کے خلاف ہاتھ پیر مار رہا تھا جو حالیہ طرز کی وزارتی ذمہ داری کو برابر آگے بڑھا رہی تھی۔ مگر وہ اس میں قطعی طور پر کامیاب ہو جاتا تو قوم کو خود اختیاری حکومت کے بہترین آلات کے حاصل کرنے میں بہت دیر لگ جاتی۔ لیکن اس دستور کا لحاظ کرتے جو اس وقت تھا دستور شکنی کا اس پر کوئی الزام نہیں لگایا جا سکتا۔

جارج کی تخت نشینی کے وقت جو حالات تھے وہ اس کے منصوبوں کے موافق نہیں تھے۔ جنگ ہفت سالہ کے دوران میں جو ایک بڑی جنگ تھی، انگلستان کا فرانس کے ساتھ ایسا بڑا مقابلہ تھا جیسا اب تک نہیں ہوا تھا۔ یہی جنگ ہے جس نے برطانوی شہنشاہیت قائم کر دی اور سمندر پر برطانوی تسلط قائم کر دیا۔ اگرچہ سب حالات انگلستان کی تائید پر تھے تاہم ایسے قطعی بھی نہیں تھے کہ انگلستان کی فتوحات سے جو فائدے حاصل ہوئے تھے وہ اطمینان سے ہاتھ آجاتے۔ انگلستان کا سب سے بڑا وزیر جنگ ولیم پٹ جس کی ذہنی قابلیت اور حوصلہ افزائی نے شکست کو فتح میں مبدل کر دیا تھا اس وقت انگلستان کی خارجی اور حربی حکمت عملی کا مالک تھا۔ اور اہل ملک میں اس کی ہر دلعزیزی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اس کے پنجے سے اقتدار چھڑانا کچھ آسان کام نہیں تھا۔ اس کی بادشاہ نے کوشش نہیں کی۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صلح ہونے تک بادشاہ نے اس کی خواہش بھی نہیں کی۔ تاہم اس نے دو باتیں فوراً قرار دے لی تھیں جو اس کے لئے ممکن تھیں، ایک یہ کہ وزراء کا تقرر اس طرح اپنے ہاتھ میں لے لے کہ اس کے متعلق وزیر اعظم کا کوئی حق تسلیم نہ کیا جائے، اور دوسرے حکومت کی عنایات اور انعامات کی تقسیم وزارت کے ہاتھ سے چھین لی جائے۔

جس روز جارج دوم کا انتقال ہوا اس کے جانشین نے اپنے چہیتے مصاحب ارل بیوٹ کو کابینہ میں معتمد مملکت بنانا چاہا۔ بیوٹ میں بادشاہ سے زیادہ سیاسی قابلیت نہیں تھی۔ لیکن وہ اپنے آقا کے منصوبوں کا دل سے حامی تھا اور اس وقت ذہنی قابلیت کے مقابلے میں یہی چیز زیادہ قابل لحاظ تھی۔ بیوٹ نے ایک دم اتنی بڑی خدمت لینے سے انکار کر دیا لیکن وہ فوراً پریوی کونسل کا رکن بنا دیا گیا اور کابینہ میں اس کو نشست دی گئی، حالانکہ اس کے متعلق پٹ سے مشورہ کیا گیا نہ نیوکاسل سے جو برائے نام وزارت کا عمدہ تھا۔ اس کے علاوہ جارج نے بغیر مشورے کے پہلی تقریر بھی خود تیار کر لی جو کونسل میں پہلی بار دی جانے والی تھی اور پٹ نے بڑی مشکل سے اس کے چند الفاظ بدلوائے جو بادشاہ نے جنگ کو خونریز اور صرفہ انگیز کہے تھے۔ یہ واقعات صحت کے ساتھ بادشاہ کی حکمت عملی پر دلالت

کرتے تھے۔ ان کے صرف یہ معنی تھے کہ اب بادشاہ خود اپنے وزارتی مشیروں کو مقرر کریگا اور حکمت عملی کے تعین میں زور سے حصہ لے گا۔ ان دونوں معاملات میں اس کو قانونی حقوق حاصل تھے اور دونوں میں وہ کامیاب ہوگیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلے بیس سال میں کچھ اس کی کامیابی رکی رہی مگر وہ قانون یا رواج کی وجہ سے نہیں بلکہ بعض نامساعد حالات کی وجہ سے تھی۔ اپنے باقی عہد میں تو وہ ایسا کامیاب رہا کہ اس کے پردادا سے لیکر اب تک کوئی بادشاہ ایسا نہیں ہوا۔

دوسرے معاملے میں جو اوپر بیان کیا گیا یعنی حکمت عملی کے تعین میں جارج نے مجالس کابینہ میں اپنی شرکت پر زور نہیں دیا۔ اس نے اپنی رائے یا تو خاص دوستوں کے ذریعے معلوم کروائی جو ایک طریقے سے کابینہ میں اس کی نیابت کرتے تھے یا ایسے لوگوں کے ذریعے جن کو اپنی رائے سے متاثر کر سکتا تھا۔ بعض اوقات یہ طریقہ اختیار کیا جاتا تھا کہ براہ راست کابینہ کے ان رہنماؤں کو جو اس کی خواہشوں کے مخالف ہوتے تھے بے وقت اور بدنما پیغام بھیجے جاتے تھے۔ اپنی خواہشوں کے معلوم کروانے میں وہ کبھی ناکام نہیں رہا۔ گو اپنے وزراء کے انتخاب میں اس کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ دارالعوام خود انتخاب وزراء پر زور دیتا تھا اور دوسروں سے معاملہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ دور اول کے اختتام تک اس کو اس قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ اس کی تمام مشکلات اس وجہ سے تھیں کہ جو لوگ خدمت کے لئے نامزد کئے جاتے تھے وہ اس سے انکار کرتے تھے، اور یہ انکار اکثر صورتوں میں دستوری اسباب کی بنا پر نہیں ہوتا تھا بلکہ اس میں کچھ تو ذاتی رضا و رغبت اور بعض اوقات فریق بندی کی سیاسی مجبوریاں شامل ہوتی تھیں

سنہ ۱۷۶۱ء سے جب کہ پٹ نے استعفا دے دیا ہے اس وقت سے سنہ ۱۷۶۷ء تک جب کہ پٹ آخر کو وزارت ترتیب دینے پر راضی ہوگیا اس کو چار مرتبہ قبول عہدہ کے لئے سمجھایا گیا جو بالکل بے سود ہوا۔ اور کئی مرتبہ خود بادشاہ کو ایسے وزرا اور ایسے کابینہ کو بحال رکھنا پڑا جن کو وہ دل سے برخاست کرنا چاہتا تھا کیونکہ یہ دوسرے لوگ کام کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

ٹوریوں کا احیاء۔ اس عہد کے پہلے دس سال میں کابینہ کا بہت جلد جلد

ردوبدل ہوتا رہا۔ یہ کابینہ متزلزل اور غیر متحد تھی اور اس کی وجہ زیادہ تر بادشاہ کی مداخلت تھی۔ کابینہ کی استقامت غائب ہو گئی تھی۔ نیو کاسل کی وزارت جو جارج کی تخت نشینی کے وقت برسر اقتدار تھی اور لارڈ نارتھ کی وزارت جو ۱۷۷۰ء جنوری میں ترتیب دی گئی تھی ان دونوں کو شامل کر کے ایسی وزارتیں اس دور میں کوئی سات ہوئی ہیں۔ حصول اقتدار کی کوشش میں جارج کی ایک جنبش یہ تھی کہ وہ وھگوں کے طویل اقتدار کو توڑنے کے درپے ہو گیا جو ملکہ این کے انتقال کے بعد سے اب تک جاری تھا۔ اور یہ کام بہت آسانی سے ہو گیا کیونکہ اس کی ایک تو وجہ یہ تھی کہ وھگ فریق مختلف ٹولیوں میں بٹ گیا تھا اور یہ ٹولیاں بہت آسانی سے ایک دوسرے کے خلاف کھڑی کی جا سکتی تھیں۔ دوسرے مدت دراز کی متعدد تبدیلیوں کے بعد ٹوری فریق کے متعلق عوام میں اب کوئی بدظنی باقی نہیں رہی تھی۔ ٹوری دربار میں جوق جوق آنے لگے اور بادشاہ ان کو سرکاری خدمات پر فائز کرنے لگا۔ موجود الوقت کابینہ میں پٹ اور نیوکاسل دونوں ہم آہنگ نہیں تھے اور اگرچہ بادشاہ نے صلح ہونے تک پٹ کو خدمت سے علحدہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں کیا تھا تاہم وہ چاہتا تھا کہ جلد صلح ہو جائے تو اور دوسری کابینہ مرتب ہو۔ پانچ ہفتے نہیں ہوئے تھے کہ بیوٹ وزیر ہو گیا۔ اور سات مہینوں میں پٹ مستعفی ہو گیا۔ کیونکہ اسپین سے لڑائی کے متعلق جو اس کی حکمت عملی تھی اس کو کابینہ نے نہیں مانا۔ تخت نشینی کے ڈیڑھ سال کے بعد بیوٹ وزیر اعظم ہو گیا۔ لارڈ نارتھ کے تقرر تک جو وزارتیں تھوڑے تھوڑے فصل سے بنتی رہیں۔ ان میں کوئی ایسی دلچسپ بات نہیں ہے جن پر غور کرنا ہمارے لئے ضروری ہے۔ تاہم تاریخ میں ان کو اس وجہ سے خاص طور پر یاد رکھا جاتا ہے کہ امریکائی انقلاب کے پیدا کرنے میں ان کو کافی دخل تھا۔

شاہی راج کا دورہ۔ گو جارج سوم ایسے وزراء کو لینے میں کامیاب ہو گیا تھا جو اس کی حکمت عملی کے سامنے سر جھکاتے تھے بادشاہ ان کو مغلوب کر لیتا تھا اور اس میں کوئی دستوری مشکل نہیں ہوتی تھی تاہم پارلیمنٹ کی برتری سے تو وہ اپنا دامن نہیں چھڑا سکتا تھا۔ اور اگر بادشاہ خود تدبیر مملکت معین کرنے لگے

تو ظاہر ہے کہ پارلیمنٹ کو خود بادشاہ کی خواہشات کا اتباع کرنا پڑتا نہ کہ قوم کا اور ادھر بادشاہ بھی مجبور تھا کہ اپنی ہر قرارداد کے متعلق پارلیمنٹ کی تائید حاصل کرے۔ جب جارج تخت نشین ہوا ہے تو اس وقت وہ طریقے موجود تھے جن سے پارلیمنٹ پر قابو حاصل کیا جا سکتا تھا اور یہ بہت کچھ وہ تھے جن کو نیوکاسل نے گزشتہ عہد میں باضابطہ طور پر مرتب کیا تھا۔ بادشاہ نے ان کو فوراً عمل میں لانا شروع کیا جن سے خود نیوکاسل کو نقصان پہنچا۔ اس میں شاہی عنایات، خدمات، ملازمتیں، اجارے، مختلف انعامات، خطابات اور وظائف کی تقسیم شامل تھی جو بادشاہ عطا کرتا تھا۔ بعض اوقات اس میں انتخابات پر اثر ڈالنے کے لئے یا اس سے زیادہ خود ارکین پارلیمنٹ کو متاثر کرنے کے لئے خفیہ امدادی رقم کا براہ راست استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ اکثر ہوتا تھا کہ سزائیں دی جاتی تھیں اور انعامات دئے جاتے تھے اور لوگ خدمت سے معزول کر دئے جاتے تھے۔ اور بعض صورتوں میں وہ بڈھے اور گمنام آدمی بھی معزول کر دئے جاتے تھے جن کو مخالف فریق سے کوئی تعلق نہ ہوتا تھا بلکہ یہ صرف مخالف فریق کے متوسل اور عمیل ہوتے تھے۔ جس سرعت کے ساتھ بادشاہ نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے لیا خود نیوکاسل کو حیرت تھی حالانکہ اس کابینہ میں جو جارج دوم کے انتقال کے وقت برسر حکومت تھی یہ معاملات نیوکاسل ہی کے سپرد تھے اور وہ اس معاملے میں خود دلچسپی لیتا تھا۔ گو وہ بذات خود راست باز آدمی تھا لیکن اس کو اعتراض کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی کیونکہ اس معاملہ میں بھی بادشاہ اپنے دائرۂ اختیارات سے باہر نہیں تھا۔ اس دور کو جو اس عہد کے ابتدائی بیس سال ہیں تاریخ انگلستان میں پارلیمنٹی اور حکومتی بدعنوانیوں کا منتہا سمجھنا چاہیئے جب بادشاہ کی عام کوششیں ٹوٹ گئیں تو یہ طریقہ بھی ٹوٹ گیا پھر اس کی حیثیت ایک نظام کی نہیں رہی۔ پارلیمنٹی انتخابات کی بدعنوانیاں جو خانگی لوگ اپنی ذاتی اغراض کے لئے عمل میں لاتے تھے عرصے تک قائم رہیں لیکن حکومت کی بدعنوانیوں کا وہ وسیع اور باقاعدہ استعمال باقی نہیں رہا جو پارلیمنٹی کثرت حاصل کرنے کے لئے کی جاتی تھی۔

لارڈ نارتھ کی بارہ سالہ وزارت میں جو ۱۷۷۰ء میں شروع ہوئی جارج سوم کا

طرز حکومت اپنے اوج کمال کو پہنچ گیا لیکن اس کے بعد اسے ناکامی کا منہ بھی خود ہی دیکھنا پڑا۔ لارڈ نارتھ کی سیاسی قابلیت بادشاہ یا بیوٹ سے کچھ ہی زیادہ ہو گی لیکن یہ شاہی راج کا وہ دور ہے جس میں اعلیٰ قابلیت والوں کے لئے کوئی مواقع نہیں تھے اور اس وقت کسی قابلیت کی مانگ بھی نہ تھی۔ بادشاہ اس وقت اپنا آپ وزیر اعظم بن گیا اس کے سامنے کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا تھا اور وہ صرف اپنا ایک ذمہ دار کارندہ چاہتا تھا جو پارلیمنٹ میں اس کے معاملات کی نگہداشت کرے۔ نارتھ یہ کام کرنے کے لئے تیار تھا لیکن یہ اس وجہ سے نہیں کہ وہ کسی عہدے کا خواہشمند تھا بلکہ وہ اس بات کا دل سے معتقد تھا کہ یہ بادشاہ کا دستوری حق ہے۔ یہ اچھا مقرر اور دارالعوام کا رہنما تھا۔ لیکن جارج کو کثرت ایوان پر اس قدر قابو تھا کہ اس کو توڑنا آسان کام نہیں تھا۔ اس وقت (۱۹۲) اراکین حکومت کی مختلف خدمات پر فائز تھے۔ اس کے علاوہ اس دور کے بڑے حصے میں مخالف فریق اس قدر منتشر اور غیر متحد تھا کہ اس سے کوئی ڈر نہ تھا۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس دور میں جارج نے وہ چیز حاصل کر لی تھی جس کی وہ کوشش کر رہا تھا۔ کابینہ، پارلیمنٹ اور تدبیر مملکت سب اس کے ہاتھ میں تھے۔ لارڈ نارتھ اس واقعے کو پورے طور پر تسلیم کرتا تھا اور وفاداری کے ساتھ اس پر کاربند تھا شروع ہی سے وہ جان گیا تھا کہ امریکہ میں جو حکمت عملی اختیار کی جا رہی ہے اس کا ناکام ہونا ضروری ہے اور اس لئے اس نے بادشاہ کے پاس بار بار اپنا استعفا پیش کیا لیکن بادشاہ کی مرضی کے سامنے ہمیشہ سر جھکاتا رہا۔ ۱۷۷۹ء میں اس نے جارج کو لکھا کہ "مجھے دل سے یقین ہے اور یہ یقین میرا آج سے نہیں بلکہ پچھلے تین سال سے ہے کہ جنگ امریکہ حضور اور ملک دونوں کے لئے برباد کن ثابت ہوگی" لیکن اس کے باوجود ۱۷۸۲ء تک یہ خدمت پر فائز رہا۔

جنگ امریکہ کے سلسلہ واقعات کو دیکھنا ہمارا کام نہیں ہے بلکہ ہمیں اس بات پر غور کرنا ہے کہ نو آبادیوں اور شہنشاہیت کے مسئلے سے قطع نظر اس وقت انگلستان کے لئے جو چیز خطرے میں تھی وہ یہ تھی کہ بادشاہ کی حکمرانی ان دستوری اشکال کے پردے میں جاری رہے جو ۱۶۸۸ء میں مستحکم ہو چکی تھیں۔ یا نظام کابینہ

سکا احیا کیا جائے جو دار العوام سے ماہور اور دار العوام اور رائے عامہ کے سامنے ذمہ دار ہو اور یہی وہ نظام تھا جو اس صدی کے پہلے نصف حصے میں ترقی کرتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ اس سوال کے پیدا ہونے کے معنی یہ ہیں کہ بادشاہ اس نکتے کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا اور اسی وجہ سے وہ جنگ ختم کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس وقت مخالف فریق بھی اس واقعے کو سمجھا ہوا تھا چنانچہ ان کا امریکہ کے معاملے کی ہر روز تائید کرنا اس کی دلیل ہے۔ نو آبادیوں والے در اصل ان انگریزوں کی لڑائی لڑ رہے تھے جو انگلستان میں موجود تھے۔ بعد کے زمانے میں بھی یہ واقعہ علانیہ طور پر تسلیم کر لیا گیا اور اس تاویل کی صحت میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔

جس وقت برطانوی معاملات سخت مصیبتوں میں گھر گئے اور برطانیہ کے پرانے مستعمراتی رقیب فرانس، اسپین اور ہولنڈستان انگلستان کے خلاف میدان میں آ گئے تو فریق مخالف میں جان پڑی۔ اب اس نے بے تکلف دستوری نکتہ پیش کرنا شروع کر دیا اور رائے عامہ سے ان کی روزافزوں تائید ہونے لگی۔ ۱۷۸۰ء میں جب جان ڈننگ نے یہ تحریک پیش کی کہ "تاج کا اثر بڑھ گیا ہے اور بڑھ رہا ہے اور اس میں تخفیف ہونی چاہیئے"، تو دار العوام کی کثرت اس کی تائید پر تھی تاہم اس کے لئے اور دو سالہ کشمکش کی ضرورت تھی کہ وزارت کے خلاف ایسی متعدد قرار دادیں جو زمانۂ حال کی قرار داد کے لئے بے اعتمادی کے برابر ہوں منظور ہو جاتیں۔ ورنہ بادشاہ جھکنے والا نہیں تھا۔ بادشاہ نے صرف اس وقت ہتھیار ڈال دئے جب کہ لارڈ نارتھ نے ۲۰ مارچ ۱۷۸۲ء کو بالکل یک بیک استعفا دیدیا۔

مارکوئس راکنگھم کے تحت جو وھگ تھا جارج ایسی وزارت قبول کرنے پر مجبور ہو گیا جس سے اس کو نفرت تھی۔ نیز چند دنوں کے بعد اسی سال شلبرن کی کابینہ اور ۱۷۸۳ء میں فاکس و نارتھ کی مرکب وزارت منظور کرنی پڑی۔ اس وقت ان وزارتوں کی منظوری کی وجہ یہ نہ تھی کہ اس کے عہد کے اوائل کی طرح ذاتی اور فریقانہ حالات کی وجہ سے دوسری صورت ناممکن تھی بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ رائے عامہ اور دار العوام قابو میں تھا۔ حکومت کابینہ کی طرف پھر رجعت معکوس

ہو چکی تھی۔ مگر بادشاہ بغیر مزید کشمکش کے اپنے نصب العین چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھا اور سچ تو یہ ہے کہ اس وقت پٹ اصغر کی سیاسی موقع شناسی اور مہارت تھی کہ وزارتی ذمہ داری پھر دوبارہ قائم ہوگئی۔

پٹ اصغر کا عروج۔ اوائل سے پٹ میں وہ غیر معمولی اوصاف ظاہر ہونے لگے جن سے تاریخ انگلستان میں اس کا خاص درجہ ہوگیا اور باپ نے اس کی سیاسی تربیت کی تھی۔ دارالعوام میں داخل ہوتے ہی تمام نظریں اس پر پڑنے لگیں کہ یہ شخص تمام توقعات پورے کرے گا۔ اور خود بادشاہ بھی جلد اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ یہی بادشاہ کو اس کی الجھنوں سے نجات دلا سکے گا۔ شلبرن کی کابینہ میں اس کو وزیر خزانہ کی بہت پیچیدہ اور ذمہ دار خدمت دی گئی لیکن فاکس اور نارتھ کی مرکب وزارت میں وہ شریک نہیں ہوا۔ بہت دن نہیں گزرے کہ بادشاہ نے اس وزارت سے پیچھا چھڑانے کی فکر میں اس کو اپنی وزارت بنانے پر زور دینا شروع کیا۔ مگر چونکہ پٹ میں رائے عامہ کا غیر معمولی وجدان تھا جس کا اس کو خاص امتیاز ہے۔ اس نے اس وقت تک وزارت قبول نہیں کی جب تک اس کا وقت نہیں آیا اور اس کے خیال کے مطابق جب تک ایک مستقل اکثریت اس کی تائید پر نہیں آگئی۔ وہ دوسرا لارڈ نارتھ ہونا نہیں چاہتا تھا جو خواہ قوم کا جذبہ کچھ ہی کیوں نہ ہو بادشاہ کے بھرے پر چلے۔

دسمبر ۱۷۸۳ء میں اس کو حالات موافق نظر آئے۔ فاکس کا مسودہ جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی تنظیم کے لئے تھا دارالعوام میں بڑی کثرت سے پاس ہوگیا حالانکہ اس مسودے کے متعلق بادشاہ کی ناراضی سب کو اچھی طرح سے معلوم تھی۔ اس کو دارالامرا میں توڑنے کے لئے جارج نے ایک غیر معمولی تدبیر سے کام لیا جو اس زمانے میں بھی غیر دستوری چیز تھی۔ اس نے ارل ٹمپل کو ایک کارڈ دیا۔ جس پر یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے "حضور نے ارل ٹمپل کو یہ کہنے کی اجازت دی ہے کہ جو شخص مسودۂ ہندوستان کے موافق رائے دے گا وہ صرف بادشاہ ہی کا مخالف ہی نہیں ہوگا بلکہ بادشاہ اس کو اپنا دشمن سمجھے گا اور اگر یہ الفاظ کافی زوردار نہ ہوں تو ارل ٹمپل جس طرح چاہے اس مقصد کے لئے ان سے زیادہ زوردار

الفاظ استعمال کر سکتے ہیں"۔ اگرچہ قدیم حکمرانوں نے اور خود ولیم سوم نے یہ سب کچھ کیا تھا اور اس سے زیادہ غیر آئینی طریقے سے کیا تھا۔ لیکن دارالعوام نے فوراً دُگنی رایوں سے یہ قرار داد بنائی کہ "اس وقت اس امر کا اعلان کرنا ضروری ہے کہ پارلیمنٹ کے کسی ایوان سے متعلق کسی مسودہ یا کارروائی کی بابت حضور کی اصل یا خود ساختہ رائے اس غرض سے پیش کرنا کہ اس سے اراکین کی رائے کو متاثر کرے سنگین جرم اور بداخلاقی ہے۔ تاج کی عزت و ناموس کے لئے دھبا ہے پارلیمنٹ کے اساسی اختیارات کی قطع و برید ہے اور دستور کو پلٹ دینے والا ہے"۔ ایک یا دو روز کے بعد ہندوستان کی اصلاح کی ضرورت کی غرض سے یہ قرارداد کی گئی کہ "یہ ایوان اس شخص کو اپنا دشمن سمجھے گا کہ جو حضور کو غلط مشورہ دے کر اس اہم فرض کی ادائی سے روکے یا کسی اور طریقے سے رکاوٹ پیدا کرے"۔ دارالعوام کے اس انداز کے باوجود بادشاہ کامیاب ہوگیا۔ امراء نے یہ مسودہ رد کر دیا اور دوسرے روز بادشاہ نے فاکس و نارتھ کی وزارت برخاست کر دی۔

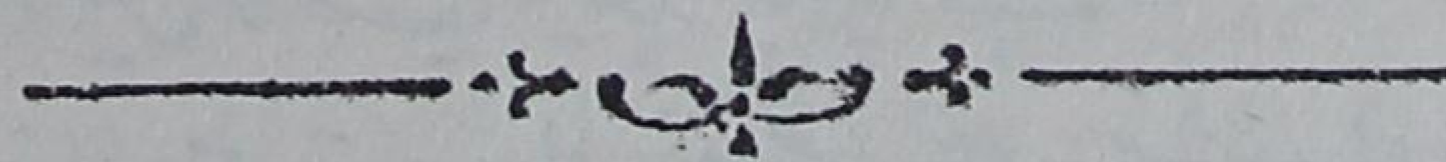
پٹ کی وزارت۔ اس وقت پٹ نے ترتیب وزارت کے فرض کو قبول کر لیا۔ اور اس طریقے سے اس نے زمانۂ حال کے خیال کے مطابق اپنے کو ان تمام افعال کا ذمہ دار بنا دیا جو بادشاہ سے صادر ہو چکے تھے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ حکومت کابینہ کے متعلق ہمارا جو واضح تصور ہے اس کی بنیاد اس زمانے کے انھیں نازک واقعات پر رکھی ہوئی ہے۔ پٹ تو فتحیاب ہوگیا مگر ایسی دوسری فتح اس نے ناممکن کر دی کیونکہ اس ڈرامائی کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام کو اچھی طرح سے اندازہ ہوگیا کہ وزیراعظم کا بادشاہ اور دارالعوام سے واجبی تعلق کیا ہے۔ اس وقت پٹ کی چپیسویں سالگرہ کے لئے چند مہینے باقی تھے اور ترتیب کابینہ کے لئے جو اس نے کوشش شروع کی تو پہلے پہل اس کا مضحکہ اڑایا گیا کہ "یہ ایسی سلطنت ہے جو ایک طفل مکتب کے ہاتھ میں چھوڑی گئی ہے"۔ یہ ایک طفلانہ کھیل کے مماثل ہے وہ کابینہ بچوں کی ایک ٹولی ہے جو وزراء کا کھیل کھیلتے ہیں، انھیں تو مکتب بھیجدینا چاہیئے۔

لیکن یہ وزارت تیرہ سال قائم رہی۔ پٹ نے حالات کا صحیح اندازہ

قائم کر لیا۔ دارالعوام میں یہ تنہا وزیر کابینہ تھا۔ اچھے بخشنے والوں میں صرف ایک شخص اس کی تائید کرتا تھا۔ اس کے خلاف بڑی بڑی اور متواتر اکثریتیں تھیں۔ لیکن دارالعوام شروع ہی سے بیرونی رائے کی خاطر خواہ نمائندگی نہیں کرتا تھا۔ اس بات کو دیکھ کر کہ خیالات کا بہاؤ کس طرف ہے پٹ اپنی جگہ برابر قدم جمائے رہا اور مخالف رایوں کو گرنے دیا یہاں تک کہ ۸ مارچ کو صرف ایک کی اکثریت اس کے خلاف رہ گئی تھی۔ پھر اس نے پارلیمنٹ برخاست کر دی اور اس کے بعد جو عام انتخاب ہوا تو اس میں اس کو بڑی اکثریت مل گئی۔ اس کے باوجود کہ پارلیمنٹ کی بنا ویران بلدیات پر تھی ساتھ ہی انتخابات میں رشوت ستانی کا بازار گرم تھا اور رشتوں کی تقسیم میں کوئی تناسب نہ تھا، قوم نے جدید وزارت کی تائید میں بڑے غلبے کے ساتھ اپنی مشیت ظاہر کر دی۔



BIBLIOGRAPHICAL NOTE.—N. A. Brisco, *The Economic Policy of Robert Walpole*, 1907. J. Morley, *Walpole*, 1889. E. Porritt, *The Unreformed House of Commons*, 2 vols , 1903. T. W. Riker, *Henry Fox First Lord Holland*, 1911. Sir G. O. Trevelyan, *The Early History of Charles James Fox*, 1880. E. R. Turner *The Cabinet in the Eighteenth Century*, *E. H. R.* xxxii, 192, 1917. D. A. Winstanley, *Personal and Party Government*, 1910; *Lord Chatham and the Whig Opposition*, 1912.



باب ۱۷

عمومیت کا ارتقا

پٹ نے بہ حیثیت ٹوری کے خدمت کا جائزہ لیا تھا۔ لیکن وہ بولنگبروک کی طرح تو کجا خود ۱۷۱۶ء کے ٹوریوں کے قماش کا ٹوری نہیں تھا۔ مملکت کی رہنمائی کا اس فریق کو ایک بہت ہی طویل موقع ہاتھ آگیا اور یہ تقریباً اتنا ہی طویل تھا جتنا وھگ فریق کو اٹھارھویں صدی میں ملا تھا۔ لیکن اس واقعے کو چھوڑ کر کہ انھوں نے نپولین کی عظیم الشان محاربات کے مقابلے میں ملک کو صحیح سالم نکال لیا تھا ان کے کارناموں کی فہرست فریق مخالف کے اُن کارناموں کی برابری نہیں کر سکتی تھی جو پچھلے دور میں ہو چکے تھے۔ ۱۷۸۳ء کے بعد جو پشت آئی وہ دستوری ارتقا کے موافق نہیں تھی۔ ایک تہائی صدی ایسی گذرتی ہے جس میں کوئی مطالعے کے قابل ایسی متواتر جنبش قدمی نہیں ہوئی جیسے کابینہ کی تشکیل تھی بلکہ پراگندہ ترقیاں اور کسی بہتر طرز حکومت کی تیاریاں تھیں۔

گو پٹ ایک ٹوری تھا لیکن وہ گذشتہ زمانے کا ٹوری نہیں بلکہ اسے آئندہ زمانے کا ٹوری سمجھنا چاہئے۔ جس طرح ۱۷۶۰ء کے ٹوریوں نے ۱۶۸۸ء کے انقلاب کے نتائج کو بلا کم و کاست مان لیا تھا اسی طرح پٹ اور اس کے فریق نے جسکوپٹ نے

دوبارہ زندہ کیا تھا دھگوں کی بنائی ہوئی کابینہ اور بادشاہ کی دستوری حیثیت کو جو کابینہ کے بدولت ہوئی تھی اس طرح تسلیم کرلیا تھا کہ گویا وہ ہمیشہ کی چیز ہے۔ بہت سے اہم واقعات ہیں ایسے ملیں گے کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جارج سوم اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھا کہ حکومت میں اس کے اختیارات محض برائے نام ہو کر رہ گئے ہیں۔ بلکہ اس کو کبھی کبھی ایسے مواقع بھی ملے جن میں اس نے اپنے اختیارات سے کام بھی لیا۔ لیکن یہ سب اس وقت کی پراگندہ مثالیں ہیں جب کہ خاص حالات نے بادشاہ کو سخت متعصب بنا دیا تھا اور وزرا نے بھی مناسب نہ سمجھا کہ وہ اپنے حقوق پر اصرار کریں۔ حکومت کے روزمرہ انصرام کار میں وزیر اعظم اور اسکی کابینہ ہمیشہ کے لئے اصل عاملہ ہو گئے۔ اب یہ بالکل اس درجے پر آگئے تھے جو قرون وسطیٰ کے سلاطین کو تدبیر مملکت کی تشکیل اور انصرام کی بابت حاصل تھا۔ صرف فرق یہ تھا کہ وزرا اپنے کام میں پارلیمنٹ کے سامنے ذمہ دار تھے۔ دوسرے الفاظ میں ہم ۱۶۸۸ء والی مفاہمت کی تکمیل اس وقت سے قرار دے سکتے ہیں جب کہ ۱۷۸۳ء کے آخر میں پٹ کی وزارت ترتیب دی گئی۔ یعنی بادشاہ برائے نام تمام اختیارات کا حامل رہا کابینہ شاہی اختیارات پورے پورے استعمال کرنے لگی اور پارلیمنٹ کو ہر مسئلے میں مختتم فیصلے کا اختیار حاصل ہو گیا کیونکہ یہ قوم کی آواز ہے جس پر اقتدار اعلیٰ ختم ہو جاتا ہے۔ بالآخر کابینہ اس طرح وجود میں آگئی کہ وہ ایک ایسا آلۂ کار ہے جس کے ذریعے سے پارلیمنٹ عوام کے اقتدار اعلیٰ کو عملی حکومت میں ظاہر کرتی ہے۔

اصول کابینہ کا سمجھ میں نہ آنا۔ لیکن یہ نہیں فرض کرنا چاہئے کہ اس وقت کابینہ کے متعلق جس میں وزارتی ذمہ داری کا اصول بھی شامل ہے پورے طور پر تفہیم ہو گئی مخالف دارالعوام کے مقابلے میں پٹ نے اپنے کو بچانے کی جو کشمکش کی تو اس سے عام ادراک کے پیدا ہونے میں بہت مدد ملی لیکن یہ ادراک ابھی بہت ناقص تھا اور آئندہ پچیس سال میں جاکر آہستہ آہستہ پختہ ہوا۔ واقعات سے جو ۱۷۸۴ء اور اختتام صدی کے درمیان وقوع پذیر ہوئے ہیں ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ادراک ابھی کس قدر ناقص تھا۔ پٹ کی کامیابی کے تین سال کے بعد ریاستہائے متحدہ کا دستور

بنایا گیا تھا۔ اور اس کے بنانے والے امریکہ کے بہترین دماغ والے اور عظیم ترین
علمائے سیاسیات تھے، جنھوں نے نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ ترکیب حکومت
کے مسئلے پر غور کیا تاکہ یہ حکومت اچھے طریقے سے کام کرے۔ اس زمانے
کی خصوصیات کا لحاظ کرتے ان کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ حقیقی کارکن عاملہ
حاصل کیا جائے اور اختیار مختتم ایسی مقننہ کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جائے جو
عوام کی نیابت کرے۔ یہ بالکل وہی مسئلہ ہے جس کو وزرا کی ذمہ داری
حل کر دیتی ہے۔ اور یہ امر قابل لحاظ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے دستور میں
صرف عاملہ اور مقننہ کے محکموں کو ہی جو اس وقت انگلستان میں جڑے ہوئے
تھے۔ ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا بلکہ انھوں نے کابینہ پر کوئی توجہ نہیں کی
اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ذہن میں وزارتی ذمہ داری کا کوئی تصور
نہیں تھا۔

جب ہم صدر جمہوریہ امریکہ کے اختیارات پر غور کرتے ہیں جو دستور
میں اس کو دیے گئے ہیں۔ اور اس واقعے کو دیکھتے ہیں کہ دستور میں کابینہ کا کوئی
ذکر نہیں کیا گیا اور "تمام عاملانہ محکمہ جات کے بڑے عہدہ دار" کہکر ایک سرسری
فقرے سے اس طرف ایک اشارہ کیا گیا ہے، تو صدر جمہوریہ اور اس کے
تعلقات کابینہ کے متعلق ان کا تصور وہی معلوم ہوتا ہے جس سے جارج سوم
نے لارڈ نارتھ کی وزارت میں ان کو روشناس کرایا تھا۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے
کہ ان لوگوں نے جان بوجھ کر ایسی تجویز کی تھی بلکہ اغلباً یہ تصور خود بخود ان کے
ذہن میں آیا ہوگا۔ اگر وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ انگریزی نمونہ کی پیروی کر رہے ہیں
تو یہ خلاف قیاس نہیں ہے اور جب انھوں نے مواخذہ کی کارروائی اختیار کی
تو پھر اس پیروی کے متعلق کوئی شبہہ نہیں رہتا اور یہ یقینی ہے کہ اگر اس وقت انگلستان
میں وزارتی ذمہ داری کا واضح تصور اس طرح موجود ہوتا جیسے پچاس برس کے بعد پیدا
ہوا تو ان کی اجتماع ملی میں اس پر ضرور بحث ہوتی۔ دوسرے واقعے سے انگریزوں کا
اوراک اور زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ ۱۷۹۱ء میں پارلیمنٹ نے پٹ کی وزارت
میں کناڈا کے لئے ایک جدید حکومت مرتب کی۔ اس مسودے پر جو بحث ہوئی اس سے

صاف معلوم ہوتا ہے کہ کناڈا کو اس قسم کی حکومت دینا مطلوب تھا جو انگلستان میں تھی اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہی مخلصانہ ارادہ تھا۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ کناڈا کو نہ تو کوئی ذمہ دار حکومت دی گئی نہ اس کی تجویز ہوئی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نوآبادی میں بغاوت کی بنیاد پڑ گئی جو بعد کو پھوٹ بڑی اور اس سے انگلستان کی مستعمراتی حکومت میں ایک عہد جدید کا افتتاح ہو گیا۔ نہ بلیکسٹن اپنی تصریحات میں نظام کابینہ کا ذکر کرتا ہے نہ ڈی لوم اپنی کتاب میں جو اس نے اہل فرانس کے لیے حکومت انگلستان کے متعلق لکھی تھی، حالانکہ یہ دونوں کتابیں اسی صدی کے وسط میں شائع ہوئی تھیں۔

ہم صرف انیسویں صدی کے اوائل کو ایسی تاریخ قرار دے سکتے ہیں جبکہ کابینہ کا پورا ادراک ہونے لگا اور وہ طریقۂ کار قائم ہوا جس کے ذریعے وزارتی ذمہ داری عمل میں آنے لگی۔ اگرچہ اس وقت بھی یہ ادراک عملی کام کی حد تک تھا نظریاتی وضاحت بہت کم تھی۔ البتہ اس صدی کے وسط میں اس نظام کی کچھ وضاحت قید قلم میں آنے لگی۔ اور یہ ہمارے لیے بہت کچھ اطمینان بخش ہے اور اسی زمانے میں بہ حیثیت مجموعی جدید دستوری شکل پر کچھ مقالے بھی لکھے گئے۔

پارلیمنٹ کی عدم نیابت۔ اسی کے ساتھ ساتھ ہم کو یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ جس طرح ہم اس کے معنی سمجھتے ہیں پارلیمنٹ قوم کی نیابتی مجلس نہیں تھی۔ اور نظام کابینہ کی تکمیل سے اس میں کوئی فرق نہیں ہوا۔ ایک حقیقی نیابتی مجلس اس وقت تک ممکن نہیں تھی جب تک کہ جیبی اور ویران بلدیات موجود تھے اور ان کے توسط سے اعیانی اثرات دارالعوام کی ایک بڑی تعداد پر کیبنٹ پر مسلط تھے اور بہت سے سرکاری ملازمین ایوان میں نشست رکھتے تھے اسی قسم کی دوسری برائیاں موجود تھیں۔ یہ ایک غور طلب بات ہے کہ جس دور سے ہم نظام کابینہ کی پوری تشکیل قرار دیتے ہیں اسی دور میں یہ دونوں مسائل بھی معرض بحث میں آجاتے ہیں۔ بادشاہ کی شخصی حکومت کو ختم کرنے میں پٹ نے جو کامیابی حاصل کی وہ ایک حد تک انھی نتائج کی بدولت تھی گو یہ نتائج کتنے ہی محدود کیوں نہ ہوں سنہ ۱۷۸۲ء میں ان تمام عہدہ داران مال کو پارلیمنٹ رائے دہی سے خارج کیا گیا

جن کی تعداد اور رائے دہندوں میں ۱/۲ یا اس سے کبھی زیادہ تھی چنانچہ ان سے بہ آسانی حکومت کی خواہش کے مطابق رائے لے لیجاتی تھی۔ ان عہدوں کی ایک معتدبہ تعداد توڑ دی گئی جن پر بالعموم اراکین پارلیمنٹ مامور ہوتے تھے۔ اجارہ دار پارلیمنٹ کی نشست سے منع کئے گئے اور خفیہ وظائف کا خاتمہ کیا گیا۔ اس سلسلے میں کچھ اور کام بھی باقی رہ گیا تھا۔ اور گو یہ کام دوسری حد تک ختم نہیں ہوا مگر حقیقی منفعت تو ابھی حاصل ہو گئی۔ نتائج کے اعتبار سے ایک اور چیز اہم ہے جو قطعی تغیر کا باعث ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ پٹ کے وزیر اعظم ہونے سے کچھ دنوں پہلے سے زندگی عامہ میں ایک اعلےٰ معیار پیدا ہونے لگا تھا اور اس کا واقعی سبب یہ تھا کہ خانگی زندگی کا معیار اونچا ہو گیا تھا جو اس کے زمانے کی خصوصیت تھی۔ چنانچہ قوانین اور امتناعات سے زیادہ اس تدریجی اصلاح نے اٹھارھویں صدی کی رشوت ستانی کو ناممکن کر دیا تھا۔ در پردہ رشوتیں اور خفیہ اثرات آہستہ آہستہ مٹنے لگے اور ۱۷۸۲ء کے بعد سے نیو کاسل اور جارج سوم کے حالات نے کبھی عود نہیں کیا۔

پارلیمنٹی نیابت کی اصلاح یعنی مساوی نشستوں کی تقسیم اور نامزدہ اراکین کی تخفیف کے لئے اسی زمانے میں تحریک پیدا ہو گئی تھی۔ پٹ اکبر نے سب سے پہلے اس ضرورت پر زور دیا اور ۱۷۷۰ء میں اس کو پارلیمنٹی بحث کا موضوع بنا دیا تھا۔ ۱۷۷۶ء میں وسیع تبدیلیوں کو پیدا کرنے کے لئے ایک مسودہ پیش کیا گیا لیکن یہ بلا اختلاف مسترد ہو گیا۔ ۱۷۸۰ء میں ڈیوک آف رچمنڈ نے ایک اور مسودۂ اصلاح پیش کیا اور اس کا بھی وہی حشر ہوا۔ اپنی پارلیمنٹی زندگی کے اوائل ہی میں پٹ اصغر کے متعلق معلوم ہوا تھا کہ وہ اس تحریک کو اپنا بنانا چاہتا ہے۔ اس کو اس نے ۱۷۸۲ء میں بڑی پرزور تقریر کے ساتھ پیش کیا اور یہ تحریک کی کہ ایک تحقیقاتی کمیٹی بٹھائی جائے اور صرف بیس رایوں سے اس کو شکست ہوئی۔ دوسرے سال پھر اس نے فریق مخالف کے رکن کی حیثیت میں چند ایسی تحریکیں تجویز کیں جو خاص امور پر مشتمل تھیں ان کا بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اس اثنا میں ملک سے اصلاح کی تائید میں متعدد عرضداشتیں آنے لگیں اور جب پٹ بڑی اکثریت کے ساتھ وزیر اعظم ہوا

تو یہ ۱۷۸۵ء میں اپنے منصوبے پر عود کر آیا جس میں وسیع تبدیلیوں کی تجویز تھی مگر اس مرتبہ بھی چوہتر رایوں کی کثرت سے شکست کھا گیا۔ دار العوام اس وقت تک اپنی اصلاح پر آمادہ نہیں تھا۔ اس سے قبل کہ اس موضوع کو دوبارہ شد و مد سے اٹھایا جاتا انقلاب فرانس پھوٹ پڑا اور اس سے انگلستان کے حکمراں طبقوں میں تبدیلیوں کے خلاف فوراً ایک رد عمل پیدا ہو گیا جو خلاف توقع نہ تھا۔ اس کے باوجود اس منصوبے کی عوام ابھی تک تائید کرتے تھے اور ۱۷۹۰ء میں یہ پارلیمنٹ میں لایا گیا جو پھر ناکام ہوا اور پھر مسٹر گرے کی جو بعد کو ارل گرے ہو گئے۔ تھے نسبتہً اچھی تائید کے ساتھ ۱۷۹۲ء ۱۷۹۳ء اور ۱۷۹۷ء میں پیش کیا گیا۔ منجملہ ان کے پہلے موقع پر پٹ نے یہ اعلان کیا تھا کہ اس موضوع کے متعلق میری رائے نہیں بدلی ہے لیکن میں وقت کو مناسب حال نہیں سمجھتا۔ ”یہ وقت خطرناک تجربات کرنے کا نہیں ہے“ اور اس طرح اصلاح پارلیمنٹ کا مسئلہ ملتوی رہا اور اس کو انقلاب فرانس کے تختۂ وصولیابی میں شامل کرنا چاہیئے۔

لیکن اصلاح پارلیمنٹ کا انکار بھی انقلاب فرانس کا بدترین رد عمل نہ بنا تھا جب یہ انقلاب شروع ہوا ہے تو آزادی اور اچھی حکومت کی امید افزا تحریک سمجھ کر اس کا ہر طرف خیر مقدم کیا گیا۔ جب اس کے وہ میلانات جو در حقیقت تخریبی تو نہ تھے لیکن تخریبی معلوم ہوتے تھے ظاہر ہوئے تو سخت مخالفت اٹھ کھڑی ہوئی اور برک کی کتاب ہے جس نام کا ”انقلاب فرانس پر چند خیالات“ ہے اور جو غیر معمولی طور پر مقبول عام ثابت ہوئی تھی ۱۷۹۰ء میں شائع ہوئی اور فوری اس کی بیس طباعتیں ہو گئیں بڑی تائید ہوئی۔ جو لوگ بالطبع قدامت پسند تھے اور جن لوگوں کا یہ خیال تھا کہ ان کے ہاں کوئی چیز ایسی نہیں جس میں تبدیلی کر کے نقصان پہنچایا جائے ایسے لوگ گھبرا گئے۔ اور جو جرائد اس وقت قومی خیالات کو بالعمل ظاہر کرتے تھے وہ انھیں لوگوں کے ہاتھ میں تھے۔ جس وقت انقلاب کامیاب ہو گیا اور یہ اپنے اصول کو دوسرے ممالک میں زبردستی پہنچانے کے لئے کھڑا ہو گیا اور خاص کر جب فرانس نے ۱۷۹۳ء کے اوائل میں انگلستان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تو یہ دہشت اور بڑھ گئی۔ اس کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ یہ دہشت بالکل بے بنیاد

نہ تھی اور یہ اس وجہ سے تھی کہ جو کوششیں اشتہار بازی اور عام ہیجان کے ذریعے آزاد خیالی کے حامی کرتے تھے وہ مناسب نہ تھیں اور ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کم از کم ٹھچ لی اس پین کی کتاب "حقوق انسانی" کی وجہ سے جو اسی طرح مقبول عام تھی جیسی برک کی کتاب "انقلاب فرانس پر چند خیالات" بعض طبقات نہایت درجہ متوحش تھے۔

اس کے نتیجے کے طور پر سخت قانونی تشدد ہوا اور اس کے بعد عوام کی مخبوط الحواسی کا شدید دورہ پڑا ان دونوں چیزوں کو اب بھی ہم حالات و واقعات کا فطری نتیجہ تصور کرتے ہیں اور ان سے بعد کے زمانے میں بھی لوگ غیر مانوس نہیں تھے۔ قانون اجانب سے باہر والوں پر بندشیں لگائی گئیں "قانون احضار بلوم" معطل کر دیا گیا۔ ایک قانون غداری ایسا پاس کیا گیا جس سے قرار داد جرم سہل ہو جائے۔ باغیانہ جلسوں کے خلاف ایسے قوانین بنائے گئے جن سے مقامی مجسٹریٹ غداری کا تعین کرنے کے مجاز گردانے گئے۔ انجمنوں اور مجلسوں کے متعلق قوانین بنائے گئے اور بعض تو تشدد کے ساتھ مسدود کر دیے گئے۔ مطبع پر مختلف قیود قائم کئے گئے۔ اہل قلم اور ناشروں کو سخت سزائیں دی گئیں۔ باغیانہ تحریروں کے خلاف شاہی اعلانات جاری کئے گئے۔ جن بدنظمیوں کی دھمکی دی جاتی تھی اور پارلیمنٹ کو آنے والے انقلاب سے آگاہ کیا جاتا اُن کو دبانے کے لئے فوج بلائی گئی۔ یہ لغویات تو خیر قانونی شکل میں تھیں لیکن ان سے بدتر وہ مقدمات تھے جن میں عدالتیں عام دہشت سے متاثر ہو کر ملزموں کی سماعت میں ان قانونی تحفظات کی کوئی پروا نہیں کرتی تھیں جو غلط الزام کی بنا پر قانوناً انھیں حاصل ہوتی تھیں غلطی سے برائے نام شہادت پر بھی جرم کی قرار داد ہو جاتی تھی اور ایسے فوری فیصلے ہوتے تھے جن کو مقدار جرم سے کوئی تناسب نہ ہوتا تھا۔ اسکاٹستان کے چند ایسے مقدمات کا حال سن کر فاکس کا یہ کہنا بالکل صداقت پر مبنی تھا کہ "جن لوگوں کے ایسے عادل ہوں ان کا خدا حافظ ہے" تاریخ کا وہ سبق جو ایک زمانے پہلے ان الفاظ میں مدون کیا گیا تھا کہ "انقلاب کی بہترین روک تھام تشدد نہیں بلکہ اصلاح ہے"۔ وقت پر یاد نہیں آتا اگرچہ امن قائم ہونے کے بعد تمام فریق عام طور پر اس طرز عمل پر سخت ملامت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس قدر خوف و ہراس میں پڑنا عقل سے بہت بعید ہے لیکن جب

دوسری جنگ کا وقت آتا ہے تو عوام کو پھر وہی جنون ہو جاتا ہے اور پھر اسی طرح آزادی کے حقیقی تحفظات فراموش کر دیے جاتے ہیں۔ قانون کے سرکاری امین جس ضرورت سے مجبور تھے یہ ضرورت اس وقت تقریباً عالمگیر تھی اور اس سے معاملہ اور خراب ہو رہا تھا کیونکہ اس کو ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ عمومیت کا حقیقی بچاؤ صرف اس بات میں ہے کہ قوم نہایت ایمانداری کے ساتھ ان قیود کی پابند رہے جو خود ان کے عائد کئے ہوتے ہیں۔

فریق بندی کا تعطل۔ دوسری طرف یہ زمانۂ جنگ و جدل ایسے نتائج کو ظاہر کرتا ہے جن کی بعد کو اینگلو سیکسن تاریخ میں کئی مثالیں ہو چکی ہیں، جیسے فریق بندی کا تعطل، حکومت کے مرکزیت آفریں اختیارات اور اس بات کی آمادگی کہ عاملہ کے ہاتھ میں تقریباً آمرانہ اختیارات ہوں۔ اس وقت سے جبکہ پٹ نے پہلی دفعہ پارلیمنٹ برخاست کر دی تقریباً ہر مسئلے پر جو پٹ پیش کرتا تھا ایک خاطر خواہ اکثریت اس کی تائید کرتی تھی لیکن جنگ کی وجہ سے مخالف فریق مضمحل ہو گیا اور اس میں پھوٹ پڑ گئی۔ وھگوں میں جو زیادہ پرانے خیال کے لوگ تھے وہ ۱۷۹۳ء سے خود اپنے فریق کے انتہائی خیال کے لوگوں کے مقابلے میں حکومت کی تائید کرنے لگے اور دوسرے سال ان کے رہنما وزارت میں داخل کر لئے گئے۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ جو فریق مخالف باقی رہ گیا تھا وہ بڑی احتیاط بلکہ کسی قدر مبالغے کے ساتھ اپنا بچاؤ کرنے لگا اور اگر پٹ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے ٹوری فریق کو ایک جدید قالب میں ڈھالا تھا تو وھگ فریق کی جدید ترتیب میں جو آئندہ صدی کی احرار یت کا جنم لینے والی تھی فاکس کا حصہ تھا۔ فوری نتیجہ تو یہ نکلا کہ پٹ کی باقی ماندہ وزارت میں ایک اکثریت غالب کابینہ کی تائید کرتی تھی۔ اس وقت فاکس دارالعوام میں بمشکل پچاس رائے جمع کر سکتا تھا۔ اور اس طرح حکومت پر سے فریق مخالف کا وہ پر زور دباؤ گھٹتا رہا جو اس کی جگہ لے سکتا تھا۔ ان واقعات سے بادشاہ کی وہ تائید معلوم ہوتی ہے جو بہت دنوں تک پٹ کے ساتھ تھی۔ اگرچہ پٹ ایسا وزیر نہیں تھا جو بادشاہ کو دل سے عزیز ہو لیکن اس کو خدمت سے علیحدہ کرنے کی کوئی صورت سبھی نہ تھی۔ نیز جارج یہ سمجھتا تھا کہ دوسرا بدل سوائے فاکس کے

اور کوئی نہیں ہے اور فاکس سے اس کو دلی نفرت تھی۔
پارلیمنٹ کے باہر بھی یہی حالت تھی۔ احرار کے سوا ہر قسم اور ہر رنگ کی رائیں اور تمام طبقات اور پیشہ ور حکومت کی تائید کرنے لگے اور اپنے سابقہ فریقانہ تعلقات کا کوئی خیال نہیں کیا، اور فریق مخالف کے حامیوں کو اس جدائی و فراق پر راضی ہونا پڑا۔ بعد کے مصنف اکثر فاکس اور اس کے حامیوں کی ٹولی کی حمایت کرتے ہیں اور یہ صحیح ہے کہ اس طویل جنگ کے دوران میں ٹوریوں کو غلبہ حاصل رہا اور جب تک یہ غلبہ رہا وہ سیاسی ترقی رکی رہی جو ۱۶۸۸ء کے انقلاب سے برابر جاری تھی۔ مگر اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ اس خوفناک جنگ و جدل کے دوران میں حکومت کی عالمگیر تائید اور آمرانہ حکومت کی تسلیم خلاف توقع اور خلاف امید نہ تھی۔ جذبۂ حب وطن میں اس کی جڑیں گڑی ہوئی تھیں اور یہ جذبہ قومی سلامتی کا منبع ہے۔ جو کچھ کشمکش تھی وہ اس رجحان مرکزیت کے خلاف تھی جو بے لگام جذبات کی تائید کرتا اور شخصی آزادی کو پائمال کرنا چاہتا تھا۔ پٹ کی حکومت نے کبھی مطلق اختیارات استعمال نہیں کیے اور عوام کی آزادی کو خطرے میں نہیں ڈالا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دستور اسی دور آزمائش سے بے کھٹکے صحیح سالم نکل گیا۔

ایک نئے عنصر یعنی رائے عامہ کا پیدا ہونا۔ یہ امر بھی غور طلب ہے کہ جس زمانے میں پٹ برسر حکومت تھا رائے عامہ نے پارلیمنٹ سے باہر انصرام حکومت پر اپنا اثر ڈالنے کے اچھے ذرایع حاصل کر لئے تھے اور اس کا کئی مرتبہ استعمال کیا حالانکہ پارلیمنٹی نیابت میں کوئی اصلاح نہیں ہوئی تھی۔ قومی اجتماعات اور بڑی جماعتوں کی رائے جو ایک طرح سے سوچتی اور عمل کرتی ہوں تدبر مملکت کی تشکیل میں پہلے سے زیادہ موثر ہوگئی۔ اس واقعے کی ایک درخشاں مثال جنگ شروع ہونے سے پہلے نظر آتی ہے۔ اپریل سنہ ۱۷۹۱ء میں پٹ نے محض قومی مخالفت کی وجہ سے اچانک اپنی روسی حکمت عملی ترک کر دی اور اس کے باوجود ترک کر دی کہ روسی حکومت کو پیام آخری دیا جا چکا تھا۔ حالانکہ پارلیمنٹ کی اکثریت اس کے اس منصوبے کی تائید کرتی تھی۔ وہ پیہم کوششیں دیکھنا بھی بہت ضروری ہیں جو جنگ کے زمانے میں اس غرض سے عمل میں لائی گئیں۔ کہ سیاسی مسائل کے دونوں رخ پر عام جذبات کا اظہار ہو سکے۔

اور یہ کوششیں کئی طرح سے کی گئی تھیں یعنی عام جلسے جلوس، وفد، عرضداشتیں اور تاج سے خطاب۔ اور اٹھارھویں صدی کے حالات کا لحاظ کرکے بلوؤں کو بھی غالباً اس فہرست میں شریک کیا جاسکتا ہے یہ نہیں تو انجمنوں مجلسوں اور محفلوں کی تنظیم جن کے نام سے ان کے اصول کی تشہیر ہوتی تھی اور رسالوں اور چھوٹے اور بڑے اشتہارات کے ذریعے تبلیغ کرتے تھے ضرور شامل ہیں۔ رائے عامہ پر اثر ڈالنے کے لیے رسالوں کا استعمال نسبتہً کم ہوتا تھا۔ ایک صدی کے بعد اس کا استعمال زیادہ ہو گیا اور یہ اب تک بھی جاری ہے۔ تین پشتوں میں اخبارات کی طباعت اس قدر بڑھ گئی ہے کہ اب تو یہ رائے عامہ کے اظہار اور تشکیل کا تمام دنیا میں اصل ذریعہ سمجھا جاتا ہے لوگ اس بات کو بھی کسی قدر محسوس کرنے لگے تھے کہ تنظیم یعنے ہمخیال افراد کو باہم منسلک کرنے سے بہت گہرا اثر پڑ رہا ہے۔

اس عملدرآمد کو دیکھنا چاہیے جو فی زمانہ ہوتا ہے تو ان تمام چیزوں کا رنگ روپ بالکل حالیہ معلوم ہوتا ہے۔ جو اس وقت پایا جاتا تھا وہ سب کچھ اس وقت بھی موجود ہے۔ اگر زیادہ صحت کے ساتھ کہا جائے تو یہ اس موجودہ تعمیر کی پیش بندی تھی جس کی پختگی کے لئے ایک صدی درکار تھی قرونِ وسطیٰ میں پارلیمنٹ جو کام کرتی تھی اور جس نقطۂ نگاہ سے پارلیمنٹ کو دیکھا جاتا تھا وہ سب غیر شعوری طریقے سے بدل رہا تھا۔ اب اس بات کی ضرورت نہیں رہی تھی کہ تمام اقطاعِ ملک سے عقلا یہ دریافت کرنے کے لئے جمع ہوں کہ قوم کا نقطۂ نظر کیا ہے یہ دریافت کرنے کے دوسرے اور طریقے بھی موجود تھے۔ یا کم از کم قوم ایسے طریقے سیکھ رہی تھی جن سے عام رائے یا بڑے طبقات ناس کی رائے دریافت ہو سکے۔ اب آہستہ آہستہ اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ پارلیمنٹ کا خاص کام یہ ہے کہ ان فیصلوں کو جو کسی دوسری جگہ طے ہوئے ہوں قانون کی شکل میں یعنے ایسی شکل میں ملبوس کرے کہ اس کے ذریعہ عہدہ داران عاملہ اور عدالتوں پر حکومت کی جاسکے۔ انتخاب کے متعلق ابھی یہ خیال نہیں تھا کہ اس سے پارلیمنٹ کو اختیارات ملتے ہیں لیکن کسی قدر شعور سے اتنا سمجھنے لگی تھی کہ پارلیمنٹ کو اپنے جذبات سے واقف کرانے کے لئے پوری کوشش کرنی چاہیے کہ عوام فلاں فیصلہ یا کارروائی دل سے چاہتے ہیں۔

جس زمانے میں فرانس سے لڑائی ٹھنی ہوئی تھی وہ پہلا اور بڑا زمانہ ہے جب کہ ان طریقوں کا عام استعمال ہوا لیکن یہ ان کے آغاز کا زمانہ نہیں ہے۔ جارج سوم کے اوائل عہد سے ان کا استعمال روز افزوں ہو گیا اور ان کا اثر بھی پڑنے لگا۔ ولکس جو ایک اخبار کا ناشر اور پارلیمنٹ کا رکن تھا ۱۷۶۳ء میں اس علت میں گرفتار ہوا کہ اس نے بادشاہ کی تقریر پر حملے کئے تھے اور ازالۂ حیثیت عرفی کا مرتکب قرار دیا گیا۔ اس کے مقدمے میں رائے عامہ نے جو ان طریقوں سے ظاہر کی گئی عام طلبنامۂ گرفتاری کو غیر قانونی قرار دینے میں بڑی مدد دی یعنی ایسے طلبنامۂ گرفتاری کو ناجائز قرار دیا جو مقام تلاشی، اشخاص کی گرفتاری اور اشیا کی ضبطی کا تعین نہ کرے۔ اس مقدمے میں جوری کا حق بھی معرض بحث میں آیا کہ جوری اس بات کا فیصلہ کرے اگر عام طریق میں اشاعت ہو تو آیا اس کی شکل ازالۂ حیثیت عرفی کی ہوتی ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ پارلیمنٹ میں کیا کہا گیا عوام کا شوق روز بروز بڑھنے لگا اور یہ اسی امیلان کی ایک دوسری علامت ہے۔ پارلیمنٹ ہمیشہ دروازے بند کر کے بحث کرتی تھی۔ پارلیمنٹ کی ابتدائی تاریخ میں دروازہ بند کرنا خود حفاظتی کی تدبیر تھی اور یہ اس وقت اپنی حفاظت کا واحد ذریعہ تھا کہ بادشاہ اس کی آزادی تقریر میں مداخلت نہ کرے۔ اب اختیار مختتم کا حال اور یہ جذبہ کہ اس کے ساتھ کیا ذمہ داری ہے سب بدل رہے تھے۔ عوام پارلیمنٹ کے مباحث میں اس وجہ سے دلچسپی لینے لگے تھے اور ان مباحث کو محض اظہار رائے ہی تصور نہیں کرتے تھے بلکہ انھیں خود اپنی رائے کا کم و بیش پرتو سمجھتے تھے۔ اس صدی کے وسط سے پہلے سے پارلیمنٹ کی تقریریں حافظے یا زبانی روایت سے بیان کی جانے لگیں جو غیر مصدقہ اور بڑی حد تک ذہنی ہوتی تھیں۔ جس زمانے میں امریکی نوآبادیوں سے پرخاش شروع ہوئی تھی اس وقت سے بیان کی صحت ٹھیک ہونے لگی اور دارالعوام خود اس طرف متوجہ ہو گیا۔ بعض نے یہ کوشش کی کہ ایوان کے قواعد کی پابندی ہونی چاہیے اور اشاعت نہ ہونی چاہیے لیکن شہر لندن مخالفت پر ایسا اڑا کہ یہ کوشش رائگاں گئی۔ اگرچہ پارلیمنٹ نے کئی سال تک اپنے ضابطے نہیں بدلے لیکن ۱۷۷۱ء سے ان کی خلاف ورزی کی طرف سکوت اختیار کیا جانے لگا اور اس پر کوئی گرفت نہیں کی گئی۔

قومی مسائل میں عوام کی روزافزوں دلچسپی اوران مسائل کے تصفیے میں اپنی آواز بلند کرنے کا روزافزوں شوق ایسی علامتیں تھیں جنھیں میلان عمومیت کا قطعی ثبوت سمجھنا چاہیئے۔ لیکن ایک مختلف راستے سے اور ایک ایسے میدان میں جو سیاسی معاملات سے دور ہونے کی وجہ سے حاشیۂ خیال میں نہیں آسکتا تھا جداگانہ قومی محرکات تیار ہو رہے تھے اور ان محرکات نے دوسری پشت میں انگلستان کو واقعی عمومیت پسند بنا دیا۔ عمومیت کی یہ تیاری وہ ہے جس کو اس تمام دور کے دستوری ارتقا میں جو پٹ کے حصول اقتدار سے لیکر ۱۸۱۵ء کے زوال نپولین تک برابر جاری رہا ایک عظیم الشان ترقی سمجھنا چاہیئے۔ اگرچہ بظاہر ابتدا میں یہ تحریک ہم کو دستوری تاریخ کے دائرے سے ہٹا دیتی ہے لیکن اس سے یہ اصول تاریخ واضح ہو جاتا ہے کہ ترقی کی تمام راہوں کا ایک دوسرے پر دارومدار ہوتا ہے۔

معاشی انقلاب۔ یہ معاشی ترقی کا میدان ہے جس میں ہم کو داخل ہونا پڑتا ہے۔ معاشی تغیرات نے جو اٹھارھویں صدی کے وسط میں شروع ہوئے تجارت اور صنعت وحرفت میں کامل انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ ان کے نتائج اس وجہ سے غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں کہ ان سے انگلستان اس بیس سال کے جنگ وجدال کے تباہ کن بوجھ کو جو فرانس کے فاتحانہ منصوبوں کے خلاف ہوئی تھی سہارنے کے قابل ہو گیا۔ اگرچہ یہ عواقب بہت وسیع ہیں لیکن تاریخ عالم پر اس کا سب سے زیادہ عظیم الشان اور دائمی اثر عمومیت کا ارتقا ہے جو انھیں تغیرات سے پیدا ہوا اور اس کا اثر اب تک زائل نہیں ہوا اس سے انگلستان کی تاریخ دستوری میں ایک جدید عہد کا آغاز ہو گیا جس کی اہمیت خاندان لنکاسٹر یا خاندان اسٹوارٹ کی تخت نشینی سے بھی زیادہ تھی۔

کلوں میں بھاپ کا استعمال گو پہلی چیز نہیں ہے لیکن منجملہ اور چیزوں کے ایک اساسی چیز ہے کیونکہ اس سے وسعت کے تمام حدود ٹوٹ گئے۔ اس کی تکمیل سے پہلے جدید کلوں کی خصوصاً کپڑے کی صنعت میں ایسی حیرت انگیز ایجادیں ہوئیں جن میں بھاپ استعمال ہو سکتی تھی لیکن بھاپ اور جدید کلوں سے ایندھن اور لوہے کی طلب شدید ہو گئی۔ اس طلب کی فراہمی فوراً اس طریقے سے عمل میں آئی کہ کوئلہ اور خام لوہے کی

بڑی بڑی مقداریں کارخانوں کے پاس پہنچائی گئیں اور لوہا پگھلانے اور فولاد بنانے کے طریقوں میں بہت اصلاح کی گئی۔ پیداوار کی روز افزوں ترقی سے ایک شدید طلب نقل و حمل کے اچھے ذرائع اور وسیع بازاروں کی بھی پیدا ہو گئی۔ ان دونوں طلبوں کا فوراً سامان بھی ہو گیا۔ نہروں کا جو جال بچھ گیا تو اس سے صنعتی شہر ایک دوسرے سے اور سمندر سے مربوط ہو گئے۔ پھر فرانس پر جو فتوحات حاصل ہوئیں تو صلحنامہ ۱۷۸۶ء کی رو سے بہت جلد وسیع بازار کھل گئے اور پیداوار خام کے مخزن ہاتھ آ گئے۔ جس طرح سرعت سے صنعت و حرفت نے ترقی کی اسی طرح تجارت بھی بڑھی اور انھیں سنین میں زراعت میں بھی ترقی ہوئی اور اس کی وجہ سے اتنا تو ہوا کہ گھر کی پیداوار سے اس آبادی کی غذائی طلب پوری کی جانے لگی جو صنعتی مرکزوں میں جمع ہو گئی تھی۔

آبادی کا یکجا ہونا سیاسی ارتقا کی طرف ایک زینہ تھا۔ کلوں کا بھاپ سے چلنا قیام کارخانہ جات کا باعث ہوا اور کارخانوں کے معنی آبادی کے یکجا جمع ہونے کے ہوتے ہیں۔ گھریلو اور دیہاتی صنعتیں رفتہ رفتہ ہٹ گئیں۔ ایسی جگہ جہاں پہلے کوئی متنفس نہ تھا بڑے بڑے قصبات بن گئے اور پرانے قصبات بہت پھیل گئے۔ اس سے دو نتائج برآمد ہوئے۔ اوّل تو پرانے طبقات میں ایک ہی پشت کے اندر نیچے کے طبقوں سے غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ صنعت و حرفت کے منافع سے ایک جدید مالدار طبقہ خود صناعوں کی جماعت میں سے یا ان خاندانوں میں سے جو پہلے نمایاں نہیں تھے اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے پرانی اعیانیت کے دوش بدوش ذی اثر جگہ حاصل کر لی۔ نیز اسی کے ساتھ متوسط طبقے میں بھی بڑی تعداد کا اضافہ ہوا۔ یہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ مزدوروں کا تقریباً ایک جدید طبقہ پیدا ہو گیا اور یہ طبقۂ مزدوران پرانے زراعتی انگلستان کے غبی کاہل اور ناسمجھ مزدوروں سے بہت مختلف تھا۔ ان طبقوں کے حجم میں جو تغیرات ہوئے تو ان سے ملک کے بڑے حصے کی عام فضا اور بالخصوص سیاسی فضا بدل گئی۔ سیاسی زندگی کے یہ جدید عناصر تھے جو اپنی جگہ لے رہے تھے اور یہ قدامت کی طرف مائل نہ تھے۔ یہ اپنے موجودہ حالات کی طرف سے بےچین تھے اور پرانے خیالات کے بہت کم پابند تھے۔ یہ نہ صرف

ہر تبدیلی کے لئے تیار تھے بلکہ انتہائی تبدیلی کی طرف مائل تھے اور ان اصلاحوں کے طالب تھے جن سے ان کی ملکیتی یا مقامی حیثیت متاثر ہوتی تھی۔

لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ سیاسی زندگی کا یہ شدید انقلاب اچانک عمل میں آگیا ہوگا کوئی ابتدائی اثرات قطعی نہیں تھے بلکہ ان کی نوعیت محض ایک میلان کی تھی لیکن ابتداءً ایسی اچانک ہوئی کہ اس کو چھوڑنا ناممکن ہو گیا۔ جو تغیرات اس معاشی انقلاب کی وجہ سے اور جو تغیرات اس کے ساتھ رونما ہوئے وہ آہستہ آہستہ بڑی تحریک کی صورت میں ترقی کرتے گئے اور اس سے حکومت اور تمام سیاسی کیفیات پر عمومی تسلط ہونے لگا۔ یہ تحریک اس وقت سے لیکر آج تک برابر پھیلتی رہی اور گہری ہوتی رہی اور مرکزی اور مقامی امور کے انصرام کو اپنا مقصد بنالیا اور اسکی تکمیل کرتی رہی۔ ایک حقیقی مفہوم میں یہ تبدیلیاں جو پیدا ہوئیں وہ انقلابی نہیں تھیں۔ انھوں نے انگلستان کے ماضی سے رشتہ نہیں توڑا بلکہ یہ اس میلان کی طبعی ترقی اور حکومت پر اسکا مکمل انطباق تھا جو عوام کے اقتدار اعلیٰ کی جانب تاریخ انگلستان میں آج کئی صدیوں پہلے سے جاری ہو چکا تھا۔ ان اغراض کی تکمیل کے لئے انگلستان میں پیورٹین طبقے نے جو کوششیں انقلابی فضا میں اور انتہائی مذہبی خیال کے جوش و خروش میں کی تھیں وہ انگلستان میں قبل از وقت ہونے کی وجہ سے لاحاصل ثابت ہوئی تھیں لیکن یہی چیز امریکہ میں ماضی کے قدرتی میلانات کو پختہ کرنے اور جلد پختہ کرنے کے باعث ہوئی۔ اب انیسویں[19] صدی کے اوائل میں انگلستان ابھی عمومی نتائج کے قریب آنے لگا ہے اگرچہ یہ رفتار ایسی آہستہ تھی کہ اس سے انڈی پنڈنٹ یا خود مختار گروہ مطمئن نہیں ہو سکتا تھا لیکن یہ درمیانی پشتوں کا مقابلہ کرنے سے زیادہ تیز معلوم ہوتی تھی۔ ہمارا اس تغیر کو انقلابی کہنا نامناسب نہیں ہے۔ اس کی کچھ تو وجہ ان تغیرات کی درخشاں نوعیت ہے اور کچھ وجہ یہ ہے کہ وہ قوتیں یعنے معاشی قوتیں جن کا کام اب تک آنکھوں سے اوجھل تھا اور جدید طبقے کھلے بندوں سیاسی دنگل میں آگئے تھے۔

آئرستان سے اتحاد۔ جنگ فرانس اور قومی مالیات کے علاوہ پٹ کے نظم و نسق کا سب سے بڑا کارنامہ آئرستان کا اتحاد ہے جس کو تعمیری تدبر کہا جا سکتا ہے۔ ۱۸۰۱ء میں اسکا چستان سے جو اتحاد ہوا تھا وہ خود مختار قوموں کا

اتحاد تھا جو برابر کے نامہ و پیام اور باہمی رعایتوں سے عمل میں آیا تھا۔ اہلِ آئرستان ایک ماتحت قوم تھی اور ماتحت قوم بھی ایسی کہ اس کے ساتھ خاص خاص قسم کی مجبوریاں عائد تھیں۔ بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد سے آئرستان کی آزادی کے لئے بہت کچھ رعایتیں کی گئی تھیں، مثلاً پوئے ننگ قوانین منسوخ کر دیئے گئے تھے اور اسی طرح جارج اول کا قانون نافذ ہو گیا تھا جس کی رو سے انگلستان کی پارلیمنٹ کو آئرستان کے لئے قانون بنانے کا حق حاصل تھا۔ لیکن ان معاملات میں جو قیام اتحاد سے متعلق تھے صورتِ حال میں کوئی معتد بہ فرق نہ ہوا تھا۔ اب نامہ و پیام کی ضرورت تھی اور یہ نامہ و پیام آئرستان سے نہیں بلکہ راشی بلدیات کے مالکوں سے کرنا ضروری تھا اور ان لوگوں کو جو سیاسی اثر رکھتے تھے مراعات دینی ضروری تھی۔ ۱۱۸ بلدیات میں سے جو آئرستان کی پارلیمنٹ کو اپنے ارکین بھیجتے تھے۔ ۱۱۰ بلدیات ایسے تھے جن کے مالک خانگی لوگ تھے۔

آئرستان کی سیاسی حالت اس وقت برطانیۂ عظمیٰ کے لئے خطرے سے خالی نہیں تھی۔ ان قوانین کو جن کا اوپر ذکر ہوا ۱۷۸۲ء میں منسوخ کر کے آئرستانی پارلیمنٹ کو کامل اختیارات قانون سازی دیئے گئے لیکن آئرستانی پارلیمنٹ کو عاملہ پر کوئی واقعی اقتدار نہیں تھا۔ کیونکہ عاملہ کا تقرر انگلستان کی موجودالوقت وزارت کرتی تھی اور یہ عاملہ اس کے سامنے ذمہ دار تھی اور نیابت کے قبیح طریقے کی وجہ سے جو اس زمانے میں جاری تھا یہ عاملہ مقننہ پر مسلط تھی۔ ۱۷۹۲ء میں کیتھلکوں کو پارلیمنٹی حق رائے دہی عطا کیا گیا لیکن ابھی وہ خود منتخب ہونے کے اہل نہیں تھے حالانکہ ان لوگوں نے عبادت۔ تعلیم۔ زمینداری اور فوج اور بحریہ میں کمیشن کے تقررات کی آزادی حاصل کر لی تھی۔ انگریزی کلیسا اس جزیرے کا مسلمہ کلیسا تھا اور منحرفین کو جن میں پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک دونوں شامل تھے اس کلیسا کی مدد کے لیے عشر دینا پڑتا تھا، ۱۷۹۸ء کی بےچینی بغاوت کی باعث ہوئی۔ اس کوشش میں پروٹسٹنٹ اور کیتھولک مفکرین کو متحد کرنے کا جو منصوبہ تھا وہ ناکام ثابت ہوا اور یہ کوشش صرف کیتھولکوں کی طرف سے عمل میں آئی معلوم نہیں فرانس کی جرار فوجیں آ تیں تو کیا ہوتا! بہرحال اس کوشش کا ناکام ہونا پہلے سے لکھا تھا۔ کئی ایک مہمیں فرانس نے بھیجی گئیں جو سب کی سب

ناکام ہوئیں۔ اس شورش سے سوائے اس کے کوئی فائدہ نہ ہوا کہ انتہائی تشدد اور خونریزیوں کی جدید یادگاریں دونوں جانب قائم ہوگئیں اور مستقبل اور بھی زیادہ پیچیدہ ہوگیا۔

تاہم آئرستان کا مہیب خطرہ باقی رہا اور جہاں تک ہو سکے اس کا رفع کرنا ضروری تھا۔ آئرستانی بغاوت کو فرو کرنے کے بعد پٹ نے اس بات کا عزم کر لیا کہ آئرستانی پارلیمنٹ کی خود مختاری کو ختم کر دے اور اس نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ اسی کے ساتھ پروٹسٹنٹ فوقیت کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اگر پٹ کا تمام منصوبہ اختیار کر لیا جاتا تو انگریزی آئرستانی تعلقات کا مستقبل بالکل مختلف ہوتا۔ پٹ نے اپنی تجویز کے سیاسی حصے کو پورا کر لیا لیکن مذہبی حصے میں ناکام ہوا۔ آئرستانی پارلیمنٹ کا خاتمہ کر دیا گیا۔ بلدیات کے خانگی مالکوں کو کثیر صرفے سے معاوضہ دیا گیا۔ برطانوی دارالعوام میں آئرستان کے ایک سو اراکین بڑھائے گئے اور اٹھائیس دنیوی اُمراء جو عمر بھر کے لئے منتخب ہوئے تھے اور چار مذہبی اُمراء دارالامرا میں زیادہ کئے گئے۔ ایسا آئرستانی امیر جو برطانوی دارالامراء میں کام نہ کرتا تھا وہ کسی انگریزی حلقۂ انتخاب کی طرف سے دارالعوام کے لئے منتخب ہو سکتا تھا لیکن آئرستانی حلقۂ انتخاب کی طرف سے معین نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ ایسا انتظام تھا کہ اس سے بعد کو لارڈ کاسلری اور پامرسٹن نے فائدہ اٹھایا تھا۔

جارج سوم و آئرستان۔ لیکن پٹ اس بات کو سمجھتا تھا کہ آئرستان کو سلطنت متحدہ میں ضم کرنے سے اس ملک کی تمام مشکلات حل نہیں ہو سکتیں۔ یہ سیاسی اتحاد اس تمام سلسلۂ اصلاحات کی جس کو پٹ عمل میں لانا چاہتا تھا ایک ابتدائی کڑی تھی۔ اس کے بعد سے جو اصلاحیں ہوئیں ان سے واقعی تعمیری نتائج کی توقع تھی۔ منجملہ ان کے رومن کیتھولکوں کی آزادی اور ان کی کامل سیاسی مساوات اولین تدبیر تھی اسی اعتقاد سے آئرستان کو اتحاد کے لئے آمادہ کیا گیا۔ پٹ نے کوئی صریح وعدہ نہیں کیا تھا لیکن کابینہ کے عمل سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ اس کے بعد کیتھولکوں کی اعانت ہوگی۔ لیکن اس معاملے میں وزارت کی حکمت عملی بادشاہ کی ضد اور ہٹ سے متصادم ہوگئی۔ جارج مذہبی خیالات کی وجہ سے اس کا سخت مخالف تھا۔ وہ اس امر کا معتقد تھا کہ اس نے حلف تاجپوشی میں اس بات کی قسم کھائی ہے کہ "اس ملک کے اساقفہ اور پادریوں اور کلیساؤں کے جو

ان کے ودیعت ہیں ان تمام حقوق اور اختیارات کی جو ان کو یا ان کے کسی شخص کو قانوناً حاصل ہیں یا حاصل ہوں گے حفاظت کروں گا" اگر وہ رضامندی ظاہر کرے تو وہ حلف شکنی ہوگی"۔ پٹ اس بحرانی کیفیت کو اپنی پرانی دور رسی سے سلجھا نہیں سکا بلکہ استعفا دینے پر مجبور ہو گیا۔ اس مسئلے پر جارج سوم کا اڑ جانا شاہی اختیار خصوصی کی طرف سے آخری پیچیدہ اور اہم مداخلت تھی اور یہ آخری مرتبہ تھا کہ بادشاہ نے اس تدبیر مملکت میں مداخلت کی جس کو ملک کے ذمہ دار وزرا نے نہایت غور و خوض کے ساتھ مرتب کیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مداخلت کی دوسری مثالیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں لیکن ان کی اہمیت اتنی نہیں ہے۔ اس مداخلت سے رومن کیتھولک گروہ کی آزادی جس کی شدید ضرورت تھی تیس سال کے لئے ملتوی ہو گئی۔

جو وزارتیں ۱۸۱۲ء تک نسبتاً تھوڑے تھوڑے وقفے سے یکے بعد دیگرے آئیں ان کی سیاست میں کوئی خاص دستوری دلچسپی کی چیز نہیں پائی جاتی۔ جس وقت پٹ ۱۸۰۴ء میں دوبارہ وزیر اعظم ہوا اس نے فاکس کو اپنی کابینہ میں شامل کرنا چاہا تھا لیکن بادشاہ نے صاف انکار کر دیا اور وزارت فاکس کے بغیر بنائی گئی۔ لیکن ۱۸۰۶ء میں پٹ کے انتقال ہوتے ہی اس کی وزارت چور چور ہو گئی اور بادشاہ کے لئے سوائے اس کے کوئی صورت نہ تھی کہ ایک ایسی وزارت "قابلیت مجموعی" منظور کرے جس میں فاکس وزیر خارجہ تھا جس وقت ۱۸۰۱ء میں پٹ نے استعفا دے دیا تھا اس نے بادشاہ کی ہمدردی میں یہ وعدہ کیا تھا کہ جب تک جارج زندہ رہیں گے میں اس مسئلے کو پھر نہیں پیش کروں گا کیونکہ جارج اسی کیتھولک مسئلے کی وجہ سے سخت علیل ہو گیا تھا۔ ۱۸۰۷ء میں بادشاہ نے لارڈ گرینویل کی وزارت سے بھی یہی وعدہ لینا چاہا تھا کیونکہ اس وزارت نے بھی یہی تجویز پیش کی تھی۔ لیکن اس وزارت نے اس سے انکار کر دیا اور مستعفی ہو گئی۔ ان تغیر پذیر وزارتوں کے دوران میں چند دنوں کے لئے دھگ برسر خدمت ہو گئے تھے لیکن ۱۸۱۲ء میں پھر لارڈ لیورپول کی پندرہ سالہ ٹوری وزارت شروع ہو گئی۔

تولیت۔ لیکن اس سنہ سے پہلے ہی جارج سوم کا عہد حکومت فی الحقیقت ختم ہو گیا تھا۔ اس پر دماغی مرض کے بار بار حملے ہوتے رہے۔ چنانچہ

اس زمانے میں وہ سیاسی کاروبار میں حصہ لینے کے ناقابل ہو گیا۔ پہلے پہلے جو حملے ہوئے تھے ان سے فوری شفا ہو گئی تھی لیکن ۱۸۱۰ء کا دورہ دیرپا ثابت ہوا اور جو تولیت ۱۸۲۰ء تک قائم رہی وہ تاریخ انگلستان میں سب سے طویل ہے۔ بادشاہ کی علالت کے وقت ۱۷۸۸ء میں تولیتوں کے متعلق جو بحث ہوئی تھی وہ غیر معمولی دستوری دلچسپی رکھتی ہے۔ ایام ماضی میں تولیتوں کے تقرر و تنظیم میں مجلس عظمیٰ کو بہت کچھ دخل تھا گو اس کا صریح تعین نہیں ہوا تھا۔ جب پارلیمنٹ اس کی جانشین ہوئی تو اس نے بالخصوص پارلیمنٹی جدوجہد کے خاص زمانے میں یعنی پندرھویں صدی میں وسیع فرائض حاصل کر لیے تھے۔ اس زمانے کی نظائر کی بنا پر یہ استدلال جائز ہو سکتا تھا کہ متولی کے تقرر اور اس کے حدود کے تعین کا اختیار جن کے تحت متولی اختیارات شاہی کو استعمال کرے تنہا پارلیمنٹ کو حاصل ہے اور کوئی دوسرا شخص تا آنکہ خود وہ شخص جو تاج کا عین وارث ہو اس حق کا دعوےٰ نہیں کر سکتا۔ ہنری ہشتم کے عہد میں بادشاہ کو ایک خاص قانون کی رو سے یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ اپنے جانشین کے لیے مجلس تولیت کا تقرر کرے۔ جس کے معنی یہ تھے کہ اس کو قانون کے بغیر بادشاہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔ ہنری نے اپنے بیٹے اڈورڈ ششم کے لیے ایک ایسی مجلس ترتیب دی تھی لیکن اس نے اس مجلس کو جس طرح مرتب کیا تھا وہ اس کے انتقال کے بعد کسی قدر بدل دی گئی۔

۱۷۸۸ء میں یہی مسئلہ زیر بحث تھا۔ یہ ہانوور ی خاندان کی خصوصیت تھی کہ ولیعہد باپ کے مخالف اور کبھی کبھی سخت ترین مخالف ہو جاتے تھے اور برسر حکومت کابینہ کے خلاف پارلیمنٹ کی رہنمائی کرتے تھے۔ جارج جو بعد کو جارج چہارم ہو گیا ۱۷۸۸ء میں وھگ فریق کے رہنماؤں سے جو خدمت سے علٰحدہ تھے مل گیا۔ یہ لوگ وزارت پٹ کی جگہ لینا چاہتے تھے حالانکہ اس کو بنے ہوئے صرف پانچ سال ہوئے تھے۔ اس بات کا سب کو یقین تھا کہ اگر شاہزادہ ویلز متولی ہو جائے تو اختیار خصوصی کے زور سے وھگ اسی طرح اچانک برسر حکومت ہو جائیں گے جس طرح پٹ کو بادشاہ نے مقرر کیا تھا۔ چنانچہ ان لوگوں نے یہ استدلال کیا کہ تولیت تو اس کا حق ہے اور بادشاہ کے پورے اختیارات اس کو ملنے چاہئیں

اور پارلیمنٹ صرف اس حد تک فیصلہ کر سکتی ہے کہ تولیت کب سے شروع ہو۔ اگرچہ اس دعوے پر بہت زبردست استدلال کیا گیا لیکن نہ تو تاریخ سے اس کی تائید ہوتی تھی نہ اس زمانے کی رائے عامہ سے جس طرح خود اس کے معاملے میں ہوا تھا اسی طرح اس وقت بھی پٹ کو صاف یقین تھا کہ بادشاہ کی تائید سے ایک سیاسی فریق پارلیمنٹ کے خلاف اپنی طاقت قائم رکھ سکے گا اس لئے اس نے عام رائے کے مطابق یہ استدلال کیا کہ اس معاملے میں پارلیمنٹ کو کامل اختیارات حاصل ہیں کہ جس طرح وہ مناسب سمجھے کرے۔ فریق مخالف کے برتنے پر خود شاہزادہ ویلز کو اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ اپنے بھائی ڈیوک آف یارک کے توسط سے دارالامرا میں باضابطہ الفاظ میں یہ اعلان کرے "میں ان مقدس اصولوں سے خوب واقف ہوں جن کی بنا پر خاندان برنسویک تخت پر بیٹھا اور میں ہرگز کسی ایسے اختیار کو استعمال نہ کروں گا جو عوام کی مرضی سے ماخوذ نہ ہو یا جسے عوام اپنے نمائندوں اور امراء کے ذریعے جو پارلیمنٹ میں جمع ہوتے ہیں ظاہر نہ کریں گے"۔

جن اصولوں کے موافق پٹ نے استدلال کیا تھا وہ کافی مخالفت اور جارج سوم کے بیٹوں کے باضابطہ احتجاج کے باوجود مسودہ تولیت کی شکل میں ۱۸۱۱ء میں پاس ہوا۔ شاہزادہ ویلز متولی بنایا گیا لیکن اس کے اختیارات خصوصی کے استعمال پر چند قیود قایم کر دیئے۔ اس کے باوجود یہ خیال تھا کہ ٹوری فوراً خدمت سے خارج کر دیئے جائیں گے۔ اور وھگ وزارت بنائی جائے گی۔ اگر شاہی اختیارات کا اس طرح خود رایانہ استعمال ہوتا بھی تو اس زمانے میں بھی بغیر مخالفت کے تسلیم کر لیا جاتا باوجودیکہ حکومت کابینہ کے مفہوم میں ۱۷۸۳ء سے عظیم الشان ترقی ہو چکی تھی۔ لیکن شاہزادہ وارث تخت کی حیثیت سے نہیں بلکہ بادشاہ کے نقطۂ نظر سے معاملات کو دیکھنے لگا تھا چنانچہ وزارت کی کوئی تبدیلی عمل میں نہیں آئی۔ اپنی زندگی کے باقی ایام میں اس نے اپنے آپ کو ایسا ٹوری ثابت کیا تھا جیسے اس کا باپ تھا۔ ایک تبدیلی جو تولیت کے انتظام میں عمل میں آئی وہ قابل غور ہے۔ گذشتہ زمانے میں یہ چیز عام تھی کہ تولیت کے لئے علٰحدہ مجالس قائم کیجاتی تھیں جو پارلیمنٹ کے سامنے خاص طور پر

ذمہ دار ہوتی تھیں۔ لیکن جب یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو چکی تھی کہ حکومت ملک کے ساتھ کابینہ کی کیا ذمہ دارانہ حیثیت ہے تو اس خاص کونسل کی مزید ضرورت نہیں سمجھی گئی اور بعد کے قوانین تولیت میں یہ خصوصیت باقی نہیں رہی۔

اس تاریخ تک نہ صرف کابینہ کے مناصب اچھی طرح سمجھ میں آگئے تھے بلکہ وزیر اعظم کی خدمت بھی سمجھ میں آگئی تھی جس کے خلاف تقریباً تمام اٹھارھویں صدی احتجاج کرتی رہی تھی۔ یہ اور اک لارڈ میلویل کے ایک خط سے اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے جو ۱۸۰۳ء میں لکھا گیا۔ اس میں پٹ کے وہ خیالات ظاہر ہوتے ہیں جو ایڈنگٹن والی کابینہ میں داخل ہوتے وقت تھے۔ لارڈ میلویل کہتا ہے کہ پٹ نے یہ خیالات ظاہر کئے ہیں کہ "اس ملک کے امور کے انصرام کے لئے ایک حقیقی اور مسلمہ وزیر کی ضرورت ہے جو کونسل میں خاص وزن اور وقعت رکھتا ہو اور بادشاہ کے اعتماد میں بھی اس کو خاص جگہ ہو۔ اس طریقے سے کوئی رقابت نہیں پیدا ہوگی اور اختیارات میں پھوٹ نہیں ہوگی۔ یہ اختیار ایسے شخص کے ساتھ وابستہ ہونا چاہیئے جو بالعموم وزیر اول کہلاتا ہے اور پٹ کے خیال میں ایسے وزیر کو مالیات کا صدر ہونا چاہیئے۔ اپنے اطمینان بخش تجربے کے ساتھ پٹ جانتا ہے کہ یہ چیز عاملانہ محکموں کے طبعی ربط و ضبط اور باہمی صلاح و مشورہ کے منافی نہیں ہوگی۔ گو عام سلیقے کی نظری حقیقت دیکھی جائے تو اس کے خلاف محسوس ہو۔ لیکن اس کے باوجود اگر بدقسمتی سے اختلاف رائے اس حد کو پہنچ جائے جہاں کوئی مصالحت یا رعایت رشتہ جوڑ نہ سکے تو وزیر کو موقع دینا چاہیئے کہ وہ اپنے خیالات سنوائے اور نظم و نسق کے دوسرے ارکین کو یہ سہولت ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے حالات کے تحت وہ کام کریں جس کو وہ ایمانداری کے ساتھ ضروری سمجھیں۔"

پٹ غالباً اپنے تجربے سے بہت جلد سمجھ گیا تھا کہ وزیر اعظم کی صحیح حیثیت کیا ہوتی ہے گو عام طور پر اس کا تصور اس وقت ناممکن تھا لیکن یہ یاد رہے کہ انیسویں صدی کے پہلے عشرے میں نظام کابینہ خاطر خواہ کام کرنے لگی تھی اگرچہ بہ حیثیت مجموعی اس نظام کی پوری وضاحت تحریر اور طباعت میں کئی سال گزرنے سے پہلے نہیں آئی پٹ کی طویل وزارت سے ایک بدیہی تبدیلی ہوئی۔ جس وضاحت سے یہ اپنی حیثیت سمجھا تھا، نیز اس کی کابینہ میں ایسا رقیب موجود نہ تھا جو ذہنی قابلیت میں اس کا

ہم پلہ ہو۔ پھر جس سلیقے سے اس نے بادشاہ کے ساتھ تعلقات کو معین کیا تھا اس کے علاوہ جنگ کے زمانے میں مرکزی حکومت کی یکجائی ان تمام چیزوں نے مل جلکر وزیر اعظم کے موجودہ عہدے کو ہمیشہ کے لیے مستقل بنا دیا۔ اس کے ساتھ کابینہ کا استحکام اور عملی حکومت سے بادشاہ کی علحدگی پہلے سے زیادہ واضح ہوگئی۔ جب کابینہ بطور وحدت کے وزیر اعظم کی پیروی کرے اور بادشاہ سے بے نیاز ہو۔ اور بادشاہ اراکین کابینہ کے توسط سے وزیر اعظم کی حکمت عملی میں دخل نہ دے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ موجودہ نظام عملاً کام کر رہا ہے۔

عصر جدید۔ ۱۸۱۵ء میں نپولین کے ساتھ جنگ و جدل کا ختم ہونا تاریخ انگلستان میں ایک جدید عصر کا آغاز کرتا ہے۔ جب ہم اس تحویل کی تمام تفصیلات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ ابھی انگلستان اٹھارھویں صدی کے انوکھے اور غیر مانوس حالات میں تھا اور ابھی انگریز ایک ہی قوم میں تھے ان حالات اور ماحول میں آجاتے ہیں جو ہمارے لئے مانوس اور مطابق حال معلوم ہوتے ہیں۔ اس احساس کی کچھ تو یہ وجہ ہے کہ سیاسی زندگی میں نوجوانوں کا ایک ایسا جمگھٹا نمودار ہوگیا کہ ایک طرف ان کی جدوجہد تھی اور ان کے ساتھ ان کے کمسن ہمعصروں کی جدوجہد انگریزوں کی روزمرہ روایت میں شامل ہوگئی نیز جو لوگ ابھی ادھیڑ عمر کو پہنچ چکے تھے ان کی ان سے بھی ذاتی واقفیت تھی اس احساس کی کچھ وجہ یہ بھی ہے کہ معاشی انقلاب کے نتائج اب سیاسی دائرے میں صاف طور پر نمایاں ہونے لگے تھے اور یہ وہ نتائج ہیں جن کا روزافزوں اثر یہاں تک بڑھتا رہا کہ آج وہ واقعی میں سیاسی زندگی پر چھائے ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ۱۸۱۵ء میں ہم جس ماحول میں داخل ہوتے ہیں وہ اپنی موثر خصوصیات کی وجہ سے جارجوں کا زمانہ نہیں بلکہ زمانہ حال معلوم ہوتا ہے۔

ان لوگوں کی جماعت خاص طور پر دلچسپ ہے جو اپنے سیاسی مقصد پر آچکے تھے یا آنے والے تھے۔ بروم۔ پامرسٹن۔ سر رابرٹ پیل اور لارڈ جان رسل پارلیمنٹ میں داخل ہوچکے تھے اور پامرسٹن اور پیل نے سرکاری خدمت بھی شروع کردی تھی۔ اول الذکر کی عمر ۳۱ سال اور آخر الذکر کی عمر ۲۷ سال تھی۔ رابرٹ اُدون

کی طرح ولیم کو بیٹ بھی معمر تھا لیکن اس کی زندگی کا وہ زمانہ جس پر اس نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ اصلاحی کام کیا ہے اور جس اصلاح میں اس نے معاشی انقلاب کے بعض نتائج خاص طور پر ظاہر کئے ہیں وہ ۱۸۱۶ء سے پہلے نہیں شروع ہوتا۔ رچرڈ کوبڈین۔ جان برائٹ۔ گلیڈسٹن اور ڈزرئیلی سب سے نوخیز تھے۔ اور اگرچہ یہ لوگ انیسویں صدی کے آغاز کے بعد پیدا ہوئے تھے لیکن ان کے دماغ جدید تاثرات سے متاثر تھے اور یہ بہت جلد اپنی درخشاں زندگی شروع کرنے والے تھے۔ ان میں سے اکثر یا کم از کم پیل کوبڈین۔ برائٹ اور گلیڈسٹن وہ لوگ ہیں جن پر کوبیٹ اور اوون کی طرح ان طاقتوں کا گہرا اثر تھا جو معاشرتی اور سیاسی محرکات کے آفریدہ تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ ان طاقتوں نے سب سے پہلے انھی لوگوں کی قوت عمل سے سیاسی جامہ پہنا۔ یہاں اس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ ریاستہائے متحدۂ امریکہ کی تاریخ میں یہ زمانہ انھی اعتبارات سے جدید قرار دیا جاتا ہے اور اس کو یہ بھی امتیاز ہے کہ اس میں کالون وبسٹر۔ کلے۔ جان کوینسی ایڈمز اور انڈرو جیکسن جیسے لوگ سیاسی زندگی میں نمودار ہوئے جو اس صدی کی درمیانی نسل پر چھائے ہوئے تھے اور سیاسی زندگی میں ان کا کام اور حیثیت اس سے کم نہیں تھی جو ڈیوک ولنگٹن کو انگلستان میں حاصل تھی۔

معاشی تغیرات کا اس زمانے کی عام زندگی پر جو اثر تھا جو اس قدر زیادہ تھا کہ عصر جدید کے کسی جدوجہد میں نیز رہنمایان سیاست کی جدوجہد میں بھی نہیں پایا جاتا۔ یہ جنگ کا زمانہ بظاہر خوش حالی کا زمانہ تھا۔ اونچے نرخ کے ساتھ خوب بکری ہوتی تھی۔ تجارت اور صنعت وحرفت بہت پھیل گئی تھی اور دولت بہت تیزی سے جمع ہو رہی تھی۔ لیکن یہ خوشحالی کسی قدر بناوٹی تھی اور ان خاص حالات کے ہٹ جانے سے جو جنگ کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے پھر گھٹ گئی اور جو طبقات کہ خوشحال نہیں تھے معاشی مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ جنگ ختم ہوتے ہی شورش اور بےچینی شروع ہو گئی اور یہ بےچینی کچھ تو معاشی تھی کیونکہ مزدور طبقات میں حقیقی فاقہ کشی کی نوبت آ پہنچی تھی۔ اور کچھ اس کی وجہ یہ تھی کہ پارلیمنٹ اصلاح یا اشتراکیت کی طرف مزید انقلابی تغیرات کا مطالبہ

تیز ہو گیا۔ یہ پارلیمنٹ اب تک قوم کے اعیانی طبقے کے ہاتھ میں تھی اور یہ بالخصوص زمیندار طبقہ تھا۔ شورش کے خلاف جو تدبیر اختیار کی گئی وہ سخت تشدد آمیز تھی۔ ان غالی عناصر کی طرف سے قولاً و فعلاً کچھ مبالغہ ضرور ہو رہا تھا اور اسی کے باعث حربی قوت کا استعمال بلکہ وہ واقعہ جو خونریزی پیٹرلو کے نام سے موسوم ہے حق بجانب قرار دیا گیا۔ سیاسی غداری کے خلاف جدید قوانین پاس کئے گئے جن سے عام جلسوں اور اسلحہ کے استعمال کا حق محدود کر دیا گیا اور قوانین نافذہ کی سختی اور بڑھا دی گئی۔ احضار ملزم کے شقّے کو معطل کیا گیا۔ لیکن یہ بات بہت جلد واضح ہو گئی کہ آخر عشروں کے معاشرتی تغیرات نے مزدوروں کا جدید طبقہ ایسا پیدا کر دیا ہے کہ ان کو آسانی سے زیر نہیں کیا جا سکتا۔ باوجود تمام تشدد آمیز کوششوں کے شورش ہوتی رہی اور دار العوام میں جلد اس کے موئید بھی پیدا ہو گئے یہ کہا جاتا ہے کہ پارلیمنٹ میں غالیوں کی سب سے پہلی اور بڑی فتح ۱۸۲۴ء کے قوانین اجتماع کی تنسیخ ہے جن کے تحت مزدوروں کے ایسے اجتماعات ناجائز قرار دئے گئے تھے جو اپنی سدھار چاہتے تھے۔

اصلاح کی ابتدا۔ لیکن ۱۸۲۴ء تک اس بات کے آثار ہو دار ہو چکے تھے کہ انیسویں صدی کا سب سے پہلا اور بڑا زمانۂ اصلاح آ رہا ہے۔ لارڈ لیوریول کی وزارت جب کہ وہ ۲۳-۱۸۲۲ء میں دوبارہ مرتب ہوئی گو ٹوری تھی لیکن اصلاحی وزارت تھی۔ اگرچہ اس کے اصلاحات دستور میں اتنے گہرے نہیں تھے۔ قانون فوجداری کو بدلنے کے لئے مدت سے زور دیا جا رہا تھا۔ انیسویں صدی کے اوائل کے مجموعۂ تعزیرات میں کوئی دو سو کے قریب ایسے جرائم شامل تھے جن کی سزا موت تھی۔ منجملہ ان کے اکثر ایسے تھے جو قرون وسطیٰ کی میراث تھے بعض تین قسم کی جعلسازی نیز کئی ایک معمولی جرائم مثلاً معمولی قسم کا سرقہ سزائے موت کے مستوجب سمجھے جاتے تھے۔ چونکہ عملاً ایسی سخت سزائیں نہیں دی جاتی تھیں اس لئے جملہ تعزیری اصول کی تبدیلی کی ضرورت تھی۔ ۱۸۲۲ء اور ۱۸۳۰ء کے درمیان یہ رد و بدل ہوئی اور کتب قوانین میں سزائے موت صرف سنگین جرائم کے لئے رکھی گئی۔ ساتھ ہی فوجداری سماعت کا ضابطہ بھی سہل بنایا گیا۔

مالی اصلاحات بھی اختیار کی گئیں جو نہ صرف بذات خود اہم بلکہ اس وجہ سے بھی زیادہ اہم تھیں کہ ان سے اس قسم کی اصلاحات کا طویل سلسلہ قائم ہو گیا۔ یہ قرار پایا کہ بین الاقوامی عہد ناموں کے تحت جب کہ دوسری قومیں اسی قسم کی رعایت کریں صدیوں پرانے قوانین جہازرانی میں ترمیم ہو سکتی ہے۔ اور اس طرح اس نظام کا گویا خاتمہ ہو گیا۔ قانون اجناس کی ترمیم کر دی گئی جو قدیم سے جاری تھا اور جنگ کے اختتام پر اس کو اس وجہ سے تقویت دی گئی تھی کہ ملکی زراعت کی اس سے حفاظت ہوتی تھی اور زراعت کو اس وقت امداد کی ضرورت تھی۔ اس قانون کی معقولیت پر سخت اعتراض ہوئے۔ اس سے زیادہ اہم چیز یہ ہے کہ عام تامینی طریق پر حملہ ہو گیا۔ اگرچہ آزاد تجارت کو قائم کرنے کی کوشش نہیں کی گئی لیکن اس مقصد کی طرف پیش قدمی ضروری ہوئی تھی۔ مصنوعات اور بالخصوص پیداوار خام کے کثیر اشیاء پر محصول درآمد و برآمد گھٹا دیئے گئے اور بعض صورتوں میں بہت گھٹا دیئے گئے اور قطعی ممانعت کا اصول بالکل اٹھا دیا گیا۔ برآمد کی امداد اور مزدوروں کے ترک وطن کی ممانعت منسوخ کر دی گئی۔ آزاد تجارت کی بنیاد تو ڈال دی گئی تھی لیکن اس کی منزل ابھی بہت دور تھی۔ تاہم واقعات اور تجربات کا بڑا ذخیرہ جمع کیا گیا تاکہ وہ آئندہ کے لئے ثبوت کا کام دے۔

کیتھولک آزادی۔ مذہبی رواداری کے سلسلے میں جو تدابیر اختیار کی گئیں وہ نہ صرف عام غور و فکر کے لئے بہت کچھ جاذب توجہ تھیں بلکہ آئندہ ترقی کے لئے نہایت ضروری تھیں۔ سنہ ۱۷۶۰ء سے لیکر سنہ ۱۸۲۰ء تک جارج سوم کے تمام عہد میں کیتھولک منکرین کی اکثر قیود اٹھائی گئی تھیں۔ لیکن ان تمام امور کا تعلق سیاسی حیثیت سے زیادہ مذہبی عقیدے اور مذہبی رسوم سے تھا۔ سترھویں صدی کے "قانون آزمائش" اور قانون بلدیات ابھی نافذ العمل تھے گو عملاً ان سے چشم پوشی کی جاتی تھی اور جو لوگ ان کی خلاف ورزی کرتے تھے ان کو سزا سے بچانے کے لئے سالانہ قوانین برأت پاس کئے جاتے تھے۔ بالآخر یہ سنہ ۱۸۲۸ء میں منسوخ کر دیئے گئے۔ دوسرے سال "قانون آزادی طبقہ کیتھولک" پاس کیا گیا جو اس سے بھی زیادہ اہم تھا۔ آئرستان سے اتحاد ہونے کی وجہ سے آبادی میں کیتھولک فرقے کا تناسب غیر معمولی طور پر بڑھ گیا تھا

اور ان کے لئے قانون بنانا پارلیمنٹ کا فرض تھا اس لئے کہ اس اتحاد سے موجود الوقت قوانین کی ناانصافی شدت سے قابل توجہ ہوگئی تھی۔ دانیال اوکونل کی رہنمائی میں آئرستان کے اندر جو روز افزوں شورش بڑھنے سے ملک خانہ جنگی کے کنارے لگ گیا تھا۔ ۱۸۲۹ء میں ڈیوک آف ویلنگٹن کی ٹوری وزارت نے تغیر کر ہی دیا۔ پہلے پہل جارج چہارم نے اسی زور و تشدد کے ساتھ اپنی ناراضی کا اعلان کیا جس طرح اس کے باپ نے کیا تھا لیکن حالات کے زور سے ہار ماننے پر مجبور ہوا۔ یہ آخری موقع تھا جب کہ بادشاہ نے ایک تدبیر کو جس پر کابینہ متفق ہوگئی تھی ٹھکرانے کی دھمکی دی۔ قانون آزادی سے کیتھولک مذہب والے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں اور چند استثناؤں کے ساتھ مقامی اور مرکزی تمام ملکی خدمات میں قبول کئے گئے۔ لیکن اس سلسلے میں نسبتہً تھوڑا سا اور کام باقی رہ گیا تھا۔ کیونکہ یہودی ۱۸۵۸ء تک پارلیمنٹ میں داخل نہیں کئے گئے تھے اس کے علاوہ منحرفین بھی ۱۸۷۱ء تک جامعات میں مساویانہ مراتب کے ساتھ قبول نہیں کئے گئے۔

اس اثنا میں اصلاح کے لئے ہر طرف ایک عام مطالبہ شروع ہوگیا جو قطعی دستوری نقطہ نظر سے بہت اہم اور اس کا عمل میں لانا بہت مشکل تھا اور یہ پارلیمنٹی نیابت کی اصلاح تھی پچھلی دو پشتوں سے اس کی عام طور پر ضرورت محسوس کی جارہی تھی اور ایک نہ ایک حامی کی طرف سے یہ چیز کئی دفعہ پارلیمنٹ میں آچکی تھی۔ اب عوام میں یہ روز افزوں شورش کا محور بن گئی۔ اس پارلیمنٹ میں جس نے کیتھولک آزادی منضبط کی تھی اس پر اس وجہ سے خاطر خواہ غور نہیں کیا گیا کہ بادشاہ کے انتقال کے بعد جدید انتخاب کی ضرورت پیش آگئی تھی۔ جارج سوم کا ۱۸۲۰ء میں انتقال ہوا۔ اگرچہ حقیقت یہ ہے کہ اس کا عہد حکومت ۱۸۱۰ء پر ختم ہوگیا تھا کیونکہ وہ حکومت کے ناقابل ہوگیا تھا۔ ۱۷۹۰ء کے بعد قوم کو جس سخت کشمکش میں ہو کر گزرنا پڑا تھا اس دوران میں بادشاہ اپنی قوم کے ساتھ جذبات و مقاصد میں اس قدر ہمدل و ہمزباں ہوگیا تھا اور قومی بہبودی کا اس قدر دلدادہ ہوگیا تھا کہ اس کی بدولت اس کو ایسی ہر دلعزیزی حاصل ہوگئی جو اس کے پہلے کسی انگریز بادشاہ کو حاصل نہ تھی۔ اس کے بیٹے جارج چہارم کو کبھی ایسی ذاتی یا سیاسی عزت نہیں ملی تھی۔ اپنے باپ کے

برعکس اس کے اخلاق و عادات خراب تھے اور وہ حکومت کے معاملات میں غفلت کرتا اور بہت کم دلچسپی لیتا تھا' اس لئے اُس کی عزت اپنے تمام پیشروؤں سے کم ہی ہوتی تھی اس کے بعد اُس کا بھائی ولیم چہارم اس کا جانشین ہوا۔ اگرچہ بھی سیاسی اُمور سے ناواقف تھا لیکن اس نے دھگ اصول برقرار رکھے۔ وہ ان فرائض کے متعلق جو ایک بادشاہ پر لاحق ہوتے بہت باخبر تھا اور جو قیود اس کی دستوری حیثیت کے ساتھ وابستہ تھے پوری صداقت کے ساتھ ان کی پابندی کرتا تھا۔



BIBLIOGRAPHICAL NOTE.—P. A. Brown, *The French Revolution in English History*, 1918. P. Mantoux, *La Revolution Industrielle au XVIII• Siecle*, 1905. E. Porritt, *The Unreformed House of Commons*, 2 vols., 1903. Lord Rosebery, *Pitt*, 1891. A. Toynbee, *Lectures, on the Industrial Revolution*, 1913. G. M. Trevelyan, *Lord Grey of the Reform Bill*, 1920. Sir G. O. Trevelyan, *George III and Charles Fox*, 1914. G. S. Veitch, *The Genesis of Parliamentary Reform*, 1913. G. Wallas, *Life of Francis Place*, 1898.



باب ۱۸

عہد اصلاحات

اٹھارھویں صدی کے قبیح طریق عمل کی وجہ سے پارلیمنٹی نیابت کی اصلاح کی ضرورت اہل غور و فکر کے لئے نہایت درجہ جاذب توجہ تھی۔ ایک دفعہ ۱۷۶۶ء میں اور پھر ۱۷۷۰ء میں لارڈ چیتھم نے موجود الوقت نظام کی سخت ملامت کی تھی ۱۷۷۶ء میں ولکس نے ایک مسودہ پیش کیا تھا جس میں وسیع تغیرات کی تجویز تھی لیکن ایوان کی کوئی جماعت بھی اس کے لئے راضی نہیں ہوئی۔ ۱۷۸۰ء میں ڈیوک آف رچمنڈ کے مسودہ کا بھی یہی حشر ہوا۔ اس مسودے میں جن تغیرات کی تجویز تھی پٹ اصغر نے ۱۷۸۲ء اور ۱۷۸۳ء میں اصلاح کی لاحاصل تحریکیں کیں اور جب وہ وزیر اعظم ہوا تو ۱۷۸۵ء میں ایک مسودہ پیش کرنا چاہا جس میں معتد بہ اصلاح کی تجویز تھی لیکن اس کو پیش کرنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ اس زمانے کے تقاضائے انصاف کے مطابق پٹ کی تجویز یہ تھی کہ سلطنت کے صرفے سے تقریباً ۵۰ بلدیات میں خانگی مالکوں اور بلدی شخصیتوں کے حقوق خرید لینے چاہئیں اور ان کی نیابت لندن اور اس کے اضلاع میں کی جانی چاہئے۔ یہ پٹ کی آخری کوشش تھی۔ دوسروں نے اس سے زیادہ کوششیں کیں جو مایوس کن ثابت ہوئیں۔ فلڈ نے ۱۷۹۰ء میں اور گرے نے جو بعد کو

ارل گرے ہوگیا اور جس کا نام مدت تک اصلاح کے ساتھ وابستہ تھا ایک دفعہ ۱۷۹۲ء میں اور پھر ۱۷۹۳ء اور ۱۷۹۷ء میں اس کی کوشش کی تھی۔ یہ بالکل قدرتی بات تھی کہ انقلاب فرانس جس کے واقعات بہت سوں کو بے پناہ معلوم ہوتے تھے اور یہ زیادتیاں اس کے جمہوری میلان کا لازمی نتیجہ تھا اس تدبیر کے ردعمل کا باعث ہوا جس میں اسی قسم کے میلانات پائے جاتے تھے۔ جن مدبروں نے اس دور جنگ وجدل میں تربیت پائی تھی ان کے دلوں سے اصلاح اور اس کے نتائج کا خوف دور کرنا آسان نہ تھا۔ اس کے لیے کئی سال کی ضرورت تھی۔ یہ تحریک ۱۸۰۹ء، ۱۸۱۰ء، ۱۸۱۸ء اور ۱۸۱۹ء میں پیش کی گئی لیکن کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔ جان رسل نے جس کو ۱۸۳۲ء کے مسودۂ اصلاح سے بہت کچھ تعلق ہے اس کے لئے سنہ ۱۸۲۰ء میں اپنی پہلی تحریک کی اور پھر اس کو ۱۸۲۲ء ۱۸۲۳ء ۱۸۲۶ء ۱۸۲۸ء اور سنہ ۱۸۳۰ء میں بار بار پیش کیا۔ اس اثنا میں دوسروں نے بھی کوشش کی اور یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کوشش کے پیچھے رائے عامہ کا ایک بڑا مواد جمع ہو رہا ہے۔

غیر مساوی نیابت۔ صنعتی انقلاب کے نتائج نے جو عمومی روح پھونک دی تھی تو اس سے عوام کی تائید بہت بڑھ گئی اور اس طرح اصلاحی تجویز بہت امید افزا ہوگئی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ پرانے طریق کے خلاف ایک مدت سے کافی مواد جمع ہو چکا تھا۔ پندرھویں صدی سے قوانین انتخاب میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی تھی۔ ابھی تک صوبوں کے اراکین زمینداروں کی رائے سے منتخب ہوتے تھے جن کی سالانہ مالیت چالیس شلنگ ہوتی تھی اور بلدیات کے انتخاب کے لئے رائے دہندوں کی ایک خود ساختہ فہرست تھی جو مدت دراز سے مقررہ تصور کی جاتی تھی یعنی ان میں حق رائے وہی معین تھا اور یہ شروع ہی سے خود بلدیات کا طے کیا ہوا تھا۔ آبادی اور نیابت کے تناسب میں کوئی مساوات نہیں تھی یہ عدم مساوات صوبوں میں کچھ کم تھی تو بلدیات میں بہت تھی۔ پیوریٹنی مصلحین نے موجودہ مفہوم کے مطابق اس کا انتظام کرنا چاہا تھا لیکن ان کی تدابیر جاری نہیں رہیں اور صنعتی انقلاب کے بعد آبادی جو کایا پلٹ ہوئی تو خاص طور پر بلدیات میں یہ ناہمواریاں بہت بڑھ گئیں۔ بڑے بڑے قصبات ایسے نئے پیدا ہو گئے جنھیں مطلق نیابت حاصل نہ تھی۔

پرانے بلدیات سے آبادی بہت گھٹ گئی تھی اولڈ سیرم جہاں سرے سے کوئی منتخب کنندہ ہی نہیں تھا گاٹن جہاں صرف سات منتخب کنندگان تھے اور ٹیوسٹاک جہاں دس تھے ہر ایک دو دو اراکین بھیجتا تھا۔ برخلاف اس کے مانچسٹر اور برمنگھم کا کوئی نمائندہ منتخب نہیں ہوتا تھا۔ چھیالیس مقامات کی طرف سے جہاں ہر جگہ چالیس سے بھی کم منتخب کنندگان تھے ۹۰ اراکین بھیجے جاتے تھے۔ اس سے زیادہ بدتر صورت یہ تھی کہ آبادی کے گھٹاؤ اور ساتھ حق رائے دہی کی تحدید کے ساتھ ساتھ اکثر بلدیات جو دارالعوام میں اپنے اراکین بھیجتے تھے بڑے بڑے ہمسایہ زمینداروں کے ہاتھ میں آگئے اور یہ زمیندار یا تو ملکیت اراضی کے زور سے انتخاب پر اثر ڈالتے تھے جن کو جیبی بلدیات کہنا چاہیئے یا حسب ضرورت رائے دہندوں کو خرید لیتے تھے اور ان کو ویران بلدیات کہنا چاہیئے۔ ڈیوک نیو کاسل دارالعوام کے گیارہ اراکین لارڈ لانسڈیل نو لارڈ فٹز ولیم آٹھ اراکین نامزد کرتے تھے۔ چند امرا ایسے تھے جو باہم اپنی طرف سے پینتالیس اراکین بھیجتے تھے۔ اس طریقے سے ایوان کی تقریباً نصف رکنیت عام حلقۂ انتخاب کی نیابت کرنے کی جگہ خانگی اغراض کی نیابت کرتی تھی۔

اوائل نومبر ۱۸۳۰ء میں جب کہ اس سال کا پارلیمنٹی انتخاب ختم ہو چکا تھا اسی ارل گرے نے جو اٹھارھویں صدی کی کوششوں کا رہنما رہ چکا تھا دارالامرا کی بحث میں یہ امید ظاہر کی تھی کہ اب یہ اصلاح عرصے تک ملتوی نہیں رہ سکتی۔ وزیر اعظم ڈیوک ولنگٹن نے جواب میں موجودالوقت حالات کی بے معنی مبالغہ آمیز تعریف کی اور منجملہ اور چیزوں کے یہ کہا کہ اگر مجھے کسی ملک کے لئے قانون ساز ادارات بنانے کے لئے کہا جائے تو میں نہ صرف وہاں کے بلکہ انگلستان کے موجودہ ادارات بھی نہیں بنا سکتا "کیونکہ انسان کی فطرت اس قابل نہیں ہے کہ وہ اس کمال تک یکدم پہنچ سکے"۔ یہ الفاظ ایک شرارہ ثابت ہوئے اور جس سے چلتی گاڑی کو زور سے دھکا دیا اور یہ ظاہر ہو گیا کہ لوگوں کے قلوب کس قدر ایک قطعی تغیر کے لئے آمادہ ہیں نومبر کی پندرہ تاریخ کو ایک مالی مسئلے پر ولنگٹن کی وزارت کو دارالعوام میں شکست ہو گئی اور وزارت نے استعفا دے دیا۔ بادشاہ نے ارل گرے کو طلب کیا

جس نے جدید وزارت ترتیب دی اور نئے انتخاب کا سوال اٹھائے بغیر اسی اجلاس سے کام چلاتا رہا۔ دارالعوام میں برائے نام ٹوری اکثریت تو تھی لیکن رائے عامہ نے علانیہ واضح کر دیا تھا کہ وہ اصلاح کی خواہاں ہے اور اس طرح بغیر انتخاب عامہ کے اصلاح کی تائید کے لئے آسانی سے ایک بڑی اکثریت حاصل ہو سکتی تھی۔

سنہ ۱۸۳۱ء کا انتخاب۔ اس مسودے کو مارچ کی پہلی تاریخ جان رسل نے پیش کیا جو اس تجویز کا علمبردار تھا اور آج بیس سال سے دارالعوام میں تقریروں اور تحریکوں کے ذریعے سے اس تجویز کو آگے بڑھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ مسودہ پہلی اور دوسری خواندگیوں میں پاس تو ہو گیا لیکن دوسری خواندگی میں اس کی تائید پر چھ سو سے زیادہ رایوں میں صرف ایک کی اکثریت تھی۔ پارلیمنٹی عملدرآمد کے مطابق دوسری خواندگی میں چھوٹی اکثریت شکست کے مماثل سمجھی جاتی تھی۔ دوسری خواندگی کے پاس ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ایوان اس مسودے کے اصول کو مان لیتا ہے لیکن اس کے فروعات کا تصفیہ باقی رہ جاتا ہے جو تمام ایوان کی کمیٹی میں طے ہونا چاہیئے اور تجربہ یہ تبلاتا ہے کہ اکثر اراکین عام اصول کو تو مان لیتے ہیں لیکن اس کے عام فروعات کے ساتھ اتفاق نہیں کرتے۔ اس وقت یہی صورت ہوئی اور انیس اپریل کو اس مسودے کی ترمیم پر کابینہ کو آٹھ اراکین کی اکثریت سے شکست ہو گئی۔ پھر وزارت نے ملک کے سامنے مسئلہ پیش کیا پارلیمنٹ برخاست ہو گئی اور جدید انتخاب کا انتظام ہوا۔ اور یہ اصلاح انتخاب کی آواز کے ساتھ عمل میں آئی جو اس مہم کا خاص مسئلہ تھا۔ اس انتخاب میں غیر معمولی جوش و خروش کا اظہار کیا گیا اور اصلاح کے علمبرداروں نے بڑے عزم و استقلال کا ثبوت دیا۔ بعض جیبی بلدیات سے خود ان کے مالکوں کے خلاف ارکان منتخب ہو گئے اور اس طریقے سے حکومت کے لئے ایک اکثریت حاصل کی گئی جو اس زمانے کا لحاظ کرتے واقع میں بڑی اکثریت تھی۔ اور یہ کام اس قدر جلد ہوا کہ ۲۴ جون کو لارڈ جان رسل نے تقریباً اسی مسودے کو پھر پیش کیا آٹھ جولائی کو اس کی دوسری خواندگی ۱۳۶ کی اکثریت سے پاس ہو گئی اور ۲۱ ستمبر کو یہ مسودہ ۱۰۹ کی کثرت سے بالکلیہ پاس ہو گیا۔

دارالامراء کا اس تجویز کی مخالفت کرنا ایک قدرتی بات تھی کیونکہ یہ تجویز اعیانیت کے سیاسی اثر کو ملیامیٹ کرنے والی تھی لیکن اصلاح پسندوں نے شاندار مقابلہ کیا۔

اور جو مباحثہ ہوا وہ دارالامرا کی تاریخ میں ایک نہایت ہی فاضلانہ مباحثہ تھا۔ الغرض یہ مسودہ ، ۴۱ رایوں میں اہم کی اکثریت سے مسترد ہوگیا۔ دارالامرا میں حکومت کی کسی تجویز کے شکست کھانے سے وزارت کا مستعفی ہونا لازم نہیں آتا۔ چنانچہ قرار داد اعتماد سے اپنے ہاتھ پیر مضبوط کر کے جو دارالعوام میں فوراً منظور ہوا کابینہ نے یہ فیصلہ کیا کہ پارلیمنٹ کو اس قصد سے ملتوی کر دینا چاہئیے کہ شاید دوسرے اجلاس میں اس مسودے کو دوبارہ پیش کرنے کی اجازت مل جائے۔

ان دو اجلاسوں کے درمیان جو وقفہ گذرا اس میں عوام کا جوش و خروش اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا کسی مسئلے کے متعلق پارلیمنٹ سے پہلے ایسا جوش کبھی ظاہر نہیں ہوا۔ اور اس کے بعد بھی شاید ہی اس کی کوئی مثال ملے۔ انگلستان اور امریکہ کی سیاست میں حتمنہ پر رائے عامہ کا زور ڈالنے کی جو تدابیر پائی جاتی ہیں وہ سب استعمال کی گئیں مثلاً عظیم الشان جلسے، پرجوش تقریریں، جلوس و عرضداشتیں، اخبار و رسائل کے مضامین۔ بعض مقامات پر اس مسودے کے انتہائی حامیوں کی طرف سے بلوے بھی ہوئے جن سے ان لوگوں کو زیادہ نتائج کی توقع تھی۔ دوسرے اجلاس میں دارالامرا کو صاف معلوم ہوگیا تھا کہ اکثریت قوم کا جذبہ کیا ہے۔

۱۲ دسمبر کو ایک جدید مسودہ پیش کیا گیا۔ پچھلی تقریروں سے تجربہ حاصل کر کے اس میں بہت کچھ اصلاح کر دی گئی تھی۔ اس پر پھر خاطر خواہ بحث ہوئی۔ ۲۳ مارچ کو یہ منظور ہوا اور دارالامرا میں بھیجا گیا۔ ہر شخص جانتا تھا کہ اب واقعی لڑائی ہوگی اور امرا پر غیر معمولی دباؤ پڑ رہا تھا۔ یہ عام طور پر معلوم تھا کہ اگر اس مسودے کی خیر صرف اس بات میں ہے کہ جدید دھگ امرا بنائے جائیں تو گو بادل ناخواستہ یا صحیح طور پر شاہ ولیم چہارم اتنے جدید امرا بنانے کے لئے راضی ہے کہ یہ مسودہ دارالامرا میں بھی پاس ہو جائے۔ دوسری طرف یہ بات نہیں بھولنی چاہئیے کہ فرانسیسی انقلابیوں کے بیجا رویہ سے جو ردعمل پیدا ہوگیا تھا اس سے ملک کا مزاج ابھی مائل بہ اصلاح نہیں ہوا تھا۔ ان کی زیادتیاں ابھی دلوں میں تازہ تھیں اور ابھی صرف دو سال ہی پہلے براعظم میں دوسرے انقلاب پھوٹ پڑے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ یہ تدبیر خود حکومت کی بنیادوں کو جو صدیوں سے قائم تھیں ہلا دے گی۔ یہ ایسا خیال تھا کہ اس کو مٹانے

کے لئے مسودۂ اصلاح کے انتہائی حامیوں نے کچھ نہیں کیا۔ استحفاظی امرا کا غیر معلوم چیز کا تجربہ کرنے سے ہچکچانا ایک قدرتی بات تھی اور اپنی تائید میں ان کے ہاں کچھ نہ کچھ دلائل ضرور تھے۔

امرا پر جبر۔ مگر عوام کا دباؤ اور حکومت کی تدابیر جن کا علم ہو چکا تھا ایوان کے اکثر اراکین کے حق میں جو اپنی رائے میں متزلزل تھے یا اس غور و فکر میں تھے کہ اب امرا کے لئے کونسا راستہ مناسب ہے۔ حد سے زیادہ ہو گئیں جس وقت دوسری خواندگی پر رائے لی گئی تو یہ ثابت ہو گیا کہ سترہ[۱۷] امراء اپنی رائے بدل کر اتفاق کے لئے آمادہ ہو گئے ہیں اور بعض جن میں ویلنگٹن بھی شامل تھا غیر حاضر رہے اور ان لوگوں کو اصل میں سے جو ۱۸۳۱ء کی رائے شماری کے وقت غیر حاضر تھے کئی اصلاحوں کے موافق نظر آئے تھے۔ دوسری خواندگی نو[۹] کی اکثریت سے پاس ہوئی۔ مگر ابھی اس تجویز کی قسمت غیر منفصل تھی کیونکہ ابھی اس کو تمام ایوان کی کمیٹی میں ترمیم اور مخالف رایوں کا سامنا کرنا تھا، اور واقعہ یہ ہے کہ وزارت کی مخالفت میں ۷ مئی کو اس کمیٹی نے اپنی مہر کر دی۔

اب یہ بدیہی بات تھی کہ یا تو دارالامراء میں اکثریت حاصل کرنے کے لئے دھگ امراء بڑھائے جائیں یا مسودے کو خیر باد کہا جائے، اور کابینہ نے بادشاہ سے درخواست کی کہ جدید امراء بنانے کا جو وعدہ ہے وہ پورا کرے ورنہ بصورت دیگر ہمارا استعفا حاضر ہے۔ اس وقت یہ منکشف ہوا کہ بادشاہ نے دارالامراء کی رکنیت میں اتنے بڑے اضافے کا وعدہ نہیں کیا تھا جس قدر وزراء ضروری سمجھتے تھے۔ اس کی طبیعت بھی قدامت پسندانہ تھی اور اصلاح سے کسی قدر خائف بھی تھا۔ اگرچہ مجموعی طور پر اپنی دستوری حیثیت کے مطابق وہ وزارت کا وفادار تھا۔ جب یہ ضرورت بالکل سامنے آگئی کہ مسودے کو پاس کرنے کے لئے دارالامراء میں اکثریت کو پیدا کرنا چاہئے وہ اپنے کو اس چیز کے لئے آمادہ نہیں کر سکا بلکہ اس کی جگہ کابینہ کا استعفاء منظور کر لیا۔

اب عملی سوال یہ اٹھا کہ آیا ٹوری فریق بادشاہ کے اس فعل کی تائید میں اپنی کابینہ بنا سکے گا اور یہ کابینہ ملک کے تمام کاروبار چلا سکے گی اور انتخابی اصلاح

کے چند تدابیر کا بار بھی اپنے سر لے سکے گی جن کا اختیار کرنا اب لازم ہو گیا تھا۔ ڈیوک
ویلنگٹن نے وزارت کو ترتیب دینے کی کوشش کی لیکن سر رابرٹ پیل نے جس کا
وجود ناگزیر تھا اور بعض دوسروں نے بھی وزارت میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔
دارالعوام نے لارڈ گرے کی کابینہ کے لئے غالب اکثریت سے قرارداد اعتماد پاس
کر دی۔ جب عوام نے پھر جوش و خروش شروع کیا تو اس سے خطرہ محسوس ہونے
لگا۔ چند روز کی محنت شاقہ کے بعد ویلنگٹن نے بادشاہ کو مطلع کر دیا کہ اس کا قابو
نہیں چل سکتا اور یہ صلاح دی کہ ارل گرے کو واپس بلایا جائے۔ ولیم کو سر تسلیم
خم کرنا پڑا اگرچہ اس تسلیم کے معنی یہ تھے کہ کابینہ کے مطالبات سے اتفاق کیا جائے۔
اس نے ان لوگوں کو یہ ترغیب دی کہ اس مسودے میں بعض اہم ترمیمیں کریں لیکن یہ کوشش
بیکار ثابت ہوئی۔ بالآخر اس نے ان لوگوں کو اپنا تحریری وعدہ دیا کہ جتنی ضرورت
ہوگی میں اتنے جدید امراء بناؤں گا۔ پھر اس نے خود اپنے طور پر ایک اور قدم آگے
رکھا یعنی اپنے معتمد منشی کے ذریعے ڈیوک ویلنگٹن اور دوسروں کو یہ صلاح دی کہ اگر
یہ لوگ رائے شماری کے وقت ایوان سے غائب ہو جائیں تو تمام مشکلات رفع
ہو جاتی ہیں۔ بادشاہ کے اس فعل کے مطابق اس وقت تک یہ شبہہ ہے کہ یہ کہاں تک
دستوری تھا۔ گو اس وقت اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا لیکن بادشاہ آج ایسا کرے
تو اعتراض ہو سکتا ہے۔ بہر حال بہت سوں نے اس کا پہلے ہی سے ارادہ کر لیا تھا
اور مسودہ کثیر تائید کے ساتھ منظور ہو گیا۔

ان واقعات کو اس قدر طوالت کے ساتھ بیان کرنا بے محل نہیں تھا کیونکہ
یہی ذریعہ ہے جس کی بدولت نظام کابینہ کے تمام عملی پہلو کہ وہ ذمہ دار وزارت
کے ہاتھ میں کس طرح کام کرتا ہے آنکھوں کے سامنے آ جاتے ہیں اور یہی دستور انگلستان
کی شاندار پیداوار ہے جس کا ارتقاء ہم دیکھتے آ رہے ہیں۔ ۱۸۳۲ء سے لیکر موجودہ زمانہ کی
تگ ودو تک جو جنگ عالم کا آفریدہ ہے اس نظام کا چلن وہی رہا گو بعض خفیف
تبدیلیاں ہوئی تھیں جو بعد کو دیکھی جائیں گی۔ جن مدارج سے مسودہ اصلاح پاس ہوا
ان میں حکومت کے جن تین عاملوں نے کام کیا تھا ان کے تعلقات واضح کئے
جا چکے ہیں اور چوتھا عامل پس پردہ تھا۔ امراء اور کابینہ اپنے عملی جامے میں

اس طرح ظاہر کردیے گئے کہ یہ کیونکر باہمی مل جلکر کام کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ نہیں کہ نظم ونسق کے معمولی اجزا ہیں کس طرح کام کرتے ہیں بلکہ دار العوام میں ان سب کی کس طرح جڑ گڑی ہوئی ہے اور کس طرح یہ تدبیر مملکت کا تعین کرتے ہیں۔

بادشاہ کا عمل۔ بادشاہ کو نمایشی اور معاشری فرائض ادا کرنے پڑتے ہیں پرانے معاشرے میں ان کی بہت بڑی اہمیت تھی اور اب اگرچہ یہ معاشرہ سیاسی اعتبار سے عمومی بن گیا ہے لیکن معاشری انداز میں اب تک اعیانی ہے لیکن تدبیر مملکت کی کسی تجویز کے متعلق بادشاہ کی جو حیثیت پائی جاتی ہے وہ مسودۂ اصلاح کے پاس ہونے سے صاف معلوم ہوتی ہے کہ اس سے ولیم چہارم کا کہاں تک تعلق تھا۔ وہ اس مسئلے کے چند فروعات کا سخت مخالف تھا اور ان کو بدلنے کے لئے اس نے کابینہ کو بارہا ترغیب دی لیکن اس میں کامیاب نہ ہوا۔ بادشاہ اس امر پر کبھی اصرار نہیں کرسکتا کہ وزارت کسی مسئلے کے فروعات کو اس طرح بدل دے کہ وہ بادشاہ کے نقطۂ خیال کے تقریباً مطابق ہو جائیں۔ بادشاہ اپنے خیالات کابینہ میں کسی رکن کی وساطت سے زبانی یا تحریری پیش کرسکتا ہے اور ان کے منظور کرنے پر زور دے سکتا ہے اور بادشاہ کے ان خیالات پر ہمیشہ تعظیم و تفصیل کے ساتھ غور کیا جاتا ہے۔ رسمی الفاظ کی ترمیم کے متعلق بادشاہ کی صلاح قبول کی جاسکتی ہے اور اس سے بالواسطہ اہم معاملات پر اثر بھی پڑ سکتا ہے۔ اس کی مثال حکومت لارڈ پامیرسٹن کی مشہور تجویز ہے جو امریکی خانہ جنگی کے معاملہ "ٹرنٹ" کی بابت واشنگٹن میں لکھی گئی تھی۔ اس میں ملکۂ وکٹوریہ کی رائے کی بنا پر ترمیم کردی گئی۔ ضروری فروعات میں بھی بادشاہ کی صلاح اکثر منظور کی جاتی ہے۔ لیکن اگر کابینہ اس کے خلاف فیصلہ کردے تو بادشاہ کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

ولیم چہارم کے عہد میں جب وزارت نے بادشاہ سے اس بات کا مطالبہ کیا کہ دار الامرا کی اکثریت بدل دے اور بادشاہ اس کا سخت مخالف تھا تو اس وقت بادشاہ کا یہ حق سمجھا گیا کہ وہ ان کا استعفا منظور کرلے اور ایسی حکومت بنانے کی کوشش کرے جس کی وجہ سے اس طرز عمل کی ضرورت نہ ہو۔ لیکن وہ رہنما جو بادشاہ کے ہمخیال تھے اور جن سے جدید کابینہ بننے والی تھی اس نتیجے پر پہنچے کہ کوئی دوسری

کابینہ جو ملک کا کاروبار چلا سکے نہیں بن سکتی تو پھر بادشاہ کو اس کوشش سے ہاتھ اٹھانا پڑا۔ دستور انگلستان کا کوئی طالبعلم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ آج بھی یہ حق بادشاہ کو حاصل ہے لیکن بادشاہ ۱۸۳۲ء سے ملک کی عملی حکومت سے عملاً و عادةً کچھ اس طرح کنارہ کش ہوتا گیا کہ پھر اس تجربے کو دہرانا بادشاہ کے لئے خلاف قیاس و مشتبہ معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ یہ کوشش اکثر اہم مسائل کے لئے ہوگی جن میں قوم غایت درجہ دلچسپی لیتی ہو اس لئے ظاہر ہے کہ یہ کوشش شروع سے حوصلہ شکن ہوگی اور عوام کا جوش و خروش اس قدر بڑھا ہوا ہوگا کہ بادشاہ کو کابینہ کے خلاف توجہ دلانے کے بجائے ہمیشہ سر تسلیم خم کرنا مناسب ہوگا۔

یہ قطعیت کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ولیم کا طرز عمل کہ اس نے اس سودۂ اصلاح کے متعلق اپنے نقطۂ خیال کی تشہیر کر دی زمانۂ حال کے بادشاہ کے لئے ناموزوں سمجھا جائے گا۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ولیم کا دارالامرا کے مخالف اراکین کے نام مراسلہ بھیجنا اور اسی طرح جارج سوم کا ۱۷۸۳ء کے فاکس والے مسودۂ ہند کی مخالفت کرنا گو ایک معلوم ہوتا ہے لیکن دونوں میں بیحد فرق ہے۔ اول الذکر فعل تو اس وجہ سے تھا کہ ملک حکومت کی تائید ہو لیکن جارج اپنے طرزِ عمل کے ذریعے سے کابینہ کو شکست دینا چاہتا تھا۔ نظریے میں بادشاہ کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کی رائے وزرا کی رائے کے خلاف نہیں ہوتی اور اگر کوئی انگریز مقرر اپنے استدلال کی تائید میں بادشاہ کی رائے پیش کرے تو یہ عام رواج کی سخت خلاف ورزی سمجھی جاوے گی۔ یہ اصول ایڈورڈ ہفتم کے ایک خط سے جو شائع ہو چکا ہے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ جب ان سے بذریعۂ تحریر پوچھا گیا کہ یہ افواہ کہاں تک صحیح ہے کہ آپ مسلک آزاد تجارت میں کوئی تبدیلی نہیں چاہتے۔ تو انھوں نے جواب دیا تھا کہ "بادشاہ سیاسی معاملات میں سوائے اپنے ذمہ دار وزراء کے مشورے کے اپنی رائے ظاہر نہیں کرتا۔ اس طرح یہ افواہ غلط ہونی چاہئے"

اگر بادشاہ کوئی سیاسی کام کر سکتا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ پوری وفا شعاری کے ساتھ اپنی کابینہ کی ان طریقوں سے تائید کرے جو اس کے لئے ممکن ہوں اور یہ طریقے بہت نہیں ہیں۔ آج سے پچاس سال پہلے بیجٹ نے جو تین حقوق تاج سے

منسوب کئے تھے یعنے "حق شوریٰ دہی۔ حق حوصلہ افزائی۔ حق انتباہ" وہ سب ملکر اس سے زیادہ نہیں بنتے۔ اگرچہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان اختیارات سے واقعی حکومت پر کچھ نہ کچھ اثر پڑتا ہے۔ ایڈورڈ ہفتم کے عہد میں اس موضوع پر کافی بحث ہو چکی ہے کہ خارجی تعلقات میں بادشاہ کی کیا حیثیت ہے اور وہ اس میدان میں کیا کر سکتا ہے اور یہ بالکل صحیح ہے کہ وہ اکثر ایک اچھے کارآمد سفیر کی خدمات انجام دے سکتا ہے کیونکہ خارجی درباروں کے اندرونی حلقوں تک بھی اس کی رسائی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ گلیڈسٹن نے کہا ہے کہ "باہر کے شاہی خاندانوں کے ساتھ صرف ذاتی اور گھریلو تعلقات کی بدولت نازک مواقع پر صاف صاف گفت وشنید کے موقع ملتے ہیں اور گفت وشنید بھی ایسی جو نہایت شریفانہ اور پراثر ہو جس کی رسمی مراسلت اور حکومتوں کے تعلقات میں جرات نہیں ہو سکتی۔" پھر یہ بھی یقینی ہے کہ خارجی سفارت میں بادشاہ اس وقت تک حصہ نہیں لے سکتا جب تک پہلے سے اس کا فیصلہ نہ ہو جائے اور وہ مسلک حکومت کے موافق نہ ہو۔

عملی انضمام حکومت میں رسمی حکمراں کو اصلی حکمراں کے ساتھ بالکلیہ ہمنوا کرنے کے لئے جو آخری کام ضروری تھا اس کو ملکۂ وکٹوریہ نے اپنے طویل عہد حکومت میں انجام دے دیا۔ ملکہ کے خطوط سے (جو شائع ہو چکے ہیں) ظاہر ہوتا ہے کہ کن کن طریقوں سے اور کس قدر ہمدردانہ ادراک کے ساتھ یہ کام انجام دیا گیا۔ اور اس بات کا فیصلہ کہ انگلستان کی آئندہ تاریخ میں ملکۂ وکٹوریہ کا کیا درجہ ہے اس کے اور کارناموں کے اعتبار سے نہ ہوگا بلکہ اسی اعتبار سے ہوگا کہ اس نے اس ترقی میں کتنی مدد دی۔ اس وقت برطانوی حکمراں دستور کے ساتھ اس قدر ہمنوا ہے کہ اب یہ مسئلہ کہ حکومت برائے نام شاہی رہے یا عمومی شکل اختیار کرے سیاسی اعتبار کا محتاج نہیں ہے۔ اگر اس پر غور ہوگا بھی تو بجائے سیاسی اعتبار کے کسی اور وجہ سے ہوگا۔

دارالامراء کا کام۔ شاہی حیثیت میں جتنے تغیرات ہوئے ہیں ان سے کہیں زیادہ قطعی اور ڈرامائی تغیرات اُن تعلقات میں ہوئے ہیں جو دارالامراء کو دیگر عوامل حکومت کے ساتھ ہیں۔ اور جس طرح مسودۂ اصلاح کی کشمکش سے ظاہر ہو اب جتنے تغیرات ہوئے وہ سب فی نفسہ اس ایوان کی حیثیت سے متعلق ہیں۔

اس کشمکش نے صاف واضح کر دیا کہ امرا احتیاط کے ساتھ مشیت عامہ کی ایک حد تک مخالفت کر سکتے ہیں مگر اس حد سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ مسودے کا پہلا استرداد کیلئے بلند ول ان کا دستوری حق تھا اور اس دریافت کے ساتھ کہ "کیا یہ تمہاری دیدہ و دانستہ خواہش ہے؟" عوام سے درخواست کے مماثل تھا۔ لیکن اس کے بعد جب کہ عام انتخاب ہو گیا اور اس انتخاب نے اس مخصوص مسئلے کے متعلق مشیت عامہ ایسی ظاہر کر دی کہ اس میں کوئی غلط فہمی باقی نہ تھی یا کسی اور طریقے سے یہ مشیت ظاہر ہو گئی تھی تو دوبارہ مسترد کرنا صحیح نہیں ہو سکتا تھا۔ قومی عزم کے مسلسل مظاہرے کے بعد تیسری دفعہ مسترد کرنا ان کی تاریخی حیثیت کے لئے ضرور مہلک تھا۔ اس کا کیا نتیجہ ہوا۔ ایک طرف جدید امرا بنا کر ایوان پر جبر کرنے کا عزم بالجزم، دوسری طرف بادشاہ کی پہلو تہی اور اس کی سعی لاحاصل اور بالآخر اس سودے کی منظوری کیونکہ سوائے اس کے کوئی اور بچاؤ کی صورت نہیں تھی۔ اس سے یہ حقیقت ظاہر ہو گئی کہ انصرام حکومت میں اقتدار عوام کو منعکس کرنے کی پرانی کوششیں بالآخر کامیاب ہو گئیں اور اعیانیت اور بادشاہ دونوں مغلوب ہو گئے۔

تاہم اس واقعے کا ادراک بہت آہستہ آہستہ ہوا۔ چند سال کے بعد جب قانون اجناس کی تنسیخ کا سوال پیدا ہوا اور تاہنی قانون سازی سے زمیندار طبقے کا فائدہ متصور تھا تو دارالامرا کو پھر اس اصلاح کی مزاحمت کا شوق ہوا۔ یہ صرف ڈیوک ویلنگٹن کا غیر معمولی اثر تھا کہ اس وقت مسودۂ اصلاح کے تجربات کی تکرار ہونے نہیں پائی کیونکہ اس نے ایوان پر یہ واضح کر دیا کہ دستور میں دارالامرا کیسا بیدست و پا ہو کر رہ گیا ہے۔ چنانچہ اس زمانے سے لیکر تقریباً اس صدی کے آخر تک یہ عادۃً کیا جاتا رہا کہ دارالامرا تیز رفتار ہیئتوں پر بریک کا کام دیتا ہے اور اس کا کام یہ اطمینان حاصل کرنا ہے کہ ملک کی پختہ رائے کسی خاص اصلاح کی طالب ہے یا نہیں لیکن عہد وکٹوریہ کے اختتام سے پہلے یہ عام شکایت پیدا ہو گئی تھی کہ یہ بریک صرف لبرل وزارت کے مسائل پر لگایا جاتا ہے اور ان مسائل پر نہیں لگایا جاتا جو متحفظ کابینہ کی طرف سے بھیجے جاتے ہیں۔ حالانکہ ان سنین میں قدامت پسندوں کے بہ نسبت لبرل زیادہ تعداد میں درجۂ امارت پر پہنچے لیکن امرا کے ماحول میں ایک خاندان

لبرل رکھنا غایت درجہ مشکل معلوم ہوتا تھا۔ چند سال پہلے ارل روزبری نے اپنی ایک تقریر میں یہ ظاہر کیا تھا کہ دارالامراء کے متعلق بہ حیثیت احراری رکن کے میرا تجربہ یہ ہے کہ جب سے "مسودۂ سوارا ج آئرستان" کے سبب فریق میں افتراق ہو گیا ہے میں کسی اعتماد کے ساتھ چھ سو سے زیادہ اراکین میں سے تیس سے زیادہ رائیں ایسی نہیں شمار کر سکا جن کا مسلک لبرل ہو۔

اس صورت حال کے بدنما ہونے کا اور اس خطرے کا احساس کہ کسی اہم مسئلے کو بالکلیہ مسترد کر دینا عوام کے جوش و خروش کا باعث ہوتا ہے روز بروز بڑھ رہا تھا اور اصلاح محفل کے حالیہ مسائل کے اختیار کرنے سے بھی زیادہ سخت ہو گیا۔ یہی ۱۹۱۱ء کے مسودۂ اصلاح پارلیمنٹ پاس ہونے کا باعث ہوا۔ اگر ہم دستور انگلستان کو اس کے طویل تاریخی ارتقا کی خصوصیت کو سامنے رکھکر دیکھیں تو اس مسئلے کے متعلق کوئی چیز انقلابی نہیں معلوم ہوگی۔ یہ قانون دارالامراء کے اس اختیار کو سلب کر لیتا ہے کہ وہ ایسے مسودے کو جس کو دارالعوام پاس کر دے اور اس دوران میں یہ واضح ہو جائے کہ قوم کی رائے عامہ اس کو چاہتی ہے۔ دو سال کے لئے ملتوی کر سکتا ہے۔ اس قانون نے میعاد التوا وضاحت کے ساتھ معین کر دی اور اس سے صرف اس قدر ہوا کہ اس حیثیت کو موضوعہ شکل میں ظاہر کر دیا جو ۱۸۳۲ء کے مسودۂ اصلاح کے پاس ہونے سے ظاہر ہو چکی تھی کہ امراء کی حیثیت در اصل دستور میں کیا ہے اور یہ حیثیت پچھلے ارتقا کا لازمی اور قدرتی نتیجہ تھا۔ چارلس اول اور جیمس دوم کے ساتھ سترھویں صدی میں جو کشمکش ہوئی تو اس میں جس قدر بادشاہ کے اختیارات زیر بحث آتے تھے اسی قدر امراء کے اختیارات بھی زیر بحث آئے تھے۔ یہ اقتدار عوام کا آخری غلبہ تھا اور جس طرح اس نے بادشاہ سے اپنی حقیقت کا کامل اور دلی اعتراف کروالیا اسی طرح امراء سے بھی کروایا۔

کابینہ عملی جامے میں یہ مسودۂ اصلاح کے پاس ہونے میں یہ امر بھی کافی شرح و بسط کے ساتھ واضح ہو چکا ہے کہ انیسویں صدی کے دوران میں کابینہ کی دونوں حالتوں میں یعنے روزمرہ کاروبار و پیچیدہ مواقع میں کیا حیثیت تھی۔ ہم یقین کے ساتھ نظام کابینہ کی تکمیل مع اس کے تمام عملی فروعات کے ۱۸۳۲ء سے

پہلے کی کسی تاریخ کی طرف منسوب نہیں کر سکتے۔ اگرچہ غالباً یہ صحیح ہے کہ اگر کچھ پہلے ہی یہ آزمائش کی جاتی تو اس کی عملیت اسی طرح بالتفصیل سمجھ میں آجاتی۔ مسودۂ اصلاح حکومت کی طرف سے پیش ہوا تھا یعنے اس کو وزارت نے ترتیب دیا تھا اور اس کے ایک رکن نے اس کو پیش کیا تھا اور اس کے منظور ہونے کے دوران میں یہ اسی رکن کے ذمے میں رہا۔ اگر اس کو دارالعوام میں شکست ہو جاتی یا اگر اس کے کسی جز پر کوئی ترمیم وزارت کے خلاف پاس ہو جاتی تو کابینہ کو یا تو استعفا دینا پڑتا یا پارلیمنٹ کو برخاست کرکے اور عام انتخاب کرکے اس مسئلے کی تائید کے لئے ملک سے استفسار کرنا پڑتا۔ کابینہ جدید انتخاب کا حکم صرف شدید ذمہ داری کے ساتھ دے سکتی ہے اگر کافی اسباب نہ ہوں اور اس بات کا ثبوت نہ ہو کہ عام تائید ہو گی یا وزارت کے لئے صرف مہلت حاصل کرنا مقصود ہو تو ایسی صورت میں ملک سے استفسار کرنا انتخاب میں سخت نقصان کا باعث ہو سکتا ہے۔ لیکن اس معاملے میں حکومت کو یہ یقین کرنے کے لئے کافی اسباب تھے کہ ملک اس کی پشت پر ہے اور واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ رائے صحیح ہے اور یہ رائے انتخاب کنندوں کی طرف سے گویا ایک حکم ہے کہ اس مسئلے کو آگے بڑھایا جائے۔

دارالامرا میں جب دوسرے مسودے کو شکست ہو گئی تو صورت حال مختلف تھی۔ حال ہی میں انتخاب ہوا تھا اور دارالعوام میں حکومت کے موافق ابھی تک بڑی اکثریت تھی۔ اس وقت ملک سے استفسار غیر ضروری تھا اور یہ بالکل نامناسب ہوتا۔ اس کی جگہ کابینہ نے پارلیمنٹ ملتوی کر دی تاکہ جدید اجلاس میں مسودے کو دوبارہ پیش کیا جا سکے۔ جب ایک ترمیم پر حکومت کو دارالامرا میں پھر شکست ہو گئی تو معاملات میں نزاکت پیدا ہو گئی جس سے اس وقت کابینہ کے کام پر روشنی پڑتی ہے۔ وزیراعظم نے بادشاہ سے ایک چارۂ کار اختیار کرنے یعنے نئے امرا بنانے کی درخواست کی تو اس وقت یہ بھی کہا کہ بہ صورت دیگر کابینہ کا استعفا حاضر ہے۔ کیونکہ یہ معلوم تھا کہ بادشاہ اس کے لئے تیار نہیں ہے۔ آج معلوم نہیں کیا ہوتا لیکن اس وقت بادشاہ نے وہی چارۂ کار اختیار کیا لیکن جس وقت مخالف فریق کی طرف سے کابینہ بنانے کی کوشش کی جا رہی تھی پرانی کابینہ برسر حکومت رہی

اور روزمرہ کا کاروبار چلاتی رہی۔ جب بادشاہ کو یہ ماننا پڑا کہ اس کی کوشش ناکام ہوگئی تو کابینہ نے اپنی پارلیمنٹی حیثیت پھر حاصل کرلی لیکن اب یہ یقینی تھا کہ بادشاہ اس کا مسودہ منظور کرلے گا۔ نیز اس تہلکے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ کیا چیز ہے جو کابینہ کو برسر حکومت رکھتی ہے یا اس کو خدمت سے علیحدہ کردیتی ہے۔ یہ دراصل یہی کابینہ کی قابلیت یا ناقابلیت ہے کہ وہ کس طرح تدبیر مملکت کا تعین کرتی اور اس کی رہنمائی کرتی ہے لیکن دارالعوام کابینہ کے ساتھ متفق ہوکر کام کرتا ہے تو یہ کابینہ ٹھیک ہے۔ اگر دارالعوام اس کے ساتھ متفق ہوکر کام نہیں کرتا تو پھر کوئی دوسری طاقت اس کو برسر حکومت نہیں رکھ سکتی۔ اگر کوئی وزارت مخالف دارالعوام کے علی الرغم اپنی طاقت قائم رکھنے کی کوشش کرے تو حکومت کے کاروبار میں فوراً بدنظمی ظاہر ہوجائے گی اور اس کوشش کے معنے انقلاب کے ہوں گے۔ لیکن اگر دارالعوام اور قوم کی رائے مخالف ہو تو ایسی صورت میں کوئی وزارت اس تلخ تجربے کی جراٴت کبھی نہیں کرے گی۔ یہ کامل نظریہ ہے اس حکومت کا جو ذمہ دار وزارت کے ذریعے سے چلتی ہے۔ حکومت جو تدبیر مملکت تجویز کرتی ہے اس کے متعلق دارالعوام عوام کی رائے کی ترجمانی کرتا ہے اور اس کا فیصلہ جو قوم کا فیصلہ ہوتا ہے مسئلۂ زیر بحث کے متعلق قطعی ہوتا ہے۔

دارالعوام۔ دارالعوام کی دستوری حیثیت پہلے ہی وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ یہ وزارت کو اس وقت تک سہارا دیتی ہے جب تک رائے عامہ اس کے مسلک کی تائید کرتی ہے۔ جب کبھی سیاسی بحران پیدا ہوجاتا ہے تو وہ فوراً قرار داد اعتماد پاس کرکے کابینہ کے ہاتھ پیر مضبوط کردیتا ہے۔ اور یہ قرار داد تمام مخالفین کے لئے ایک باضابطہ اعلان کا حکم رکھتی ہے کہ ملک مسلک حکومت کی تائید کرتا ہے۔ اگر رائے عامہ اس مسلک کے مخالف ہوجائے تو اسی کی ہم رنگ تبدیلیاں دارالعوام میں وقوع پذیر ہوں گی اور پھر بحرانی زمانے میں دارالعوام قرارداد بے اعتمادی مرتب کرے گا اور یہ کابینہ کے نام ایک باضابطہ اعلان کا حکم رکھے گی کہ کابینہ نے قوم کی تائید کھودی اور اس کو استعفا دینا چاہیے۔ اگر کوئی وزارت استعفا دینے پر آمادہ نہ ہو یا اپنی ایسی وزارت برسر حکومت لانے کی کوشش کی جائے جسے قوم کی تائید حاصل نہ ہو تو دارالعوام اس کی حکمت عملی کے پہلو کو قانونی بنانے سے انکار کردیگا

اور اس کا چلنا مشکل ہو جائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دارالعوام کا یہ بھی کام ہے کہ حکومت کے مجوزہ تدابیر پر بحث کرے اور اس میں افراط و تفریط کرے لیکن یہ ایسا کام ہے کہ دارالعوام ابھی تک دارالامرا کی شرکت سے انجام دیتا ہے۔

۱۸۳۲ء کے مسودۂ اصلاح کے نتائج سے اس کے دوست و دشمن دونوں ناامید تھے۔ اس کے وہ نتائج نہیں ہوئے جن کی توقع یا جن کے متعلق ڈر تھا۔ اکثر جیبی اور ویران بلدیات رائے دہی سے محروم کر دیئے گئے تھے اور نشستیں آبادی کے جدید حلقوں کو دی گئی تھیں اور یہی تبدیلیاں تھیں جو بہت دنوں سے مطلوب تھیں۔ ۵۶ بلدیات رائے دہی سے محروم کر دیئے گئے اور تیس ایسے تھے جن کا ایک ایک رکن کم ہو گیا۔ بائیس بڑے قصبات کو جن میں لندن کے اضلاع بھی شامل تھے فی قصبہ دو اراکین ملے اور دوسرے بیس ایسے تھے جن کو ایک ایک رکن ملا تھا۔ اضلاع کی نیابت کے لئے پینسٹھ نشستیں بڑھائی گئی تھیں۔ اب رہا حق رائے دہی بلدیے کے لئے ایک مشترک حق رائے دہی ان تمام ساکنین کے لئے قائم کیا گیا جن کی سالانہ مالیت دس پونڈ تھی اور صوبوں میں پرانے چالیس شلنگ والے اراضی داروں میں نقل دار، پٹہ دار اور غیر دخیلکار (Tenents-at will) شامل کر دیئے گئے جو پچاس پونڈ سالانہ لگان ادا کرتے تھے۔ اسی طریقے سے گو رائے دہندوں کی تعداد تقریباً پچاس فیصدی زیادہ کر دی گئی تھی لیکن دارالعوام کی رکنیت کی خصوصیت میں کوئی اہم فرق نمایاں نہیں ہوا اور عمومیت کی طرف کوئی بدیہی ترقی نہیں ہوئی۔ رشوت ستانی کا بالکلیہ خاتمہ نہیں ہوا۔ اندراجات کے طریقۂ عمل میں جس پیچیدہ ضابطہ بندی کی ضرورت تھی اس سے رائے دہندوں کی تعداد گھٹتی رہی۔ خاندان و جائداد کے مقامی اثرات اور امور کے ساتھ ملکہ اصلاح کی اہمیت گھٹاتے رہے۔ آخر میں معلوم ہوا اس کی مستقل اہمیت اس فوری تغیر میں نہیں ہے جو اس سے پیدا ہوا بلکہ اس بات میں ہے کہ اس نے آئندہ تغیر کا امکان پیدا کر دیا تھا۔ اس سے یہ ہوا کہ ہر اہم معاملے میں پرانے اعیانی نظام کے ہاتھ پیر ٹوٹ گئے اور خوش آیند امور کے لئے دروازہ کھل گیا۔ اس سودے کے انتہائی حامی ان

مراعات سے مطمئن نہیں ہوئے جو اس کی بدولت حاصل ہوئے تھے بلکہ چند روز کے بعد ہی مزید اصلاح کے لئے شورش ہونے لگی۔ شورشیوں کو اپنی عمارت چننے کے لئے زیادہ تر مزدور طبقات کی عام بےچینی سے بہت مواد ملا تھا۔ اور اس بےچینی کے اسباب جس قدر سیاسی حالات تھے اسی قدر معاشی حالات بھی تھے۔

یہ شورش جو ۱۸۳۹ء میں اپنے منتہا کو پہنچ گئی تھی تاریخ میں نام نہاد "منشور عموم" کی وجہ سے تحریک منشوری کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ اس منشور میں استیصالی مطالبات ظاہر کیئے گئے تھے۔ یہ تعداد میں چھ تھے۔ عالمگیر رائے دہی بالغان ذکور خفیہ رائے دہی جو انسداد تخویف کے لئے تھی؛ پارلیمنٹ کا سالانہ انتخاب تاکہ ارکین کی ذمہ داری قائم رہے؛ دارالعوام کے ارکین کو تنخواہیں دی جائیں تاکہ غربا کا انتخاب بھی ممکن ہو جائے؛ ارکین ایوان کی جائدادی اہمیت کا خاتمہ، جس کا مقصد بھی وہی تھا؛ مساوی آبادی کے حلقہائے انتخاب کی تنظیم۔

یہ تحریک ناکام ثابت ہوئی۔ منشور میں جو مطالبات کیئے گئے تھے پارلیمنٹ نے ان میں سے کوئی بھی منظور نہیں کیا لیکن یہ شورش دوسرے طریقوں سے جاری رہی۔ جو طبقے پارلیمنٹ پر تسلط رکھتے تھے عمومیت کے معاملے کے ساتھ ان کی ہمدردی رفتہ رفتہ بڑھتی جا رہی تھی اور عوام کے منشور کا پیش نامہ اس ترقی کا خلاصہ سمجھنا چاہیئے جو اس وقت سے جاری تھی۔ ان میں سے تین مطالبات یعنے دوسرا چوتھا اور پانچواں جیسے اوپر دکھائے گئے ہیں۔ بالآخر پورے طور پر حاصل ہو گئے اور اس صدی کے ختم سے پہلے خفیف سے استثناء کے ساتھ پہلا مطالبہ بھی حاصل ہو گیا۔ اب وہ استثناء بھی غائب ہو گئے اور لفظ بالغان ذکور میں جو تحدید ہے وہ بھی ساقط ہو گئی۔ چھٹا مطالبہ اصول کی حد تک پوری طور پر حاصل ہو چکا ہے اور عمل میں قریب قریب اس حد تک حاصل ہوا ہے جس حد تک حالات کی خاص مشکلات اجازت دیتے ہیں۔ تیسرا مطالبہ بصورت ظاہر حاصل نہیں ہوا بلکہ پارلیمنٹ کی ممکنہ عمر پانچ سال تک گھٹا دی گئی اور ارکین کی ذمہ داری اپنے حلقہائے انتخاب کے ساتھ گو بہت کچھ بالواسطہ ہے لیکن وہ بھی اطمینان کے قابل ہے۔ اگر ۱۸۳۹ء کی تحریک کے

علمبردار پھر عود کر آئیں تو آج انگلستان کو دیکھ کر حیرت کریں گے اور یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ آج انگلستان اسی معیار کی عمومیت ہے جس کا انھوں نے مطالبہ کیا تھا اور بعض اُمور جو وہ دل سے چاہتے تھے مثلاً مزدوروں کی قانونی حفاظت وہ اس حد تک آگے بڑھ چکی ہے کہ ان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔

متعدد تبدیلیاں۔ پہلے اور دوسرے مسودات اصلاح میں جو پینتیس سال کا وقفہ گزرا وہ متعدد تبدیلیوں کا زمانہ تھا۔ ان میں سے اکثر معاشی اور معاشرتی نوعیت رکھتی تھیں اور دستوری نہیں تھیں۔ لیکن اس میں اہم تر ان کو سمجھنا چاہیئے جو اس زمانے کا صحیح اقتضا ظاہر کرتی ہیں۔ ۱۸۳۲ء میں مالکوں کو معاوضہ دیکر مستعمراتی غلامی کا سدباب کیا گیا۔ اسی سال قومی تعلیم کے متعلق قانون سازی کی داغ بیل ڈال دی گئی۔ یہ داغ بیل مختصر اور مشکل تھی کیونکہ اس زمانے میں تعلیم کا انتظام مختلف مذہبی جماعتوں کے ہاتھ میں تھا اور یہ جماعتیں شدت کے ساتھ اپنے اس حق کی حفاظت کرتی تھیں۔ ابتداً محض بیس ہزار پونڈ سالانہ کے عطا سے ہوئی جو امدادی مدارس کی عمارتوں کو دی جانے لگی۔ لیکن اس صدی کے اختتام سے پہلے قومی مدارس اور تعلیم عامہ کا نظام اس طرح مرتب ہو گیا جو اپنے ماسبق کام کے مقابلے میں انقلابی تھا۔ گرنیوں میں کام کے اوقات اور اصلاح حال کی تنظیم کے لئے قوانین کارخانہ جات کا سلسلہ پہلے سے شروع ہو چکا تھا اور اب اس کو بتدریج آگے بڑھا کر موجودہ تنظیم و حفاظت کے وسیع نظام تک پھیلایا گیا۔ ۱۸۳۴ء میں ایک جدید قانون مفلسین بنایا گیا۔ قانون جہاز رانی ۱۸۴۹ء میں اور قانون اجناس و محاصل تامینی ۱۸۴۶ء سے پہلے منسوخ کر دیے گئے۔ ۱۸۳۹ء میں ڈاک پر ایک پینی کا محصول، ڈاک کے ٹکٹ اور ۱۸۶۱ء میں ڈاک کی سیونگ بنک جاری کی گئیں۔ پارلیمنٹ کا بہت سارا وقت آئرستانی مشکلات اور شورشوں پر صرف ہوا لیکن اس کا کوئی نمایاں نتیجہ نہیں نکلا۔

مقامی حکومت۔ ان تغیرات میں جو ۱۸۳۲ء اور ۱۹۱۱ء کے درمیان واقع ہوئے ہیں اور جو دستوری سمجھے جا سکتے ہیں، یعنے پارلیمنٹی اصلاح کے بعد سب سے زیادہ وسیع اور دور رس وہ ہیں جو مقامی حکومت یعنے بلدی اور دیہی حکومت پر اثر ڈالتے ہیں۔ ٹیوڈری زمانے سے مقامی حکومت کا ارتقا جو زمانۂ حال تک ہوا تھا وہ نظریہ اور ظاہری شکل میں خود اختیاری حکومت تھی۔ یہ حقیقت میں ایک مقامی سوا راج

تھا اگر اس لفظ کے معنی ایسی حکومت کے سمجھے جائیں جو مرکزی اختیارات کی مداخلت سے مبرا ہو۔ لیکن اگر اس اصطلاح کے معنی عمومی حکومت کے لئے جائیں تو پھر یہ اصطلاح اصل صورت حال پر واقعاً نہیں بلکہ صرف نظریۃً ہی منطبق ہوسکتی ہے۔ محافظان امن کے قبضے میں جو مقامی اعیان میں سے مامور ہوتے تھے اکثر اختیارات کا جمع ہونا، قانون کے ذریعے سے تمام اہم عہدہ داروں کے لئے جو صوبوں پر حکومت کرتے اور پیرشوں کی نگرانی کرتے تھے جائدادی اہلیت کا لزوم اور سترھویں صدی کی تاریخ کی پیداوار جس کے ذریعے سے مقامی معاملات میں دیہی اعیانیت کو اتنے ہی بڑے اختیارات مل گئے تھے جیسے زمانۂ وسطیٰ میں جاگیروالے زمینداروں کو حاصل تھے، ان سب چیزوں نے ملکر اٹھارھویں صدی کی مقامی حکومت کو ۱۸۸۸ء تک بالکل اعیانی بنادیا تھا۔ بلدیات کی حکومت کا بھی جو صوبوں سے باہر سمجھے جاتے تھے یہی میلان تھا۔ قرون وسطیٰ کے بعد تاریخ بلدیات میں اگر کوئی رکاوٹ ہوئی ہے تو وہ آخری دو شاہان اسٹوارٹ کی "تحقیقات وثائق" والی کارروائیوں سے ہوئی۔ اس رکاوٹ کا واحد نتیجہ جو بالآخر ظہور پذیر ہوا یہ تھا کہ اسی کارروائی کو جو خود بخود جاری تھی اور جس سے ان حلقوں کی حکومت محدود شخصیوں کے قبضے میں آرہی تھی اور تیز کر دیا۔ صوبوں و بلدیات دونوں میں یہ مقامی حکومت جس طرح انیسویں صدی میں نظر آتی ہے بالکل غیر عمومی تھی۔

پارلیمنٹی اصلاح کی کامیابی سے یہاں بھی تغیر پیدا ہوا اور سب سے پہلے بلدیات میں ہوا۔ پارلیمنٹی رائے دہی کے لئے قرون وسطیٰ میں جو اہلیت مقرر تھی اس کو ترک کر دینے سے یہ سوال پیدا ہوا کہ آیا قرون وسطیٰ کا دستور بلدیے کے فرائض کے لئے موزوں ہے۔ ۱۸۳۲ء کے قانون اصلاح کے بعد حکومت بلدیات کی تحقیقات کے لئے ایک سرکاری ماموریہ مقرر کیا گیا اور ماموریہ کی رپورٹ پیش ہونے کے بعد ۱۸۳۵ء میں "قانون شخصیات بلدی پاس ہوا"۔ یہ اصلاح کے کام میں پہلا قدم تھا۔ پچاس سال کے بعد جب ۱۸۸۴ء کا تیسرا قانون اصلاح پارلیمنٹ پاس ہوا تو دیہی مقامی حکومت پر اسی قسم کا اثر پڑا۔ جب بلدی اہلیت رائے دہی کا انطباق صوبوں میں بھی کیا گیا تو اس کے پرانے شرائط اسی طرح بے محل ہوگئے تھے

جیسے پہلے قانون اصلاح کی وجہ سے ہوئے تھے۔ اس اثنا میں کئی متفرق اور مختلف النوع قوانین پاس کئے گئے جن سے منفرد تبدیلیاں ہوئیں؛ جدید اختیارات عطا ہوئے اور جدید عہدے یا جدید مقامی حلقے قائم ہوئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقامی اقتدارات اور حلقہ جات کا ایک منتشر طومار پیدا ہو گیا جو ایک دوسرے میں دخیل تھے اور اس طریقے سے "اختیارات کا ایک بیابان" اور "اقتدارات کا ایک انتشار" پیدا ہو گیا۔ اس انتشار کو جس نوع سے موجودہ صورت میں لایا گیا ہے وہ بڑی حد تک تسہیل پر مشتمل تھا اگرچہ اس میں بھی نئے ادارے قائم کئے گئے اور پرانے اداروں کو وسعت دی گئی ہے۔ ہمارے اغراض کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہم ان صدہا مراحل کو دیکھیں جن میں سے ہو کر یہ صورت پیدا ہوئی۔ بلکہ صرف نتیجہ دیکھنا کافی ہے اور وہ بھی مختصر طور پر۔

ایک امریکی کے لئے جو انگریزوں کے مقامی نظام حکومت کو اپنے نظام سے بالتفصیل مقابلہ کرتا ہے یہ نظام ابھی سادگی سے مبرا معلوم ہوگا۔ اس کے لئے اس نظام کا ایسا خاکہ بنانا جو صاف اور واضح ہو بہت مشکل ہے تفصیلات اتنی ہیں کہ مکمل نظر ڈالنی ناممکن ہے۔ لیکن اگر استقامت کے ساتھ کوشش کی جائے تو بالآخر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دونوں قوموں کے مقامی نظام حکومت میں بہ حیثیت مجموعی اختلافات کم ہیں اور یکسانیاں زیادہ ہیں گو اختلافات ہی زیادہ نمایاں ہیں۔ غالباً یہ کہنا صحیح ہوگا کہ انگریزی نظام ہمیں اس وجہ سے جاذب نظر معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہم ان ریاستوں کی مقامی حکومت کو جہاں صوبہ ایک مقامی وحدت ہے ان ریاستوں پر منطبق کر دیں جہاں دیہہ ایک مقامی وحدت ہے اور ان دونوں فرائض کی وحدتوں پر کوئی خاطر خواہ فرق نہ کریں بلکہ ایک کو دوسرے کے مماثل کر دیں تو اس سے تقریباً وہی نتیجہ برآمد ہوگا۔ تاہم انگلستان میں تین مقامی اکائیاں ہیں جو ایک دوسرے کے اوپر ہے۔ صوبہ اور صوبہ واری برو جو برو اور بلدی و دیہی اضلاع میں منقسم ہیں؛ آخرالذکر کی پیرشوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ اس انتظام میں لندن کی حیثیت کسی قدر نادر ہے۔ "بلدۂ لندن" کی حکومت جس کو اصلاً "سٹی" کہا جاتا ہے جو دریائے ٹیمز سے ٹاور اور ٹمپل بار کے درمیان شمال میں ایک مربع میل

تک پھیلا ہوا ہے اس صدی کے تغیرات سے متاثر نہیں ہوا بلکہ یہ رقبہ لندن کی مجلس صوبہ کے حدود اختیارات کے باہر خود اپنے میر بلد کے تحت ہے۔ اب رہا وسیع تر لندن اس کو ایک علحدہ صوبہ بنا کر لندن کی مجلس صوبہ کے ماتحت کیا گیا ہے۔ یہ مجلس دوسری مجلسوں کے نمونے پر ہی بنائی گئی ہے مگر اس کے اختیارات زیادہ وسیع نہیں۔ صوبۂ لندن کا ضلع صوبہ داری برو کی طرح بروؤں میں تقسیم کیا گیا ہے اور یہ اٹھائیس ہیں۔

مقامی سوراج کے اس انتظام میں چھ صوبوں کو مستثنیٰ کر کے جو واقع ہیں تاریخی ہیں انتظامی صوبہ اور تاریخی صوبہ ایک نہیں گو دونوں ایک دوسرے سے بہت زیادہ مختلف بھی نہیں، بلکہ سوراجی رقبے ان باسٹھ صوبوں پر مشتمل ہیں جو باون تاریخی صوبوں سے بنائے گئے ہیں۔ صوبہ جاتی برو ایسے قصبات تھے جو زمانۂ قدیم میں صوبے بنا دئے گئے یا جن کی پچاس ہزار آبادی تھی یا ہوگئی تھی۔ منجملہ ان کے ساٹھ ایسے ہیں جن کے متعلق ابتدائی قانون میں انتظام کر لیا گیا تھا اور اب ان کی تعداد ۲۷ ہوگئی ہے۔ یہ صوبوں سے جداگانہ ہیں لیکن ان کی حکومت وحیثیت تقریباً صوبوں ہی کی سی ہے۔ ان سب میں جماعت حاکمیہ ایک مجلس ہے جس کے اراکین منتخب ہوتے ہیں جن میں ایسے آلڈرمن کا اضافہ کیا جاتا ہے جو اراکین کی طرف سے طویل میعاد کے لئے منتخب ہوتے ہیں۔ درمیانی تقسیم یعنے بروؤں اور اضلاع میں بھی ایک منتخبہ مجلس کے ذریعے حکومت ہوتی ہے۔ گو یہاں آلڈرمن نہیں ہوتے۔ بروؤں میں یہ مجلس تمام بلدی اغراض پورے کرتی ہے۔ بڑی پیرشوں میں بھی مجلسیں ہیں۔ اور چھوٹے پیرشوں میں نیو انگلینڈ کی دیہی مجلس کی طرح تمام رائے دہندوں کی مجلس کے ذریعہ کام ہوتا ہے۔

مجالس صوبہ کی طرف تقریباً وہ تمام فرائض منتقل ہو گئے جو محافظان امن کے قبضے میں تھے اور ان کے پاس صرف عدالتی اور کچھ اور فرائض باقی رہ گئے۔ مجالس کا خاص کام یہ تھا کہ مقامی حفظان صحت اور شاہراہوں کو چھوڑ کر باقی سڑکوں کی نگرانی کریں کیونکہ شاہراہیں صوبوں کے زیر نگین تھیں۔ پیرشوں میں ملکی امور مذہبی امور سے علحدہ کر دئے گئے اور مذہبی امور (Vestrees) کے ہاتھ میں ہیں۔ جو امور بذات خود مقامی اقتدار کے تحت آتے ہیں وہ بالعموم تینوں اکائیوں میں برابر

منقسم ہیں اور اس کے اوپر سے نیچے تک اقتدار و ذمہ داری کے دائرے چھوٹے ہوتے جاتے ہیں۔ جو شخص اس نظام کے مقامی عمل سے ناواقف ہے۔ اس کے سامنے مقامی اکائیوں کے درمیان کوئی اصول تقسیم ظاہر نہیں ہوتا اور بعض صورتوں میں، مثلاً غربا کی نگہداشت کی بابت، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اصول کی جگہ قدیم زمانے سے محض روایت کا سکہ رواں ہے۔ مقامی حکومت کے تحت خاص امور یہ ہیں: مقامی مالیات تحتانی تعلیم، حفظان صحت، کوتوالی جس کے ساتھ محافظان امن شریک ہیں، غربا کی امداد، لنگر خانے، سڑکیں وغیرہ۔ حکومت کے عملی کاموں کا ایک بڑا حصہ ذیلی جماعتوں کے ذریعے انجام پاتا ہے۔ جن میں وہ لوگ بھی کام کر سکتے ہیں جو مجلسوں کے اراکین نہیں ہوتے۔ جو تبدیلیاں کی گئی ہیں ان سے یہ نہیں ہوا کہ اعلیٰ اور بالائی متوسط طبقے سے حکومت کی نگرانی لے لی گئی ہو لیکن ان نتائج سے عام اطمینان ہے اور اس میں تبدیلی کرنا ہمیشہ رائے دہندوں کے اختیار میں ہے۔

مرکزی نگرانی۔ انگریزی طریق کا سب سے زیادہ غیر مانوس رخ ایک امریکی کے لئے وہ نگرانی ہے جو مرکزی حکومت کے عہدہ دار مقامی حکومت پر کرتے ہیں۔ یہاں کیا اور جگہ بھی یہ یاد رکھنا چاہئے کہ انگلستان کی مرکزی حکومت کو گویا امریکی مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے دونوں فرائض انجام دینے پڑتے ہیں۔ لیکن میں اس بات کا معتقد ہوں کہ دنیا میں کسی جگہ اس نگرانی کے مطابق کوئی چیز نہیں پائی جاتی جو انگلستان کے بعض انتظامی محکمہ جات کی طرف سے مقامی حکومت پر کی جاتی ہے۔ ایسے پانچ محکمہ جات ہیں اور ہر محکمے کا صدر کابینہ کا درجہ رکھتا ہے دفتر داخلہ مقامی کوتوالی اور مقامی حفظان صحت کے کچھ فرائض اور دوسرے چند اور کام کی نگرانی کرتا ہے؛ مجلس حکومت مقامی کے سپرد متعدد فرائض ہیں جن میں غربا کی نگہداشت، مقامی مالیات اور حفظان صحت شامل ہیں۔ تعلیم، تجارت اور زراعت کی مجالس ان اغراض کی نگرانی کرتی ہیں جو ان کے نام سے ظاہر ہیں۔ ان مرکزی محکمہ جات کو ایسے احکام نافذ کرنے کا اختیار ہوتا ہے جن کی نوعیت قانونی ہوتی ہے۔ مقامی تجاویز پر ان کو حق امتناع حاصل ہے۔ یہ ناظروں کے ذریعے سے کام کرتے ہیں جن کا ایک وسیع نظام ہے، اور فرائض میں ان کا ایک خاص فرض

مقامی کاروبار میں ماہرانہ رائے اور امداد بہم پہنچاتا ہے۔ چونکہ ان محکمہ جات کے ارکان مستقل ہوتے ہیں اور پھر مقامی عہدہ داران محکمہ جات کی رہنمائی کے سہارے چلنا چاہتے ہیں اس لئے یہ خوف پیدا ہو گیا ہے کہ مرکز کا دفتری اقتدار پہلے سے بھی بڑھ جاوے گا۔

موجود الوقت عدالتہائے قانونی۔ ۱۸۳۲ء کے بعد قانونی اور عدالتی ادارات میں جو اصلاحیں ہوئیں ان کے متعلق یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ افراد کے لئے مقامی حکومت والی اصلاحات سے کم فائدہ مند ہوئیں گو وہ اتنی نمایاں نہیں تھیں۔ ۱۸۳۶ء میں فوجداری سماعت کے طرز میں تبدیلیاں کی گئیں جن کی بناء پر ملزم کو یہ موقع دیا گیا کہ وہ اپنی مخالف شہادت سے پوری واقفیت حاصل کرے اور وکلاء کے ذریعے پیروی کرائے۔ ۱۸۳۷ء میں سنگین جرائم کی تعداد گھٹانے میں مزید ترقی کی گئی۔ اس کے بعد انسانی ہمدردی اور قطعی انصاف کی خاطر ایسے قوانین کا ایک طویل سلسلہ منظور کیا گیا جس سے قانون فوجداری کے متن اور کارروائی سماعت دونوں پر اثر پڑا۔ ۱۹۰۷ء میں عدالت مرافعہ فوجداری قائم کی گئی اور فوجداری مرافعہ کے پورے حقوق دیے گئے۔ دیوانی قانون کے شعبے میں جو طولانی اور فضول خرچ طریقۂ کارروائی قرون وسطیٰ سے جاری تھا ان میں اصلاح کی بڑی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ ۱۸۳۲ء میں طریقۂ کارروائی کو قدرے ہلکا کیا گیا اور یہ طریقہ قانون عرفی کی تینوں عدالتوں میں یکساں کر دیا گیا۔ اس کے بعد دوسری اصلاحیں ہوئیں؛ بالخصوص ۱۸۵۲ء میں دو قوانین مرتب کئے گئے جن سے قانون عرفی کی عدالتوں کے طریقۂ کارروائی اور عہدہ داروں میں وسیع تبدیلیاں کی گئیں۔ اسی اثناء میں طریق نصفت میں خاطر خواہ تبدیلیاں شروع ہوئیں جن سے عدالتیں مستحکم ہو گئیں طریقۂ کارروائی سادہ ہو گیا اور نصفت اور قانون عرفی کے درمیان جو مناقشہ تھا وہ دور ہونے لگا۔

یہ مختلف سرچشمے سبب کے سب اس پورے سلسلۂ قوانین عدالت کے باعث ہوئے جو ۱۸۷۳ء میں اور ۱۹۱۰ء تک منظور ہوتے رہے اس سلسلۂ قوانین سے تمام نظام عدالت کی بیرونی تنظیم اور اندرونی متن دونوں اعتبار سے از سر نو تعمیر

ہوگئے۔ تمام مرکزی عدالتیں ایک "عدالت عظمیٰ" میں ضم کردی گئیں۔ اس عدالت
کی شان نوعی ہے اور یہ جو صرف دو شاخوں یعنے عدالت مرافعہ اور عدالت عالیہ
کی صورت میں موجود ہے۔ آخرالذکر عدالت کا وجود اس کے تین شعبوں میں پایا جاتا ہے۔
یعنے شاہی عدالت، عدالت نصفت۔ عدالت وصایا طلاق و معاملات بحری
آخری دو عدالتوں کے نام سے ان کی خصوصیت ظاہر ہو جاتی ہے۔
عدالت شاہی کے شعبے میں پرانی قانونی عرفی کی عدالتوں کو مدغم کردیا گیا ہے۔
عدالت مال اور عدالت مقدمات عامہ غائب ہوگئیں۔ عدالت عالیہ کے کام
کا ایک بہت بڑا حصہ گشتی عدالتہائے اسائیز کے ذریعے انجام پاتا ہے۔ اور یہ
قدیم نظام گشتی عدالت کی موجودہ شکل ہے۔ عدالت عالیہ کے شعبوں کے کام کو ضابطہ
اور چارۂ کار دونوں شکلوں میں بہ حد امکان یکساں کیا گیا ہے۔ قانون عرفی اور
قانون حق رسی دونوں مدغم کردیے گئے لیکن عمل میں دونوں مختلف ہیں۔ عدالت عالیہ
کے فیصلوں کا عدالت مرافعہ میں مرافعہ ہوتا ہے۔ اور عدالت مرافعہ سے دارالامراء میں
بہ حیثیت عدالت عظمیٰ کے مرافعہ ہوتا ہے۔ وراثتی مقدمات کے لئے مقامی
معدلت گستری کا اس طرح انتظام کیا گیا ہے کہ ملک کو پانسو اضلاع میں تقسیم کیا گیا ہے
جو مختلف حلقوں میں منسلک ہیں۔ سب سے پہلے یہ ۱۸۴۶ء میں بنائے گئے اور انھیں
"صوبہ واری عدالتوں" کا تاریخی نام دیا گیا لیکن ان کو تاریخی یا جغرافی اعتبار سے
پرانے نظام سے کوئی تعلق نہیں۔ ان تمام عدالتوں کے فیصلوں کے متعلق عدالت عالیہ
میں اور اگر ضرورت ہو تو دارالامراء میں مرافعہ ہو سکتا ہے۔ یہ عدالتیں مقدمات خفیفہ
کے سلسلے میں بہت ہر دلعزیز ہو چکی ہیں اور موجودہ صدی میں ان کے حدود اختیارات
بہت وسیع کردیے گئے ہیں۔ مقامی فوجداری اور کوتوالی عدالتوں کی حیثیت میں
عدالتہائے محافظان امن ابھی تک چھوٹے اجلاس اور سہ ماہی اجلاس کرتی ہیں۔

بادشاہ کے مناصب۔ بادشاہ کے اقتدار کے متعلق جو اس دور میں
حاصل تھا پہلے کہا جا چکا ہے لیکن اس پر قدرے اضافہ کرنے کی ضرورت ہے ایک عرصے تک
یہ خیال تھا کہ ۱۸۳۴ء میں ولیم چہارم نے وزراء کو یک بیک معزول کر کے جب کہ
دارالعوام ان کی تائید پر تھا شاہی اقتدار کی ایک اور مثال قائم کردی لیکن فی زمانا

یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ تدبیر وزیر اعظم لارڈ ملبورن کی رضامندی پر کی گئی تھی۔ اس نے یہ تحریک اس لیے پیش کی کہ وہ اپنے کو متزلزل پاتا تھا اور خدمت سے سبکدوش ہو جانا چاہتا تھا۔ خود بادشاہ بھی جو ملبورن سے ناراض تھا اس بہانے کا خواہاں تھا۔ اس واقعے سے دستوری عملدرآمد کی ایک دلچسپ مثال پیدا ہو گئی۔ اس وقت فریق مخالف کا رہنما سر رابرٹ پیل روما میں تھا۔ وہ فوراً انگلستان کو واپس ہو گیا۔ بادشاہ کی اس کارروائی کی بنا پر قاعدے کے مطابق پیل نے ذمہ داری منظور کر لی اور کابینہ ترتیب دیکر حکومت چلانے کی کوشش کی لیکن نتیجہ مایوس کن تھا۔ پارلیمنٹ برخاست کرنے اور ملک سے استفسار کرنے پر ایوان میں قدامت پسندوں کی رائیں بڑھ تو گئیں لیکن اس کے باوجود اس فریق کی علانیہ اقلیت تھی۔ پیل نے پارلیمنٹ میں اصلاحات کا ایک دلکش پیمانہ پیش کیا۔ لیکن مخالف اکثریت اس کی کوئی چیز بھی منظور کرنے والی نہیں تھی۔ اپنے تقرر کے بعد سے چار مہینے تک اس نے بہت حوصلہ افزا جدوجہد کی لیکن بالآخر بادشاہ سے یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ اس کے مخالفوں کو خدمت وزارت پر بلا لیا جائے۔ یہ تمام کارروائی بالکلیہ تاویل دستور کے مطابق تھی جو اس وقت متداول تھا اور اب بھی نظریے کی صورت میں موجود ہے لیکن اب یہ ممکن نہیں کہ کوئی دوسرا بادشاہ پھر اس قسم کی کوشش کرے یا کوئی دوسرا وزیر انھیں حالات میں اپنے کو قائم رکھنے کی کوشش کرے جس طرح پیل نے کیا تھا۔

۱۸۳۹ء میں ملکہ وکٹوریہ نے نئی وزارت کے کہنے سے اپنی بیگمات خوابگاہ کو بدلنے سے انکار کر دیا اور استعفا دینے کے بعد لارڈ ملبورن کو دو سال خدمت پر بحال رکھا۔ لیکن اس واقعے کی نوعیت مختلف ہے۔ ملکہ نے یہ کام کسی سیاسی نیت سے نہیں کیا تھا بلکہ یہ سمجھا تھا کہ ملکہ سے شخصی ایثار کا ناجائز مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ یہ ایک جدید سوال تھا اور یہ اس سے پہلے مسئلے کی صورت میں سامنے نہیں آیا۔ پھر رابرٹ پیل خدمت کا طالب بھی نہیں تھا کیونکہ وہ جانتا تھا ایوان کا فریقانہ مزاج کس قدر متلون ہے۔ ۱۸۴۱ء میں جب اس کو خاطر خواہ اکثریت حاصل ہو گئی تو ملکہ نے بھی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اس کو یہ بات مان لینی چاہیے۔ ملکہ وکٹوریہ کے مکتوبات کی اشاعت سے وہ تمام دلچسپ جھلکیاں سامنے آجاتی ہیں کہ اس صدی

کے وسط میں حکمراں اور حکومت کے درمیان کیا تعلق تھا۔ اصلاح محاصل کی کوششوں میں ملکہ نے پیل کی بڑی تائید کی تھی اور اس سے پیل کو غیر معمولی ڈھارس ہوئی ہو گی۔ ۱۸۵۳ء میں جب لارڈ ابرڈین ترتیب وزارت کے لئے بیٹھا تو ملکہ نے اس کو یہ لکھا کہ "مجھے امید ہے کہ مسٹر گلیڈسٹن وزیر مال اور لارڈ سینٹ لینرڈز لارڈ چانسلر بنائے جائیں گے"۔ اس تحریر کے باوجود ابرڈین نے مسٹر گراہم کو خزانے پر لانا چاہا اور لارڈ سینٹ لینرڈز چانسلر کی خدمت پر قائم نہیں رہا۔ ان مکتوبات میں وہ بیان خاص طور پر دلچسپ ہے جو بالخصوص ۱۸۵۸ء کے اوائل میں ترتیب کابینہ کی مشکلات ظاہر کرتا ہے کہ ارباب سیاست کو کیا کیا مشکلات درپیش ہوئیں اور کیا کیا طریقے اختیار کئے گئے۔

۱۸۵۰ء میں ملکہ نے وزیر اعظم کے توسط سے وزیر خارجہ لارڈ پامرسٹن کے نام جو یادداشت بھیجی تھی اس سے اس امر پر غیر معمولی روشنی پڑتی ہے کہ فرمانروا کو مسلک حکومت کی ساخت سے کیا تعلق ہے۔ لارڈ پامرسٹن اپنے محکمے کا کام بالکل آزادانہ اور کسی قدر خودرایانہ طریقے سے چلانا چاہتا تھا اور یادداشت کے الفاظ یہ تھے "اولاً ملکہ یہ چاہتی ہے کہ لارڈ پامرسٹن وضاحت کے ساتھ یہ ظاہر کریں کہ فلاں معاملے میں وہ کیا تجویز کرتے ہیں۔ تاکہ ملکہ اس چیز سے جس کے متعلق انھیں اپنی منظوری دینی ہو بخوبی واقف ہو سکے۔ دوسرے جس مسئلے کے متعلق ملکہ منظوری دیدے اس میں اس کو کوئی وزیر خودرایانہ طور پر ردوبدل و ترمیم نہ کرے۔ ایسے فعل کو ملکہ اس بات پر محمول کریں گی کہ یہ حکمراں کے ساتھ وفاشعاری نہیں ہے اور عزل وزیر کے دستوری اختیارات کا استعمال کرنا جائز سمجھیں گی۔ ملکہ اپنے کو ان امور سے واقف رکھنا ضروری سمجھتی ہیں جو پامرسٹن اور بیرونی سفیروں کے درمیان اہم فیصلے ہونے سے پہلے گفت و شنید میں پیدا ہوں۔ نیز یہ ضروری ہے کہ بیرونی مراسلات ملکہ کو بروقت ملا کریں اور جو مسودات اس کی منظوری کے لئے آئیں وہ باہر بھیجنے سے پہلے کافی مہلت کے ساتھ اس کے پاس آیا کریں تاکہ ان کے مشتملات سے وہ اچھی طرح واقف ہو سکے"۔ ملکہ کا یہ مطالبہ نہیں تھا کہ ان کی رائے سے وزارتی مسلک کی تشکیل عمل میں آئے بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ اس میں وہ منظوری دینے سے

گرنیز کر سکتی ہیں۔ وہ وزیر وقت سے صرف یہ مطالبہ کرتی تھیں کہ وہ ملکہ کو تشفی بخش طریقے سے واقف کرائے۔ ۱۸۵۱ء میں لارڈ پامرسٹن کو اس وجہ سے معزول کیا گیا کہ اس نے پیرس کے اچانک طرز عمل کے متعلق سرکاری طور پر جو خیالات ظاہر کئے تھے وہ اس حکمت عملی سے مختلف تھے جس کو کابینہ نے قرار دیا اور ملکہ نے منظوری دی تھی۔ ۱۸۳۲ء سے زمانۂ حال تک جو زمانہ گزرا اس میں عاملہ کے اختیارات میں غیر معمولی اضافہ اور اس کی جدوجہد میں غیر معمولی توسیع ہوتی رہی لیکن اس تبدیلی سے بجائے فرمانروا کے کابینہ کو زیادہ فائدہ پہنچا۔ چونکہ کابینہ بالکلیہ اقتدار پارلیمنٹ کے تابع سمجھی جاتی ہے اس لئے اس تبدیلی سے کوئی مخالفت ہوئی نہ کوئی دستوری تنقید عمل میں آئی۔

قانون اصلاح کے بعد جو دور آیا اس میں سیاسی فریق بندی کے جوڑ بند ڈھیلے ہو گئے اور غیر معمولی انتشار پیدا ہو گیا وھگ فریق میں ایک غالی عنصر پیدا ہو چکا تھا اور ٹوری فریق میں پھوٹ پڑ گئی۔ جس اکثریت نے اس کی تتبع سے انکار کر دیا تھا اور قنوطیت پیدا ہو چکا تھا۔ سر رابرٹ پیل کے قانون اجناس کو منسوخ کرانے سے ٹوری فریق میں پھوٹ پڑ گئی۔ جس اکثریت نے اس کی تتبع سے انکار کر دیا تھا اور جس اقلیت نے جو "حامیان پیل" کہلاتے تھے اس کا اتباع کیا تھا دونوں کئی سال تک اپنے طور پر الگ الگ کام کرتے رہے۔ ان قدیم فریقوں کا انتشار اس بات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں وھگ اور ٹوری کے پرانے نام بتدریج متروک ہو گئے اور ان کی جگہ جدید نام لبرل اور متحفظ استعمال ہونے لگے اب بھی گاہے ماہے وھگ اور ٹوری کی جو اصطلاحیں استعمال ہوتی ہیں تو ان کے ساتھ خاص و محدود معنی وابستہ ہوتے ہیں۔ ان خاص حالات کا نتیجہ یہ تھا کہ ۱۸۵۰ء اور ۱۸۶۰ء کا درمیانی عشرہ مخلوط وزارتوں سے پُر رہے جو اکثر مختصر العہد تھیں اور وہ کمزوری ظاہر کرتی تھیں جو مخلوط حکومتوں کے لئے ناگزیر ہے۔ کابینہ کے مختلف اجزا تدبیر مملکت کے تقریباً ہر مسئلے کو جو سامنے آتا تھا مختلف زاویۂ نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ۱۸۵۹ء کے لگ بھگ "حامیان پیل" نے جن کا قابل ترین رکن گلیڈسٹن تھا اپنے کو علانیہ لبرل فریق کے ساتھ جوڑ دیا۔ الرہم آئرستانی سواراجی فریق کے عروج کو جو آٹھویں عشرے تک پارلیمنٹ کے اندر سے ہوا تھا مستثنیٰ نہ کریں تو اس کے بعد تقریباً ربع صدی ایسی گذری جس میں باقاعدہ

فریقانہ تعلقات اور باقاعدہ فریقانہ حکومت قائم رہی اگرچہ موجودہ زمانے کے بہ نسبت اس زمانے میں اور بالخصوص لبرل فریق میں جس طرح ہر ملک کے لبرل فریق کا حال ہے فریقانہ روابط میں آج کل سے زیادہ بست و کشاد کی گنجائش نہ تھی۔

دوسرا قانون اصلاح ۱۸۶۷ء کے قانون اصلاح کو منظور ہوئے کوئی بیس سال ہو چکے ہوں گے جب کہ اسی قسم کی مزید تبدیلیوں کے لئے خاطرخواہ کوشش کی گئی ۱۸۵۲ء اور ۱۸۵۴ء میں لارڈ جان رسل نے پہلی مرتبہ بہ حیثیت وزیر اعظم اور دوسری مرتبہ بہ حیثیت رکن کابینہ اور رہنمائے دارالعوام مسودات اصلاح پیش کئے لیکن ان میں کوئی تحریک ہی آزمائش رائے کے لئے آگے نہیں بڑھائی گئی ۱۸۵۹ء میں ڈزریلی نے جو لارڈ ڈربی کی مستحفظ کابینہ میں وزیر خزانہ تھا ایک اور مسودہ پیش کیا تھا۔ یہ مسترد ہو گیا اور اس وزارت کو جس نے اس مسئلے کے لئے ملک سے استفسار کیا تھا شکست ہو گئی چنانچہ اب لبرلوں کے لئے جگہ خالی ہو گئی جو ۱۸۶۶ء تک برسر خدمت رہے ۱۸۶۰ء میں لارڈ جان رسل نے جو اس وقت وزیر خارجہ تھا تیسری مرتبہ کوشش کی لیکن دوسرے اُمور کی مصروفیت کی وجہ سے یہ مسودہ ہمیشہ کے لئے واپس لے لیا گیا اور ۱۸۶۶ء میں ارل رسل کی (جو پہلے لارڈ جان رسل تھا) وزارت کو دوسرے مسودۂ اصلاح پر شکست ہو گئی جس کی وجہ سے اسے مستعفی ہونا پڑا۔ اس زمانے میں لبرل فریق اس مسئلے کے فروعات کے متعلق اپنی شقوں میں اس قدر منتشر تھا کہ وہ کسی تجویز کو پختہ کر کے روبراہ نہیں کر سکتا تھا۔ ان مجوزہ مسودات کے ساتھ کوئی زبردست عمومی مطالبہ بھی نہیں تھا۔ لیکن آخری مسودے کی شکست کے بعد عوام نے بالخصوص مزدور طبقات نے یہ ظاہر کر دیا کہ اصلاح کے لئے مطالبہ موجود ہے اور اس کی تشفی ہونی چاہئے۔ ۱۸۶۷ء کا مسودۂ اصلاح جسے "دوسرا مسودہ اصلاح کہتے ہیں" اسی او عا کا نتیجہ تھا۔ اس کو ڈزریلی نے پیش کیا جو پھر وزیر مالیہ ہو گیا۔

یوں تو ارل ڈربی قدامت پسند کابینہ کا وزیر اعظم تھا لیکن لبرل فریق کی (جس میں اس وقت یک جہتی پیدا ہو گئی تھی) دارالعوام میں اکثریت تھی۔ ان حالات میں ڈزریلی نے یہ تحریک کی کہ مسودۂ اصلاح کو غیر فریقانہ مسئلہ قرار دیا جائے"

چنانچہ یہ مسودہ دونوں فریقوں کے اتحاد عمل سے پاس ہوا۔ لیکن لبرل اس قدر پرزور تھے کہ انھوں نے مسودے کو اپنے نقطۂ خیال کے مطابق بنا لیا اور ڈزریلی نے معقولیت سے کام لیکر بہت سے قدامت پسندانہ تحفظات کو خارج کر دیا جو اس نے اپنی پہلی تحریکوں میں شامل کئے تھے۔ الغرض یہ مسودہ دراصل لبرلوں کا مسودہ ہو گیا، اگرچہ بغیر قدامت پسندوں کی رائے کے غالباً وہ پاس نہیں ہو سکتا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ قدامت پسند کابینہ کی طرف سے نہ ہوتا اور سرکاری نہ ہوتا تو دارالامرا اس کو رد کر دیتا۔

دوسرا مسودۂ اصلاح ۱۸۳۲ء کے قانون کے ڈھچر پر ڈھالا گیا انتخاب کنندوں کی بالخصوص بلدیات کے رائے دہندوں کی اہلیت خاطر خواہ گھٹا دی گئی لیکن معیار وہی رہے یعنی جائداد کی اہلیت برابر قائم رہی۔ بلدیات میں مکانات کے رہنے والوں کو اور کرایہ دینے والوں کو جو دس پونڈ کرایہ ادا کرتے تھے حق رائے دہی دیا گیا۔ صوبوں میں جو لوگ بارہ پونڈ کی سکونتی ضروریات پورے کر سکتے تھے وہ موجودہ رائے دہندوں میں شامل کئے گئے۔ اس قانون سے تقریباً دس لاکھ جدید رائے دہندے پیدا ہو گئے۔ اگرچہ یہ پچھلی تعداد سے پورے دگنے نہیں تھے لیکن عمومیت کی طرف یہ پیشقدمی اس سے کہیں زیادہ تھی جو اس تناسب سے سمجھی جا سکتی ہے۔ کیونکہ اس مرتبہ جو اضافہ ہوا تھا وہ بلدیات کے صناعوں کے شمول سے ہوا تھا۔ اس طرح ملک کے بلدیات کی رایوں میں ۱۳۴ فیصدی کا اضافہ ہوا اور بعض بلدیات میں رائے دہندوں کی پچھلی تعداد تگنی ہو گئی۔ واضح ہو کہ زراعتی مزدور اور وہ تمام مزدور جو ایسے بلدیات میں رہتے تھے جو پارلیمنٹی برد نہیں تھے ابھی رائے دہی سے خارج تھے۔ نشستوں کی جدید تقسیم کی وجہ سے باون نشستیں چھوٹے بلدیات سے لے لی گئیں اور یہ گیارہ جدید بلدیات کو اور چند ان پرانے بلدیات کو جن کی نیابت بڑھ گئی تھی اور صوبوں کو دی گئیں۔

اس مسودے کا ایک اتفاقی اثر ایسا تھا کہ جس کی نہ پیش بندی کی گئی تھی نہ اس کی خواہش تھی۔ اس سے مختلف سیاسی فریقوں کی گہری تنظیم ہو گئی بلکہ ایک ایسی چیز پیدا ہو گئی جس کو فرقی کل کہہ سکتے ہیں۔ دارالامرا کی ایک ترمیم کے مطابق جس کو

دارالعوام نے منظور کر لیا ایک محدود نیابت متناسبہ کا طریقہ جاری کیا گیا یعنی پانچ بلدیات اور سات صوبوں میں جہاں سے تین تین اراکین منتخب ہوئے تھے انتخاب کنندہ کو دو سے زیادہ کے لئے رائے دینے کی اجازت نہیں ملی۔ اس ضابطے کا منشا اکثر صورتوں میں پورا ہوا لیکن برمنگھم میں جس کی جوزف چمبرلین رہنمائی کرتا تھا لبرل ایسوسی ایشن کے نام سے ایک جدید مقامی عضویت بنادی گئی تھی جو بلدیہ کی لبرل رایوں کی پوری نگرانی کرتی تھی چنانچہ محدود رائے دہی کے اصول کے باوجود تین کی تینوں نشستیں لبرل گروہ ہی کو مل گئیں۔ یہ اس نظام کی ابتدا ہے جو بعد کو انگلستان میں بزمک طریق کے نام سے موسوم ہوا۔ برمنگھم کے نمونے پر دوسری مقامی انجمنیں بنائی گئیں اور اس کے علاوہ لبرل انجمنوں کا ایک مرکزی وفاقیہ بھی تھا۔ اس کا مستقل نتیجہ یہ نہیں ہوا کہ امریکہ کی طرح کی برمکیں اور قومی اجتماع قائم ہو جائے بلکہ امیدواروں کا تقرر اور ان کا انتخاب فریقوں کی رہنمائی اور نگرانی کے تحت سمٹ گیا اور اس کے ساتھ ہی ہر منفرد رائے دہندہ اور ہر فریق کے امیدوار کی آزاد خیالی میں کمی ہو گئی۔

حلقہائے انتخاب کا زور۔ حق رائے دہی کی وسعت سے جو عام رجحانات پیدا ہوئے تھے وہ ایک حد تک اسی طرف کو جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ دارالعوام کا دارومدار انتخاب کنندگان پر بڑھتا گیا۔ اس کے بعد ہی حلقہائے انتخاب کی حاکمانہ قوت رفتہ رفتہ محسوس ہونے لگی۔ خود ایوان کی کیفیت بھی بدلنے لگی۔ اب تک یہ ایسی جماعت تھی جس کے اراکین الگ الگ مقامات سے منتخب کئے جاتے تھے لیکن یہ الگ الگ مقامات کی نمایندگی نہیں بلکہ جملہ قوم کی نمایندگی کرتے تھے۔ یہ ایک نظریہ تھا اور تاحد فطرت انسانی یہ ایک واقعہ تھا کہ ایوان اپنے پورے اراکین اور آزادانہ بحث سے تمام حالات کے پورے علم اور غور کے ساتھ جس کا منتخب کنندوں پر حصر کرنا ناممکن تھا خود اپنے طور پر فیصلے کرتا اور وزارتوں اور تدبیر مملکت کی قسمت کا فیصلہ کرتا تھا۔ اب مختلف حلقہائے انتخاب میں

منتخب کنندگان اس بات کا مطالبہ کرنے لگے کہ ذمہ داری ان کے سامنے براہ راست ہو اور اپنے اراکین کے متعلق یہ خیال کرنے لگے کہ وہ قومی مسائل میں خود ان کے اظہار خیال کے ذرائع ہیں اور اس پر طرہ یہ کہ ان سے توقع رکھی جانے لگی کہ وہ اس فریق کے ساتھ دائمی وفاداری کا ثبوت دیں جس نے ان کو منتخب کیا ہے۔ یہ سب کچھ روز افزوں عمومی طاقت کی کھلی نشانیاں ہیں۔ اس وقت تو جس سے ہم بحث کر رہے ہیں یہ صرف شروعات ہیں۔ اس زمانے کے لوگ ان امور سے پورے طور پر کہاں واقف ہو سکتے تھے۔ اور خود ہم ان امور سے صرف واقعات کا مطالعہ کرنے ہی سے واقف نہیں ہوئے بلکہ اس سے زیادہ ہم نے ان اولین تغیرات کی ٹوہ لگائی جو بعد کو خود بخود نمایاں اور واضح ہو گئے۔

۱۸۶۸ء کے تمام انتخابات سے لبرل فریق کو ایک زبردست اکثریت حاصل ہو گئی اور ڈزریلی جو اس سال کے اوائل میں ارل ڈاربی کے بعد وزیر اعظم ہو گیا تھا پارلیمنٹ کے اجلاس کا توقف کیے بغیر مستعفی ہو گیا۔ یہ پہلا وزیر ہے جس نے اس طریقے سے ملک کے فیصلے کو تسلیم کیا۔ اب گلیڈسٹن وزیر اعظم ہو گیا اور ۱۸۷۴ء تک برسر حکومت رہا۔ اس کے نظم و نسق کے پانچ سال بڑے اہم اصلاح کے دن تھے۔ آئرستانی کلیسا کو موقوف کر دیا گیا۔ ایک قانون اراضی آئرستان پاس ہوا، جو پٹہ دار کے لئے حفاظتی تدابیر کی ابتدا تھی۔ ایک قانون تعلیم سے تعلیم کو قومی بنانے کی مزید کوشش کی گئی۔ منحرفین جامعات میں شریک کیے گئے۔ فوج میں کمیشنوں کی فروخت کے انسداد کے لئے جو تدبیر کی گئی اس کی بابت معلوم ہوا کہ دارالامرا کی رائے خلاف ہے۔ چنانچہ ملکہ کے اختیار خصوصی سے کام نکال کر اس رسم کا خاتمہ کر دیا گیا۔ خفیہ رائے دہی کے رواج کے لئے جو مسودہ پیش ہوا اسے دارالامرا نے نامنظور کیا لیکن دوسری مرتبہ منظور ہو گیا۔ آخر میں قوانین عدالت جن پر پہلے ہی بحث ہو چکی ہے پاس ہوئے۔

اس اثنا میں حق رائے دہی کی توسیع کے لئے پارلیمنٹ میں کئی تجاویز پیش کی گئیں لیکن گلیڈسٹن کی ۱۸۸۰ء والی دوسری وزارت سے پہلے اس کے متعلق کوئی خاطر خواہ قدم نہیں بڑھایا گیا۔



Bibliographical Note.—Sir W. R. Anson. *The Law and Custom of the Constitution*, 1907-9. P. Ashley, *Local and Central Government*, 1906. W. Bagehot, *The English Constitution*, 1872. J. R. M. Butler, *The Passing of the Great Reform Bill*, 1914. A. V. Dicey, *The Relation Between Law and Public Opinion in England in the Nineteenth Century* 1905; *The Law of the Constitution*, 1915. E. Dolleans, *Le Chartisme*, 1913. A. L. Lowell, *The Government of England*, 2 Vols. 1912. W-B. Odgers, *Local Government*, 1907. C. Seymoir. *Electoral Reform in England and Wales*, 1915. J.R. Thurshfield, *Peel*, 1891. G. S. Veitch, *The Genesis of Parliamentary Reform*, 1912.

باب ۱۹

عمومی انگلستان

اگر ۱۸۶۷ء کے قانون اصلاح نے انگلستان کو ارتقائے عمومیت میں عصر جدید کے زینے تک پہنچا دیا تھا تو ۱۸۸۴ء والے تیسرے قانون نے اس کے تمام دروازے کھول دیے۔ حقیقت یہ ہے کہ انگلستان اس مرحلے کے لئے جو تقریباً آخری تھا بالکل تیار تھا۔ نصف صدی کے دوران میں اصلاح کی خوف و دہشت بالکل زائل ہو چکی تھی کیونکہ اس سے کوئی قومی مصائب نہیں پیدا ہوئے تھے۔ معاشرے میں کوئی افراتفری نہیں ہوئی تھی۔ جائداد و ملکیت غیر محفوظ نہیں ہوئی تھی اور استیصالی فریق حکومت پر کچھ ایسا مسلط نہیں ہوا تھا کہ ہمیشہ کے لئے اٹل ہو جاتا۔ اگرچہ ۱۸۶۷ء کی اصلاح سے حق رائے دہی میں غیر معمولی توسیع ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود فریقوں کے توازن میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ نہ صرف لوگوں کے ذہنی معتقدات میں بلکہ عادات وخیالات و افعال میں عمومیت نے کافی جگہ کر لی تھی۔

جب ۱۸۸۰ء میں گلیڈسٹن دوسری مرتبہ وزیر اعظم ہوا تو دار العوام میں اس کو بڑی کثرت حاصل تھی۔ لیکن ۱۸۸۲ء تک اس نے کوئی جدید مسودہ حق رائے دہی

نہیں پیش کیا۔ سال ما قبل میں ایک ایسی نئی شکل پیدا ہو گئی جو اب تک نہیں ہوئی تھی اور
اس امر اتفاقی سے بعض ایسے طریقے وجود میں آ گئے جن کے ذریعے سے حلقہائے انتخاب
پارلیمنٹ پر اور اس کے علاوہ کابینہ پر براہ راست اپنا اثر ڈال سکتے تھے۔ اکٹوبر
میں ۵۰۰ لبرل انجمنوں کی طرف سے ۲۰۰۰ وفیدوں نے لیڈز میں کانفرنس کی اور ایک
پیش نامۂ اصلاح پر بحث کر کے یہ خواہش ظاہر کی کہ وزارت اس کو اختیار کرے۔
یہ منجملہ اور واقعات کے جو اس زمانے میں اسی نوعیت کے وقوع پذیر ہو رہے
تھے صرف ایک واقعہ تھا۔

استحفاظی اراکین نے جدید مسودۂ اصلاح کے اصول کی حد تک کوئی مخالفت
نہیں کی لیکن ان کو صرف اس بات میں مخالفت کا موقع ملا کہ اس مسودے کے ساتھ
نشستوں کے رد و بدل کا کوئی مسودہ منسلک نہیں تھا بلکہ اس کو ایک سال کے لئے
ملتوی رکھا گیا تھا۔ اسی بنا پر دارالامرا نے اس مسودے کو روک دیا۔ گلیڈسٹن نے
اس کام کے لئے عام انتخاب کی کارروائی سے انکار کر دیا۔ لیکن جدید اجلاس کی تیاری
میں جب کہ یہ مسودہ پھر پیش ہونا چاہیے تھا انتخاب کنندگان کے سامنے اس مضمون
پر بڑی شد و مد سے بحث کی گئی۔ اسی بحث میں ایک تجویز جو اگرچہ انیسویں صدی
میں بالکل جدید تجویز نہ تھی بلکہ ایک پر زور تحریک ہونے کی حیثیت میں جدید تھی یہ
پیش ہوئی کہ تنظیم دارالامرا کی جدید تشکیل ضروری معلوم ہوتی ہے اور گلیڈسٹن نے
ملکہ وکٹوریہ کی توجہ بحث کے اس ضروری پہلو کی طرف مبذول کروائی۔ ملکہ بہت
پریشان ہو گئیں اور وہ ایک تو اس وجہ سے پریشان ہوئیں کہ ایوان کی تشکیل جدید کا
امکان تھا اور کچھ اس وجہ سے کہ دونوں ایوانوں میں آثار اضطراب پیدا ہو گئے تھے۔
اس کے لئے ملکہ نے خود ثالث کی خدمت انجام دی اور گلیڈسٹن اور لارڈ سالسبری کو
لکھا کہ تم ذاتی طور پر باہم مشورہ کرو تا کہ باہم مفاہمت ہو جائے اور اس سے
مسودے کی منظوری کا موقع ملے۔

اس کانفرنس میں مسودۂ تقسیم جدید کے مجوزہ انتظامات مستحفظ رہنماؤں کو
سمجھائے گئے۔ اس میں کوئی اعتراض نہیں پایا گیا اور امرا نے مسودے کو پاس کر دیا۔
گلیڈسٹن نے فوراً ملکہ کو لکھا کہ "میرا اولین فرض یہ ہے کہ میں ملکہ معظمہ کی خدمت میں

مودبانہ شکریہ ادا کروں کہ ملکۂ معظمہ کے ذاتی اثرات نے جو نہایت معقولیت سلیقے اور استقلال کے ساتھ کام کرتے رہے اس معاملہ کی یکسوئی میں معتدبہ مدد دی اور معاملات کے شدید بحران کو بچا لیا"۔ اس سے پہلے بھی ۱۸۶۹ء میں جب کہ مسودۂ ہوتو نی کلیسائے آئرستان کے استرداد کا خوف پیدا ہو گیا تھا ملکۂ وکٹوریہ نے اسی طریقے سے مداخلت کی تھی اور اسی طرح کی کامیابی حاصل کی تھی اور مسٹر گلیڈسٹن کا تحریری شکریہ حاصل کیا تھا پھر ۱۸۸۶ء میں جب کہ گلیڈسٹن کو مستحفظا اور آئرستانی رایوں کے اجتماع سے شکست ہو گئی ملکہ نے کامیابی کے ساتھ لارڈ سالسبری اور گلیڈسٹن کے درمیان سمجھوتہ کرنے کی کوشش کی۔ سالسبری مستحفظ وزارت بنانا چاہتا تھا۔ اور گلیڈسٹن کی تائید میں بہ نسبت عذامت پسندوں کے ہنوز سورایوں کی کثرت تھی بشرطیکہ آئرستانی جو مذبذب تھے ان کی تائید کرتے۔ یہ واقعات اس اثر کی اچھی مثالیں ہیں جو حکمران عملی معاملات میں اب تک استعمال کر سکتا ہے اس اثر سے حکمران خود کوئی فیصلہ نہیں کرتا بلکہ جو لوگ فیصلہ کرتے ہیں ان کے لئے مشکلات حل کر دیتا ہے اور سہولت پیدا کر دیتا ہے۔

تیسرا قانون اصلاح ۔ ۱۸۸۴ء کے قانون اصلاح کی رو سے قابضانہ حق رائے دہی جو ۱۸۶۷ء میں بلدیات کو دیا گیا تھا صوبوں میں بھی بڑھایا گیا اور رائے دینے کی اہلیت خفیف استثنا کے ساتھ ان دونوں قسم کے حلقہائے انتخاب میں پہلی مرتبہ یکساں کر دی گئی۔ ہر ایسے مرد کو رائے دینے کا حق دیا گیا جس کی عمر ۲۱ سالہ ہو اور جو کسی مکان سکونہ کا "عادتی قابض" ہو خواہ اس کی سکونت بہ حیثیت مالک کے ہو یا کرایہ دار کے یا کسی خدمت یا ملازمت کے سبب سے ہو لیکن شرط یہ تھی اس مکان میں وہ شخص بھی سکونت پذیر ہو جس کا وہ خادم ہو۔ نیز ایسے کرایہ داروں کو حق رائے دیا گیا جن کی مالیت بلا اسباب خانہ داری دس پونڈ سالانہ تھی۔ اس قانون سے بالکلیہ عمومی عالمگیر رائے دہی نہیں پیدا ہوئی چند قدیم حقوق رائے دہی کی اعلاکی اہلیتیں اور تکثیری رائے دہندے باقی رہ گئے۔ وہ نوجوان جو اپنے باپ کے ساتھ رہتے ہوں اور وہ ملازم جو اپنے آقا کے مکان میں رہتے ہوں رائے نہیں دے سکتے تھے۔ لیکن ان مستثنیات کی نسبتہً بہت کم اہمیت تھی۔ جو گاڑیبان اور مالی کسی جاگیر کے حدود کے اندر اپنے جھونپڑوں میں

رہتے ہوں رجسٹر میں ان کا نام داخل کیا جا سکتا تھا، اور وہ لوگ جو روزانہ اجرت یا اُس کے مساوی آمدنی پاتے تھے اور اُن شرائط کی تکمیل کی زحمت گوارا کر سکتے تھے اندراج رجسٹر کے اہل قرار دیے گئے اس قانون کے تحت (بہ تناسب آبادی) پارلیمنٹی انتخاب میں اتنی ہی رائیں دی گئی ہیں جتنی امریکہ کے کانگریسی انتخاب میں۔

نشستوں کی جدید تقسیم اور حلقہہائے انتخاب کی جدید تقسیم کی بابت ۱۸۸۵ء میں جو قانون پاس کیا گیا اس سے اسقدر زبردست تبدیلیاں ہوئیں کہ ایسی اب تک نہیں ہوئی تھیں۔ دار العوام میں بارہ جدید ارا کین زیادہ کئے گئے اور مجموعی تعداد ۶۷۰ ہوگئی۔ منجملہ اِن کے ۴۶۵ انگلستان کی طرف سے۔ ۳۰ ویلز کی طرف سے ۷۲ اسکاچستان کی طرف سے اور ۱۰۳ آئرستان کی طرف سے آتے تھے۔ تناسب آبادی کے لحاظ سے انگلستان کو سب سے کم اور آئرستان کو سب سے زیادہ نیابت حاصل تھی۔ چند حلقہہائے انتخاب ایسے رہ گئے جو ایک سے زیادہ ارکین بھیجتے تھے لیکن سلطنت متحدہ کا بڑا حصہ ۶۱۷ حلقہہائے انتخاب میں منقسم کیا گیا جن میں ہر حلقہ ایک رکن منتخب کرتا تھا۔ ان حلقوں کا تعین آبادی کے لحاظ سے کیا گیا تھا۔ گو یہ صحیح ہے کہ انگلستان میں آبادی کے مساوی اکائیوں کی نیابت کا اصول اسقدر قطعیت کے ساتھ نہیں عمل میں لایا گیا جس طرح ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں۔ لیکن اس کے باوجود خود امریکہ میں بھی عدم مساوات موجود ہے۔ بالکل نپا تلا پیمانہ کسی جگہ ممکن نہیں۔ اس اثنا میں دوسرے قوانین کے پاس ہونے سے جن کی نوعیت بالکلیہ دستوری نہیں تھی عمومیت کا راستہ اور صاف ہوگیا۔ آسٹریلیا کی سی خفیہ رائے دہی اختیار کی گئی۔ انتخاب کنندگان کے فائدے کے لئے اندراجات کا طریقہ سہل ہو رہا تھا اور سہل کیا جا رہا تھا۔ ان قوانین نے جو رشوت ستانی کی بابت پاس ہوئے وہ مواقع گھٹا دیے جن سے انتخابات پر ناجائز اثر پڑ سکتا تھا۔

چند امور کے قطع نظر جن کی نظریے میں کوئی اہمیت ہو تو ہو لیکن عمل میں کوئی اہمیت نہ تھی، ۱۸۸۵ء سے ہر معاملے میں انگلستان عمومی بن گیا جہاں تک رائے عامہ کے اُس قریبی اثر کا تعلق ہے جو مسلک حکومت پر پڑتا تھا۔ یہ کہنا نامناسب نہیں کہ انگلستان ایک پشت تک ریاستہائے متحدہ امریکہ سے زیادہ عمومیت لئے ہوئے تھا

حکومت کے نظام کابینہ سے جہاں وزارت دار العوام کے سامنے ذمہ دار ہوتی ہے اور اکثریت کے معدوم ہونے سے اس کو حکومت سے دست بردار ہونا پڑتا ہے، ایک ایسا راستہ پیدا ہو گیا کہ جس کے ذریعے سے قومی رائے کی تبدیلی مسلک حکومت کی تبدیلی میں خود بخود ظاہر ہونے لگی اور اس کے لئے آیندہ انتخاب کے انتظار کی ضرورت باقی نہیں رہی لیکن ہمیشہ شرط یہ ہے کہ جس وقت پارلیمنٹ سے باہر رائے بدل جائے دار العوام میں بھی رائے بدل جانی چاہیے۔ سچ تو یہ ہے کہ ایام ماضی میں بھی یہی ہوا ہے اور مستقبل میں اسی کی توقع کی جاسکتی ہے کیونکہ حلقہائے انتخاب کو ایوان پر جو روز افزوں غلبہ ہو رہا ہے اس سے کوئی اور صورت ممکن نہیں۔

بیرونی رائے کا یہ دباؤ اور پارلیمنٹ اور کابینہ کا اس دباؤ میں آنا فریق بندی اور رفتار حکومت کی تاریخ کی ممتاز خصوصیت ہے جو ۱۸۶۷ء کے مسودۂ اصلاح کے بعد سے ظاہر ہونے لگی۔ اس مسودے کے پہلے بھی کچھ اثر ضرور موجود تھا اور وزرا اس دباؤ کو دل سے محسوس کرتے تھے۔ ۱۸۸۰ء میں جب گلیڈسٹن وزیر اعظم ہوا تو اس نے لارڈ روزبری کو لکھا کہ "جو پارلیمنٹ کے باہر ہے وہ مجھے اہمیت میں اس سے کہیں متجاوز ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے جو پارلیمنٹ کے اندر ہے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ یہ اہمیت متجاوز ہو چکی ہے" اور جب ۱۸۸۵ء میں حکومت نے استعفا دے دیا تو ڈیوک آرگائل نے گلیڈسٹن کو لکھا کہ میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے "باہر کی تقریروں کو اثر ڈالنے کا موقع دیا اور کابینہ کی باگ اس طرف موڑ دی جس کو بہ حیثیت مجموعی حکومت نے ابھی طے نہیں کیا تھا"۔ ان الفاظ سے بس یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قیام عمومیت کا قدرتی نتیجہ تھا اور جس میلان کی طرف یہ الفاظ اشارہ کرتے ہیں وہ سنین مابعد میں اپنی روز افزوں قوت کے ساتھ برابر بڑھتا گیا۔ اور اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوئی۔

اس صدی کے اختتام سے پہلے جو نتائج برآمد ہو چکے تھے وہ واضح تھے اور ان کے متعلق ہمارے ہاں نہ صرف نقادوں کا ثبوت موجود ہے بلکہ ان لوگوں کی شہادت بھی ہے جو اپنے تجربے کے ساتھ حکومت کے اندرونی چلن سے واقف تھے جس طرح یہ چیزیں اس زمانے میں پائی جاتی تھیں اور جس رنگ میں اس زمانے کے مصنف ان کو پیش کرتے ہیں ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عہد وکٹوریہ کے

وسط سے دو طرح سے ان میں تبدیلی ہو رہی تھی ایک پارلیمنٹی حکومت کے عام خدوخال اور دوسرے ان کے اجزائے ترکیبی کے باہمی تعلقات میں عام الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان تبدیلیوں کا اثر یہ ہوا کہ انگلستان اور ریاستہائے متحدہ کے درمیان باوجود عظیم الشان اختلافات کے جو اب تک موجود ہیں حکومت کی ہیئیت ظاہری اور عملی چلن میں پہلے سے زیادہ یکسانی پیدا ہوگئی۔ یہ وہ نتائج ہیں جو ایک مثال کو مستثنیٰ کرکے اب تک دستوری شکل میں ظاہر نہیں ہوئے۔ ان نتائج سے دستور کا قانونی پہلو متاثر نہیں ہوا لیکن رسمی پہلو ضرور متاثر ہوا۔ دوسرے الفاظ میں شکل نہیں بلکہ تاویل متاثر ہوئی۔ لیکن اس بات کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے کہ انگریزی بولنے والی اقوام میں اس قسم کی تبدیلیاں بہت پر اثر ثابت ہوئی ہیں۔

ابھی ہم یقین کے ساتھ اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتے کہ یہ تبدیلیاں اسقدر منضبط ہیں کہ ان سے ایک منزل ارتقا سے دوسری منزل تک دستور کی رفتار ظاہر ہوئی ہو۔ چونکہ کابینہ اور پارلیمنٹی حکومت کے رنگ روپ میں بہت زیادہ فرق نہیں پڑا اور وہ تقریباً وہی ہے جو عہد وکٹوریہ میں تھا اور جہاں تک نظریے اور تاویل عام کا تعلق ہے پارلیمنٹی حکومت کا رنگ روپ تو بہت کچھ وہی ہے اس لئے اگر عمومیت اس وادی خوف سے گزر جائے جو تجربے کا اقتضا ہے۔ اور یہ معلوم کرے کہ وہ کیا کیا کر سکتی ہے اور کسطرح کر سکتی ہے۔ اور پورے اعتماد کے ساتھ اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لینے کا ایسا انتظام کرے کہ دارالعوام کے اراکین کی حیثیت صرف وفیدوں کی سی نہ رہے تو اس طرف حقیقتہً عود کرنا ناممکن نہیں ہے۔ اگر دارالعوام پر سے مقامی حکومت اور چھوٹی اور معمولی فروعات کا بوجھ ہلکا کرنے کے ذرائع بہم پہنچائے جائیں تاکہ اس کو بڑے مسائل پر عام بحث کرنے کا موقع ملے جو واقع میں اچھے نتائج کا باعث ہوگی تو ایسی صورت میں عہد وکٹوریہ کا نظام حکومت کابینہ بہ آسانی واپس آسکتا ہے ۱۹۰۵ء کے بعد ہم کو اواخر انیسویں صدی کے میلانات میں قدرے تبدیلی محسوس ہوگی۔ دراصل یہ تبدیلی وہ تھی جو ایک طرف دارالعوام کے ساتھ دوسری طرف حلقہائے انتخاب کے ساتھ کابینہ کے تعلق پر اثر ڈالتی تھی۔ اس کو گہرے اور بے لاگ الفاظ میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ اب کابینہ کی باگ دارالعوام کے ہاتھ میں نہیں معلوم ہوتی

بلکہ خود کابینہ جس کو انتخاب کنندگان مقرر کرتے ہیں اور اس کی تائید کرتے ہیں دارالعوام کی مالک اور قائد بنتی جارہی ہے گو یہ بیان کسی قدر سخت معلوم ہوتا ہے لیکن اگر اسی صورت حال کی پوری وضاحت ہو تو اس میں کسی قدر ترمیم کی گنجایش نکل سکتی ہے۔

کابینہ کے بڑھے ہوئے اختیارات۔ دوسرے قانون اصلاح کے بعد سے یہ ہوا کہ وہ اکثریتیں جن کے زور سے ایک نہ ایک فریق انتخاب میں غالب ہو جاتا تھا اس قدر قوی ہونے لگیں کہ ان حکومتوں کو جو اس فریق سے مرتب ہوتیں ایوان میں پورا اقتدار حاصل ہو جاتا۔ اگر پارلیمنٹ میں کسی فریق کو ایک سو کی اکثریت ہو تو یہ مشکل ہے کہ باوجود چند اراکین کے دوسری طرف چلے جانے کے بھی اکثریت اقلیت میں تبدیل ہو جائے، گو بعض مرتبہ، خصوصاً جب ایسے فریق جیسے آئرستانی سوراجی فریق بھتا پاسنگ کی طرز پر دونوں بڑے بڑے فریقوں کا توازن رکھتا تھا اس میں دو چیزیں اور شامل کرنی چاہئیں۔ ایک یہ ہے کہ جدید حلقہائے انتخاب چاہتے تھے کہ ہر فریق کے تمام ارکان ایوان میں اپنے رہنماؤں کے ساتھ غیر متزلزل وفاداری کا ثبوت دیں۔ ایسی وفاداری ابتک نہ تھی۔ یہ لوگ غالباً اسی معین نتیجے پر پہنچے تھے کہ ان کی خواہشیں اسی وقت اچھی طرح پوری ہو سکتی ہیں جب کہ فریقانہ پیش نامہ کی سختی سے پابندی کی جائے۔ ''انجمنوں'' کی تنظیم سے یہ فائدہ ہوا کہ گھر میں اور دوسرے اراکین ایوان پر رائے عامہ کا دباؤ پڑنے لگا۔ دوسرے یہ کہ محفوظ نشستوں کا حاصل کرنا اتنا سہل نہیں رہا جتنا اعیانی دور حکمرانی میں تھا۔ ایک بڑی قوم میں جہاں صدہا اغراض و مقاصد ایک دوسرے کے ساتھ ٹکراتے ہوں اور متعدد امیدوار امیدان میں کھڑے ہوتے ہوں۔ انتخاب ایک غیر یقینی چیز ہو کر رہ گیا تھا اور باوجود جائز مصارف کے ایک بڑا رقمی معاملہ تھا کوئی رکن اس وقت تک کسی قسم کی آزادی طرز عمل کا مظاہرہ نہیں کرسکتا تھا تاوقتیکہ اس کو یہ یقین نہ ہو جائے کہ اس کے پیچھے اس کے منتخب کرنے والوں کی پوری تائید ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پارلیمنٹ برخواست کرنے کا اختیار اور عام انتخاب میں ملک سے رائے دریافت کرنے کی قوت ناقابل مزاحمت ہوگئی۔ کابینہ کے ہاتھ میں ایک ایسا تازیانہ آگیا جس کو وہ بلا پس و پیش استعمال کرتی تھی اور مشتبہ ساتھیوں کو عقبی قطاروں میں دھکیل دیتی تھی۔ جب کابینہ کسی مسودے کو تجویز حکومت

قرار دیتی اور اس طرح اس کی شکست کو پارلیمنٹ کی زندگی کے لئے خطرناک قرار دیتی۔ تو اس ذریعے سے ایک مسودے کو پاس کرنا بہت کچھ یقینی ہو جاتا اور کسی اہم ترمیم کی روک تھام آسان ہو جاتی۔

اگر ہم اس نظریے کو اس کے منطقی نتیجے تک پہنچا دیں تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ کابینہ پارلیمنٹ کی مطلق مالک ہو جائے گی اور جس نظریے پر حکومت کابینہ کا نظام قائم ہے وہ واقعات کے مطابق نہ ہو گا۔ نظریہ یہ ہے کہ اگر ایوان کے اراکین ایک مسئلے پر کابینہ کی تائید کریں تو دوسرے مسئلے پر اس کی مخالفت کر سکتے ہیں۔ نظریہ یہی ہے کہ حکومت اپنے کو قائم رکھنے کے لئے ایوان کی اکثریت کو مطمئن اور قائل کرے ورنہ خود فریق حکومت کے غیر مطمئن اراکین اس کے خلاف رائے دیدیں گے اور اس کو خدمت سے علیحدہ کر دیں گے۔ اگر یہ صورت حال باقی نہ رہے تو پھر یہ ہو گا کہ ایک انتخاب کے بعد جس میں ایک بڑی اکثریت آجائے کابینہ اسوقت تک اٹل ہو جائے گی جب تک قانونی قید کے مطابق پارلیمنٹ کی زندگی ختم نہ ہو جائے۔ اس صورت میں برطانوی نظام اور کانگریسی انتخاب کے امریکی عملدرآمد میں کوئی اہم فرق نہ ہو گا۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ رجحان ضرور اس نتیجے کی طرف پایا جاتا ہے لیکن یہ چیز ابھی پیدا نہیں ہوئی۔ ابھی تک ایوان میں دیکھا جاتا ہے کہ اراکین فریق کبھی کبھی حکومت سے پھر جاتے ہیں خود اکثریتیں جو اوائل میں کتنی ہی بڑی کیوں نہیں ہوں بعض اوقات پاش پاش اور منتشر ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ ۱۹۰۵ء میں مسٹر بالفور کی اکثریت کا یہی حال ہوا۔ وہ بیرونی طاقت جو کسی کابینہ کو ہٹا دیتی۔ اور توڑ دیتی تھی وہ تقریباً دوسو سال تک رائے عامہ کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن تبدیلی سب کچھ اس میں اور اس جگہ نہیں ہوئی جہاں یہ قوت ظاہر ہوتی ہے۔ اب رائے عامہ کا مرجع دارالعوام نہیں رہا جو قرون وسطیٰ میں رائے عامہ کا مرکز تھا۔ نہ اٹھارھویں صدی کی طرح (اگر اس صدی میں رائے عامہ کا وجود تسلیم کر لیا جائے تو) پارلیمنٹ میں اس کی رہنمائی ہوتی تھی اور وہ مشخص کی جاتی تھی۔ اب تو پارلیمنٹ اور کابینہ ایک دوسرے سے بے نیاز ہیں اور دونوں کی باگ رائے عامہ کے ہاتھ میں ہے۔ جو کسی اور جگہ بنتی

اور ظاہر ہوتی ہے اور دار العوام کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ وہ روز بروز ایک کل کی حیثیت اختیار کر رہا ہے جس کا کام صرف بیرونی فیصلوں کو قلمبند کرنا ہے۔ جہاں تک دستور سازی کا تعلق ہے۔ یہ ایوان اپنے فیصلے کو حکومت پر ظاہر کرتا ہے۔ اور یہ اس وجہ سے نہیں کہ یہ رائے خود اس کی بنائی ہوئی ہوتی ہے بلکہ اس وجہ سے کہ ایک تاریخی ادارہ ہے جس کے ذریعے یہ کام ہمیشہ انجام پاتا رہا ہے اور اس غرض کے لئے کوئی اور ذریعہ اس سے بہتر آج تک تجویز نہیں ہوا۔

دار العوام کی طاقت میں انحطاط - اگر ہم کو یقین ہو جائے کہ یہ میلانات جو ہم پچھلے چالیس سال کے دوران میں محسوس کر رہے تھے حقیقی اور مستقل ہیں تو ہم کو ایک ایسی دستوری تبدیلی سے سابقہ پڑے گا جو اپنی عظمت میں کسی پچھلی تبدیلی سے کم نہیں ہے۔ اس کا فیصلہ تو صرف زمانہ کرے گا کہ یہ عظیم الشان ہے یا نہیں - لیکن اس عمومی تحریک کے چند لوازم ایسے ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ منجملہ ان کے ایک نمایاں چیز یہ ہے کہ ایوان میں رائے لینے سے پہلے جو بحث ہوتی ہے وہ بے اثر سی معلوم ہوتی ہے۔ بحث کا وہ ٹھوس استدلال جو نفیاً و اثباتاً پیش کیا جائے دلچسپ نہیں ہوتا بلکہ بحث کے صرف وہ اجزا دلچسپ ہوتے ہیں جن میں کبھی کبھی طرفین میں چوٹیں ہو جاتی ہیں۔ اگر نتیجہ وہی امر طے شدہ ہے جو عظیم الشان وزراتی اکثریت اور حلقہائے انتخاب کے فیصلے سے مقرر ہو چکا ہے تو پھر اس کو ہر شخص سمجھتا ہے کہ اس تجویز کے محاسن پر بحث کرنے سے اس میں کوئی تغیر نہیں ہو سکتا۔ فریق مخالف کی تقریریں تقریباً ویسے ہی بے اثر ہوتی ہیں جیسے دار الامراء کے احتجاجات جو اس ایوان کی روداد میں درج کئے جاتے ہیں۔ ان اندراجات سے صرف اسقدر معلوم ہو جاتا ہے کہ صدر دار العوام کن کن موقعوں پر کھڑا ہوا۔ اکثر و بیشتر صورتوں میں ان تقریروں کا تخاطب باہر کے لوگوں سے ہوتا ہے۔ اراکین بحث نہیں سنتے - اگرچہ یہ بے توجہی اس حد تک نہیں پہنچتی ہے جو امریکی کانگریس کی ہے۔ لیکن یہ امریکی طرز کے قریب پہنچ جاتی ہے۔ وجہ دونوں جگہ ایک ہے حقیقی بحث جس سے

رائے قرار پاتی ہے اور اس رائے سے ملکی معاملات طے ہوتے ہیں وہ دارالعوام سے سیاسی حلقوں اور اخباروں اور میعادی رسائل میں منتقل ہوگئی ہے اور ان کا روئے سخن براہ راست انھیں لوگوں سے ہوتا ہے جو فیصلے کرتے ہیں۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اکثر اوقات معمولی کاروبار اور بعض اوقات اہم تر کاروبار بغیر کافی بحث کے طے کردئے جاتے ہیں۔ اس کی صرف یہی وجہ نہیں ہے کہ ہر اجلاس پارلیمنٹ کا بہت بڑا حصہ سرکاری کاروبار میں مصروف ہوتا ہے۔ اس کی کچھ وجہ وہ مقامی اور فروعی کاروبار ہے جو پارلیمنٹ کو طے کرنا پڑتا ہے اور اس سے نہ صرف حکومتی مسودات بلکہ غیر سرکاری مسودات پر اثر پڑتا ہے۔ اگر اہم ترین مسائل کا تصفیہ دارالعوام کے اختیارات سے باہر ہوگیا تو بھی وہ فروعات پر نقادانہ نظر دوڑا کر ایک اہم فرض ادا کرسکتا ہے اور حکومت کو مجبور کرسکتا ہے کہ اپنی تجاویز کی فروعات کے حق بجانب ہونے پر پورے طور پر بحث کرے۔ یہ چیز خاص طور پر رقمی قانون سازی پر صادق آتی ہے چنانچہ اس تمام کوشش کے باوجود کہ اس قانون سازی کے لیے تمام دوران اجلاس میں خاطر خواہ بحث مباحثہ ہو اور اس کے لئے باضابطہ وقت مختص کرنے کا انتظام کیا جائے تاہم وہ مقصد پورا نہیں ہوا۔ یہ کام ہمیشہ ملتوی ہوتا رہتا ہے، اجلاس کے آخری ایام میں اس کا ہجوم ہوتا ہے اور بعض اہم مسائل بغیر جانچ پڑتال کے طے کردئے جاتے ہیں۔

یہ تبدیلیاں جو انتخاب کنندگان، پارلیمنٹ اور کابینہ کے تعلقات پر اثر ڈالتی ہیں ان لوگوں کی توجہ سے اوجھل نہیں ہوتیں جو پارلیمنٹ اور حکومت میں دلچسپی لیتے تھے۔ لارڈ سالسبری نے ۱۸۹۴ء میں کہا تھا کہ "میرے خیال میں دارالعوام میں ایک غیر معمولی تبدیلی واقع ہوئی ہے اور یہ ارتقا ابتک جاری ہے۔ ہم اس نقطے پر پہنچتے ہیں کہ کسی تجویز کے متعلق کابینہ میں بحث ممکن ہے لیکن دارالعوام میں یہ بحث جس کا کوئی موثر اور مفید نتیجہ ہونا ممکن ہوتی جارہی ہے۔" اسی سال اس نے پھر یہ کہا کہ "میں خیال کرتا ہوں کہ جہاں تک بڑے مسائل کا تعلق ہے دارالعوام بتدریج اپنے اختیارات

دو چیزوں کے درمیان کھو رہا ہے۔ ایک طرف کابینہ اور دوسری طرف انتخاب کنندگان"۔ سنہ ۱۹ء میں لارڈ ہیو سیسل نے جو کنسرویٹو رہنماؤں میں سے تھا دار العوام میں کھڑے ہو کر کہا تھا کہ "یہ اعتقاد راسخ ہوتا جاتا ہے کہ ایوان ایک ایسا ادارہ ہے جس کا بہت کچھ اقتدار اور شہرت جاتی رہی ہے اور چونکہ کابینہ اس سے بہتر ادارہ ہے اور یہ ایک ناقص ادارہ کے حقوق پر دست دراز کرتا ہے اس لیے اس پر ملک زیادہ توجہ نہیں کرتا"۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں لارڈ برکن ہیڈ نے (جو اس وقت صرف اِف۔ ای اسمتھ کہلاتے تھے) ایوان میں کہا تھا "معزز اراکین وہ حالات جانتے ہیں جن کے تحت ایوان میں کام کیا جاتا ہے۔ یہ کہنا کہ کاروبار دار العوام کی مرضی پر موقوف ہیں صرف رسم اور نام کی بات رہ گئی ہے۔ یہ تمام ایوان کی مرضی پر بالکل نہیں ہے بلکہ کابینہ کی مرضی پر موقوف ہیں"۔

اگر موجودہ میلانات کے یہ مشاہدے صحیح ہیں تو ان سے بعض نتائج ضرور مستنبط ہوتے ہیں۔ دار العوام کے سامنے اب وزارت ذمہ دار نہیں ہے۔ اگر دار العوام اس لیے وزارت کے مخالف ہو جائے کہ حلقہائے انتخاب بھی کابینہ سے منحرف ہو گئے ہیں تو یہ اختیار ایوان سے گویا حلقہائے انتخاب کے ہاتھ میں چلا گیا۔ وسطی عہد وکٹوریہ کا یہ فیصلہ اب بالکلیہ صحیح ہے کہ کابینہ مقننہ کا ایک تیسرا ایوان ہے۔ کابینہ ہی تقریباً مقننہ ہے۔ اس کے علاوہ جب انگلستان میں عام انتخابات ہوتے ہیں تو ریاستہائے متحدہ امریکہ کے برخلاف مسائل زیر بحث اکثر و بیشتر قومی حکمت عملی کے متعلق ہوتے ہیں لیکن ان مسائل میں یا تو مخصوص شخصیتیں ہوتی ہیں ورنہ عام حکمت عملی کسی معین مسائل کی قرارداد نہیں ہوتی۔ یہ چیز بھی ناگزیر معلوم ہوتی ہے کہ دار العوام کی ذہنی سطح بھی آہستہ آہستہ نیچے ہوتی جائے گی اور اکثر اہل غور و فکر تو یقین کرتے ہیں کہ یہ تغیر ابھی سے ظاہر ہونے لگا ہے۔ انگلستان کی سیاسی زندگی کے جو خد و خال پہلے بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں اور امریکہ کی سیاسی زندگی کے خصائص میں مشابہت کے اتنے پہلو پائے جاتے ہیں کہ یہ عمومیت کے قدرتی میلانات کی

نشاندہی کرتے ہیں یا کم از کم اسی طرز کی عمومیت کی نشاندہی کرتے ہیں جو حکومت کے کاروبار پر عبور حاصل کر رہی ہے۔ لیکن یہ ایک مورخ کا کام ہے کہ وہ کم از کم اپنے زمانے کے حالات کے متعلق نتائج نہ نکالے بلکہ صرف یہ بتائے کہ اس وقت کی صورت حال کیا ہے۔ اس کا تجربہ بھی اس کے پچھلے زمانے کے بہ نسبت خود اپنے زمانے کے متعلق صحیح رہنمائی کر سکتا ہے کہ قطعی اظہار رائے کے لیے کس قدر احتیاط کی ضرورت ہے۔

موجودہ دارالامراء۔ اس دور میں دارالامراء میں دارالعوام کے بہ نسبت بہت کم حقیقی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ گو اس وقت پہلی دفعہ ایک قانون موضوعہ کی شکل میں اس کے اختیارات محدود کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن اس قانون موضوعہ سے کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی، بلکہ اس قانون نے اس تبدیلی کو جو پہلے واقع ہو چکی تھی ایک معین شکل میں ظاہر کر دیا۔ اس واقعے کو قطع نظر کر کے دارالامراء کی تاریخ صدیوں سے ترقی کے ایک ہی راستے کو طے کرتی رہی۔ زمانۂ حال میں جب انگلستان کی دولت و آبادی بڑھی تو اس کی تعداد میں بھی آہستہ آہستہ اضافہ ہوا۔ سولھویں صدی کے ضروری واقعات پہلے ظاہر کر دیے گئے ہیں۔ شاہان اسٹوائرٹ نے ۹۴ اراکین کا اضافہ کیا اور ولیم اور این نے اسکاچستانی امرائے نیابتی کے علاوہ مجموعی تعداد ۱۶۸ تک بڑھا دی۔ جارج اول اور جارج دوم نے بہت سے اضافے کیے لیکن اس کے باوجود جارج سوم کی تخت نشینی کے وقت دارالامراء کی تعداد صرف ۱۷۴ تھی۔ جارج سوم کے آفریدہ امراء کی تعداد ۳۸۸ تھی۔ لیکن منجملہ ان کے صرف ۱۲۸ ایسے تھے جن کو ۱۸۶۰ء میں ایوان کی جداگانہ رکنیت حاصل تھی۔ اس لیے کہ بعض خطابات دوسروں میں ضم ہو گئے اور بعض معدوم ہو گئے۔ سوائے برطانوی امارت کی تاریخ کے کسی اور جگہ یہ میلان اس قدر واضح طور پر نہیں پایا جاتا کہ ایک نسل سب سے بلند زینے پر جا کر فنا ہو جائے ملکہ وکٹوریہ کے پہلے بیس سال میں تعداد میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ ایک امارت معدوم ہوئی تو اس کی جگہ جدید امارت پیدا کر لی گئی۔ عجیب بات ہے کہ صرف معدودے چند

امیر گھرانے امارت اختیار کرنے کے دو صدی کے بعد باقی رہتے ہیں۔ اور فتح نارمنی کے بعد سے ہر دو سو سال کے وقفے کے بعد تقریباً تمام امارتوں کی تجدید ہوتی گئی ہے۔ زمانۂ حال میں نہایت فراخدلی کے ساتھ جدید امارتیں بنائی گئی ہیں۔ ایڈورڈ ہفتم کی تخت نشینی کے وقت ایوان کے اراکین کی تعداد ۵۹۱ اور جارج پنجم کی تخت نشینی کے وقت ۶۲۳ تھی۔ ۳۱ مارچ ۱۹۱۹ء کو ان کی تعداد ۶۹۸ تھی۔ منجملہ ان کے صرف ۱۳۰ لبرل شمار کئے جاتے ہیں حالانکہ ۱۹۰۵ء اور ۱۹۰۹ء کے درمیان ۱۴۹ امارتیں لبرل اور مرکب وزارتوں کی جانب سے بنائی گئی تھیں۔

جب سے انگلستان میں عمومی تحریک کا آغاز ہوا ہے۔ دار الامرا کسی قدر ملک کا نائب یا کم از کم ملک کی دولت کا نائب ہوگیا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس ایوان کو ایسا بنانا پٹ اصغر کا دلی منصوبہ تھا۔ جدید امارتیں کشادہ دلی کے ساتھ ان لوگوں میں بنائی گئی ہیں جو تجارت اور صنعت وحرفت میں امتیاز پیدا کرتے ہیں اور ادب وحکمیات میں اور بالخصوص حکمیات میں ناموری حاصل کرنے والوں کو امیر بنا دیا جاتا ہے۔ لیکن ان اضافوں سے اس ایوان کے سیاسی نقطۂ نظر اور مسلک میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکی۔ یہ ایوان سیاسی نقطۂ نظر سے کبھی قوم کا خاطر خواہ نمائندہ نہیں ہوا۔ جس طرح اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ ممتاز مستثنیات کو جدا کرکے ایک خاندان کے لئے یہ ہمیشہ دشوار معلوم ہوتا ہے کہ وہ دار الامراء میں داخل ہونے کے بعد عرصے تک لبرل بنا رہے۔ اور جب سے گلیڈسٹن کے مسودۂ سوراج کے خلاف احتجاج ہوا اور اس احتجاج میں قدیم وھگ خاندان برسر اقتدار ہوئے یہ بات خاص طور پر صادق آتی ہے۔ ۱۸۳۰ء اور ۱۹۱۰ء کے درمیان متحفظ وزارتوں نے ۴۴ سال کے ایام حکومت میں ۱۸۱ امیر بنائے اور لبرلوں نے ۴۵ سال میں ۲۷۰۔ لیکن ۱۹۱۱ء کی فہرست امراء میں لبرلوں کی تعداد ۱۰۵ مندرج ہے۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہر وقت اتنی تعداد حاضر ہوتی ہو اور اپنے فرقے کی نمائندگی کرتی ہو۔

ایوان بالائی کی اہمیت۔ ۱۸۸۱ء میں جب ایک مرتبہ دارالامرا کا جام صحت تجویز کیا گیا تو اس کے جواب میں ارل ڈاربی نے کہا تھا "میں آپ لوگوں کے سامنے دار الامرا کے حقوق و فرائض کی دستوری فہرست نہیں گننا چاہتا۔ حقوق کا یہ حال ہے کہ ان میں سے اکثر تقریباً غائب ہو چکے ہیں۔ اور فرائض کا یہ حشر ہے کہ دار الامرا ان کو مشکل سے انجام دے سکتا ہے"۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ لارڈ ڈاربی کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس کی تقریر کے لفظی معنی لیے جائیں۔ بلکہ اس نے ذرا سے مبالغے کے ساتھ عام احساس کو جو امرا کے متعلق تھا ایک خوشگوار ما بعد الطعام انداز میں پیش کیا تھا جیسے ہم دیکھیں گے دار الامرا ابھی تک اہم حقوق کا حامل ہے اور اس کو استعمال کرتا ہے اور اہم فرائض انجام دیتا ہے۔ اس ایوان کا ایک اہم کام جو اب تک باقی ہے وہ بحث اور ترمیم کا حق ہے۔ دار العوام کے بہ نسبت دار الامرا میں کاروبار فرصتی انداز سے انجام پاتے ہیں۔ یہ ایوان فروعات میں نہیں گھس جاتا جو اہم موضوعات اس کے سامنے آتے ہیں اس کے لیے خاطر خواہ وقت دے سکتا ہے اور اس کے بحث کے ضوابط ایسے ہیں کہ پورے مباحثے کا موقع دیا جاتا ہے۔ جو لوگ متواتر شرکت کرتے ہیں اور بحث میں حصہ لیتے ہیں وہ دار الامرا جیسی منتخب جماعت کے لایق اراکین ہوتے ہیں جنھیں سیاسی معاملات کی خاص تربیت ہوتی ہے ایوان کے مباحثے کا معیار بھی بہت اونچا ہوتا ہے؛ اس کے مباحثے کا اوسط دار العوام کے اوسط سے بلند تر ہوتا ہے اور ایوان زیرین کے بعض مباحثوں کو مستثنیٰ کرکے اس کا اثر بھی بہت ہوتا ہے۔ امرا جو ترمیمات کرتے ہیں اور جن کو دار العوام اکثر منظور کر لیتا ہے وہ اکثر مختلف تجاویز کی مزید جانچ پڑتال میں مدد دیتے ہیں اور دار العوام کی خامیوں کو پورا کرتے ہیں۔ کبھی دار العوام کے پاس مسودے کا استرداد بھی منظور کر لیا جاتا ہے اور اس وجہ سے منظور کیا جاتا ہے کہ وہ رائے عامہ کا زیادہ صحیح اظہار ہوتا ہے یا کم از کم ایک مشتبہ تجویز کا التوا ہوتا ہے جو ناگوار نہیں گزرتا۔ ۱۸۹۳ء میں دار الامرا نے گلیڈسٹن کے مسودہ سوراج کو جو مسترد کر دیا تو اس کے متعلق بالعموم یہ سمجھا گیا کہ بدگمانی اور بے اطمینانی کا عام

جذبہ جو اس وقت تک عوام الناس میں تھا یہ اس کی توثیق کرتا ہے۔ ۱۹۰۶ء کے بعد لبرل وزارت نے جو تجاویز پیش کی تھیں ان کے ساتھ دارالامراء کا جو مسلک رہا ہے اس پر آئندہ باب میں غور کیا جائے گا۔

انیسویں صدی میں کابینہ نے صرف بادشاہ کے عاملانہ اختیارات اور پارلیمنٹ کے مقننانہ اختیارات ہی ورثے میں نہیں پائے تھے بلکہ وہ خود بھی تغیر کی اس رو سے براہ راست متاثر ہوئی تھی جو اس وقت جاری وساری تھی۔ کابینہ حجم میں برابر بڑھتی جاتی تھی۔ اوئل صدی کی کابینہ میں صرف ایک درجن اراکین تھے، وسط صدی میں یہ تعداد چودہ یا پندرہ تک پہنچ گئی اور آخر صدی میں انیس یا بیس اراکین ہو گئے۔ یہ زیادتی اصل میں اس خواہش کی وجہ سے نہیں تھی کہ مشورے کے لیے سیاسی رہنماؤں کی ایک بڑی تعداد رکھی جائے۔ ایسی خواہش اس میلان سے ثابت نہیں ہوتی جو سنین حاضرہ میں خاص طور پر نمایاں ہے کہ اٹھارھویں صدی کے "حلقۂ اجتماع" کی طرح مخصوص ذی اثر وزراء کا ایک اندرونی حلقہ بنانا چاہیے۔ زیادتی بالخصوص جدید انتظامی محکموں کے پیدا ہونے کی وجہ سے تھی۔ جن کو اسقدر اہم کام تفویض کئے گئے کہ ہر محکمے کے صدر کا خواہ درجۂ کابینہ پر فائز ہونا ضروری معلوم ہوتا تھا، یا اس وجہ سے تھی کہ پرانے محکموں کے کام کی اہمیت اسی مناسبت سے بڑھ رہی تھی۔ ان قدیم و جدید محکموں کے کاروبار کی ترقی اور جس کام کی یہ نگرانی کرتے تھے ان کی خصوصیت اس توسیع کی نمایاں علامت ہے جو پچھلی دو یا تین پشتوں میں حکومت میں ہو رہی تھی۔ ملکۂ الزبیتھ کے زمانے کے معتمدین مملکت انیسویں صدی میں پانچ ہو گئے۔ اٹھارھویں صدی کے بڑے حصے میں یہ تین تھے۔ تیسرا معتمد مملکت اسکاچستان کے کام کا نگران بھی تھا اور نوآبادیوں کے کام کا بھی۔ لیکن یہ تیسرا ۱۷۹۴ء تک جبکہ ایک وزیر حرب مقرر کیا گیا مستقل نہیں ہوا تھا۔ ۱۸۰۱ء میں اس کو نوآبادیوں کا جائزہ بھی دیا گیا۔ ۱۸۵۴ء میں یہ دونوں محکمے علیحدہ کر دیئے گئے اور ایک وزیر نوآبادیات علیحدہ مقرر کیا گیا اور ۱۸۵۸ء میں جب ہندوستان ایسٹ انڈیا کمپنی سے بادشاہ کو منتقل کر دیا گیا

ایک وزیر ہند مقرر کیا گیا۔ ۱۷۸۲ء سے ڈو اولیں وزراء میں سے ایک محکمہ امور خلہ اور دوسرا محکمۂ خارجہ صدارت کرتا رہا۔ معتمد فوج کا عہدہ (جو معتمد مملکت کا سا نہیں تھا اس لئے کہ بالعموم یہ صرف ذیلی فرائض انجام دیتا تھا) ۱۸۶۳ء کے بعد جاری نہیں رہا قطعی قانونی نظریہ کے مطابق پانچ معتمدین مملکت ایک ہی ہیں یعنی یہ پانچوں ایک ہی خدمت کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ اکثر مواقع پر ایک شخص دوسرے شخص کا کام انجام دیسکتا ہے اور اکثر قوانین جن کی رو سے معتمد مملکت کو اختیارات تفویض ہوتے ہیں کسی کو خاص طور پر ممتاز نہیں کرتے۔ وزیر داخلہ کو قانونًا اولیت کا رتبہ حاصل ہے۔

قدیم شاہی کونسل کے بڑے عہدوں میں بھی اسی طرح کی بڑی تبدیلیاں عمل میں آئیں گو یہ تبدیلیاں مخالف سمت میں ہوئی ہیں۔ اعلےٰ آمر نصفت اپنے اصل رتبے کے ساتھ باقی ہے گو اس کے ابتدائی فرائض میں کچھ تبدیلی ہوگئی ہے۔ اعلےٰ امیر خزانہ دار اور اعلےٰ امیر البحر اٹھارھویں صدی میں بالکل غائب ہوگئے اور یہ دونوں خدمات ایک ماموریہ میں جمع کردی گئیں۔ کونسل کا میر مجلس شاہی اور امیر مہر بردار ابتک بہ حیثیت عہدوں کے موجود ہیں۔ اول الذکر کے فرائض تو رسمی ہیں جو گاہے ماہے واقع ہوتے ہیں اور آخر الذکر کا تو کوئی خاص فرض ہی نہیں ہے۔ یہ دونوں خدمات لائل سمجھی جاتی ہیں اور یہ دار العوام کے اراکین کو نہیں بلکہ دار الامراء کے ایسے اراکین کو دیجاتی ہیں جو کسی خاص محکمے کے فرائض انجام دینا تو نہیں چاہتے مگر ان کی موجودگی کابینہ میں ضروری سمجھی جاتی ہے جاگیر لنکاسٹر کے چانسلر کے سپرد بھی کوئی خاص خدمت نہیں ہے اور یہ بھی اسی طریقے سے اکثر دار العوام کے کسی رکن کو دی جاتی ہے۔ خزانہ برائے نام خزانے کے چار امراء کے ایک ماموریہ کے سپرد ہوتا ہے لیکن عملی فرائض وزیر مال انجام دیتا ہے۔ چنانچہ یہ چار امراء بھی لا خدمت ہوتے ہیں۔ وزیر اعظم بالعموم پہلا لارڈ ہوتا ہے اور تین بر سر حکومت فریق کے نقیب ذیلی امرا ہوتے ہیں۔

انتظامی مجالس (بورڈ) تبدیلیوں کا بہت واضح و نمایاں مظاہرہ جو وسط صدی کے بعد سے عمل میں آیا وہ محکمے ہیں جو مجالس (بورڈ) کہلاتے ہیں۔

کیونکہ ان محکموں کے کاروبار جو ۱۸۵۰ء سے پہلے کے ہیں اتنے ہی پھیل گئے ہیں جتنے جدید محکموں کے کاروبار جو حال میں قائم کئے گئے ہیں۔ "مجلس" کی اصطلاح بے محل ہے کیونکہ بجز قانونی نظریے کے کسی مجلس کا وجود نہیں ہے۔ یہ مجلس امریکی محکمۂ زراعت کی طرح ایک محکمۂ عاملہ کی طرح ہوتا ہے جس کا صدر ایک وزیر ہوتا ہے اور یہ وزیر بعض مرتبہ کابینہ کا رکن بھی ہوتا ہے گو ہمیشہ ہونا ضروری نہیں ہے "مجالس کے کام کا معتد بہ حصہ اگر صحیح مفہوم میں لیا جائے تو وہ نظم ونسق نہیں ہے بلکہ مقامی جماعتوں کی جدوجہد کی نگرانی ہے۔ ان محکمہ جات میں سب سے قدیم تر "مجلس تجارت" ہے جس کی تاریخ کم و بیش سترھویں صدی تک پہنچتی ہے۔ اس کا نام وتنظیم بدلتی رہی ہے۔ ۱۶۹۶ء میں اس کا نام مجلس تجارت و آباد کاری تھا۔ ۱۷۸۶ء میں اس کی پھر تنظیم ہوئی اور اس کو مجلس تجارت کی کمیٹی کیا گیا۔ اس سنہ کے بعد اور مختلف چھوٹی چھوٹی تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ ۱۸۶۲ء میں نام بدلا اور ۱۸۶۷ء میں ساخت بدلی اور اس کا دائرہ عمل بہت پھیلایا گیا، گو نوآبادیوں سے اس کا بڑا تعلق اس وقت باقی نہیں رہا جبکہ ۱۸۰۱ء میں نوآبادیاں وزیر جنگ کے تفویض کی گئیں "مجلس تعلیم" بھی ۱۸۳۹ء میں پریوی کونسل کی کمیٹی کے طور پر شروع ہوئی۔ کونسل کا نائب صدر اس کمیٹی کا صدر تھا، یہ ۱۸۵۶ء میں وزیر بنایا گیا جو پارلیمنٹ کے سامنے ذمہ دار بن گیا اور ۱۸۹۹ء میں یہ کمیٹی مع صدر کے ایک "مجلس" کی شکل میں منظم کی گئی۔ "مجلس حکومت مقامی" جس کے کام کے متعلق پہلے ذکر کیا جا چکا ہے ۱۸۷۱ء میں بنائی گئی اور یہ "مجلس قانون غربا" کی جانشین تھی جو ۱۸۴۷ء میں قائم کی گئی تھی۔ ۱۸۵۱ء میں "مجلس امور عامہ" اور ۱۸۸۹ء میں مجلس زراعت قائم کی گئی۔ یہ مجالس سال کے دوران میں ذیلی و فروعی نیز بے شمار اہم امور کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ مجلس تجارت و مجلس حکومت مقامی کی اہمیت حال میں اس طرح تسلیم کر لی گئی ہے کہ ان کے صدر مجالس کی تنخواہ معتمد مملکت کی تنخواہ کے برابر یعنی ... ۵ پونڈ کر دی گئی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ برطانوی کابینہ اور اس کی جدوجہد کی اس باب میں جو تشریح کی گئی ہے وہ نامکمل ہے۔ مگر یہ بات یاد رہے کہ اس کی کامل تشریح کہ

کابینہ کیا ہے اور وہ کس طرح کام کرتی ہے اس قسم کی کتاب کا منقصد نہیں
ہوسکتا۔ یہ ان کتابوں کا کام ہے جو انگلستان کی موجودہ حکومت سے بحث
کرتی ہیں یہاں ہمارا کام ان تبدیلیوں کو درج کرنا ہے جو واقع میں پیدا
ہوچکی ہیں اور ان میلانات کی وضاحت کرنا ہے جو متداول معلوم ہوتے ہیں
اور جن سے دستوری نتائج پیدا ہونے کی توقع ہے۔

جو پارلیمنٹ ماہ جنوری ۱۹۰۶ء میں منتخب ہوئی تھی اس کے ابتدائی
سنین اس طرح امید افزا تھے کہ اس وقت تاریخ دستور انگلستان میں ایک
عہد جدید کا آغاز یا کم از کم ایک پرانے طرز کے زمانے کی بازگشت معلوم ہوتی تھی۔
وہ دو رجحانات جو گزشتہ نصف صدی میں نمایاں تھے اب روبہ زوال معلوم
ہورہے تھے۔ ایسا معلوم ہورہا تھا کہ کابینہ پھر دارالعوام کی دست نگر ہوتی جارہی
ہے اور دارالامراء پھر اپنا پرانا موقف قانون سازی حاصل کررہا ہے۔ اس
منزل پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ تبدیلی ظاہری تھی نہ کہ حقیقی لیکن یہ انحراف
بھی جو ترقی کی صراط مستقیم سے ہورہا تھا قابل غور ہے۔

یہ صحیح ہے کہ بعض لحاظ سے کابینہ اس زمانے تک جبکہ جنگ شروع
ہوئی دارالعوام کی رائے سے اتفاق کرنے پر مجبور تھی اور اس طرح مجبور تھی کہ
۱۹۰۵ء میں اکثر لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اس کے بعد وہ اتفاق نہیں کرے گی۔
کم از کم وسطی عہد وکٹوریہ کا ایک اہل قلم جس نے ۱۹۱۰ء کے دوسرے انتخاب
کے بعد اس کو خاص طور پر دیکھا ہو اس حقیقت حال کو اسی طرح بیان کرتا۔ تاہم
تفصیلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کابینہ کی یہ متابعت صرف ظاہری تھی نہ کہ
حقیقی۔ اول تو یہ ہے کہ اس سے وزارت کے عام مسلک میں کوئی فرق آیا نہ
وضع قوانین کے ان پہلوؤں پر کوئی اثر پڑا جن کی کابینہ تجویز کرتی تھی۔ ان
امور میں کابینہ اسی طرح مقتدر تھی جس طرح پچھلے بارہ سال میں تھی اور ایوان
کو تبدیلی کا بہت کم اختیار تھا۔ جن چیزوں پر اثر پڑا ہے وہ نسبتہً جزئی چیزیں تھیں۔
دوسری بات یہ ہے کہ یہ متابعت جو کابینہ کی طرف سے ظاہر ہورہی تھی
وہ بہ حیثیت مجموعی تمام ایوان کے ساتھ نہ تھی بلکہ وہ کم وبیش ان خود مختار

فرقوں کے ساتھ تھی جو اس کے حامی تھے۔

لبرل فریق کی تفریق ۔ برِّ اعظم کی مملکتوں میں جہاں پارلیمنٹی حکومت پائی جاتی ہے لبرل فریقوں یعنے میسرہ والے فریقوں میں بہت زمانے سے فرقہ واری تفریق کا رجحان پایا جاتا تھا۔ ایسے فریق جن کا پیشنامہ تبدیلی اور اصلاح ہو ان کا ذیلی تقسیموں میں بٹ جانا ایک قدرتی چیز معلوم ہوتی ہے بعض فرقے دوسروں سے زیادہ تیز جانا چاہتے ہیں اور بعض خاص تبدیلی پر زیادہ زور دیتے ہیں جس میں دوسروں کو دلچسپی نہیں ہوتی۔ ان تمام فریقوں میں ایک ہی پیشنامہ قائم رکھنا اور متحدہ آرا کا انتظام کرنا بہت مشکل ہے اور یہ صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ رعایت اور مفاہمت کی جائے مفاہمت بھی بالعموم فریقانہ پیشنامہ کے بڑے مدات میں نہیں ہو سکتی کیونکہ اس پر سب شقیں اتفاق نہیں کر سکتیں۔ صرف ذیلی تفصیلات پر اتفاق ہو سکتا ہے۔ ایک فریق جس قدر بٹا ہوا ہو گا اسی قدر زیادہ اس میں مصالحت کی ضرورت داعی ہو گی اور چھوٹی شقوں کو منہ بولے مطالبات حاصل کرنے کا زیادہ موقع ہو گا۔ اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ یہ ذیلی شقیں پورے فریق کے پیشنامہ کے ساتھ اتنی ہمدرد نہیں ہوتیں جتنی خود اپنی اصلاحوں کے ساتھ ہوتی ہیں۔

اگرچہ انگلستان میں لبرل فریق میں فرقہ وارانہ تفریق کا رجحان موجود تھا لیکن انیسویں صدی کے اواخر تک حقیقی قانون سازی پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ اس صدی کے آخری ربع کے پورے حصے میں یہ فریق حکومت سے علحدہ رہا اس لئے اس کو یہ موقع نہیں تھا کہ وہ کتاب قوانین میں اپنا مسلک درج کرتا۔ صرف ایک مسئلہ یعنے مسئلۂ سوراج آئرستان ایسا بنا کہ جس پر ذیلی گروہوں کا صاف اثر دکھائی دیتا ہے اور جب لبرل فریق برسر حکومت تھا وہ اس کی یکسوئی کرنے سے قاصر رہا۔ اس دار العوام میں جو ماہ جنوری سنہ ۱۹۰۶ء میں منتخب ہوا تھا لبرل فریق کی ایک کثرت غالب تھی یعنے ۲۰۰ سے زیادہ تعداد تھی گو ۵۰ سے زیادہ آئرستانی قوم پرست تھے جو ان کے خلاف رائے دیتے تھے۔ اور ابھی ذیلی شقوں میں اس قدر تفریقیں بھی نہیں ہوئی تھیں کہ اس کی وجہ سے

مفاہمت کے مسلک پر بہت زیادہ زور دیا جاتا۔ اس کے باوجود وزارت اپنی حیثیت سے ہمیشہ مطمئن نہیں رہی اور لبرل فریق میں ایک خود مختاری تھی وہ خدمۃً مفید پایا جاتا تھا جو پچھلے زمانے کی خصوصیت معلوم ہوتی تھی۔ ۱۹۱۰ء والے دسمبر اور جنوری کے انتخاب کے بعد خود مختار عنصر کا حجم بہت بڑھ گیا۔ اگر ۱۹۰۶ء کے انتخاب کا مقابلہ کیا جائے تو اُن دونوں انتخابات میں اصلی لبرل فریق کو بہت گھاٹا ہوا۔ اس کے برخلاف متحدہ مستحفظین اور لبرل اتحادیوں کو جن کے لئے متحدہ فریق کی اصطلاح استعمال ہونے لگی تھی بہت فائدہ ہوا اور نتیجہ یہ ہوا کہ یہ دونوں فریق دار العوام میں تقریبًا برابر برابر ہو گئے۔ بعض اوقات متحدہ فریق کی لبرل فریق سے دو تین رائیں زیادہ ہو جاتی تھیں۔ اگرچہ لبرل کابینہ برسر حکومت رہی مگر اس کا دار و مدار سب کچھ ذیلی فرقوں پر تھا اور یہ فرقے پہلے سے زیادہ منظم اور طاقتور ہو گئے تھے۔ یہ نہ صرف حکومت پر قبضہ کر سکتے تھے بلکہ اپنی اتجادیز کو قانون بنا سکتے تھے۔

اس طریقے سے ماہ فروری ۱۹۱۰ء سے لے کر ۱۹۱۴ء کی گرمیوں تک یعنے جنگ سے پہلے تاریخ انگلستان کا ایک ایسا زمانہ ہے جس میں موجودہ رجحانات کا بالخصوص ذیلی فرقوں کے اثرات کا جو حکومت پر پڑتے ہیں اچھا مطالعہ ہو سکتا ہے۔ بہ ظاہر یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ اس زمانے میں کابینہ کی وہ حیثیت جو اس کو ۱۸۷۰ء میں دار العوام کے مقابلے میں حاصل تھی عود کر آئی تھی۔ دار العوام پر اس کو جو حقیقی آمریت حاصل تھی اس میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جزئی امور میں حکومت کی تجاویز میں زبردست تنقید ہونے لگی تھی اور اس سے زیادہ ہوتی تھی جو دہ سالہ حکومت متحفظ کے دوران میں جو ۱۸۹۵ء کے بعد قائم تھی ہوتی تھی۔ لیکن یہ زبردست تنقید ان معنوں میں جیسے آج سے پچاس سال پہلے کے اہل قلم نے لکھا تھا نہ ایوان کی طرف سے تھی نہ فریق مخالف کی طرف سے بلکہ یہ خود فریق حکومت کی طرف سے یا اُن فرقوں کی طرف سے جو فریق حکومت کے ساتھ ہمنوا تھے ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی خوب واضح کر دی گئی تھی کہ آخری اختیار حکمرانی حلقہائے انتخاب

میں مضمر ہے جو اس وقت اظہار رائے کے ذرائع سے پورے طور پر مسلح تھے۔ اگر ہم ان خیالات کو سامنے رکھیں جو ۱۹۰۶ء اور ۱۹۱۴ء کے درمیان شائع شدہ ماہوار رسالوں اور ہفتہ وار سیاسی اخبارات میں ظاہر ہوئے تھے۔ تو معلوم ہوگا کہ جو انگریز خود اپنی سیاسی زندگی کا مطالعہ کرتے تھے انھیں وہ رجحانات اسی طرح بلا انحطاط دکھائی دیتے تھے جو اس باب میں اس سے پہلے دکھائے گئے ہیں اور جن سے حکومت کابینہ میں بہت فرق پڑتا تھا۔ برخلاف اس کے یہ رجحانات اور ان کے دستوری نتائج جن کے ظہور پذیر ہونے کا امکان تھا وہ بالعموم ایسے تسلیم کر لئے گئے تھے کہ انیسویں صدی کے دوران میں ایسا بہت کم ہوا تھا۔

امرا کا دوبارہ اختیار حاصل کرنا

۱۹۰۶ء کے انتخاب کے بعد دارالامرا نے پھر اپنا اختیار قانون سازی حاصل کر لیا اور یہ حصول بہت کچھ قرار واقعی تھا۔ اتحادی مستحفظ فریق جو دس سال تک حکومت پر قابض تھا بری طرح شکست کھا گیا۔ تاہم دارالامرا نے کچھ اس طرح قدم جمالئے کہ لبرل فریق کو باوجود اپنی عام کامیابی کے یہ اختیار نصیب نہیں ہو سکا کہ وہ اپنے پیشنامہ کو فوراً روبراہ کر سکتا ایوان بالائی نے پوری قوت کے ساتھ حق تعویق دوبارہ حاصل کر لیا اور پر اثر طریقے سے اس بات کا مطالبہ کیا کہ اصلاح کی جو اہم اور معرکتہ الآرا تجویزیں پیش کی جائیں ان پر قوم کی رائے قطعیت کے ساتھ ظاہر ہونی چاہیے۔ اگرچہ اس بات کا دعوی نہیں کیا جا سکتا کہ دارالامرا اپنی حد عمل (یعنے "پیتے پر بریک ڈالنا") سے جو گزشتہ صدی کے نصف حصے میں مقرر کی گئی تھی متجاوز ہو گیا تھا تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس بات کو منکشف کرنا چاہتا تھا کہ ان فرائض کی حد کہاں ختم ہوتی ہے۔ اس معاملے میں از روئے تعداد مبالغہ نہیں کرنا چاہیے۔ ۱۹۰۶ء اور ۱۹۱۱ء کے درمیان جو حکومتی مسودے پیش ہوئے تھے وہ ۲۱۳ تھے۔ منجملہ ان کے صرف اٹھارہ پاس نہیں ہوئے ان میں سے بعضوں کو امرا نے رد کر دیا لیکن بعضوں کے ایسے اہم پہلوؤں کی ترمیم کر دی کہ وہ بالآخر چھوڑ دیے گئے۔ ان میں پانچ قوانین ایسے بھی تھے جن کو دارالعوام کی

کثرت بہت اہم خیال کرتی تھی یعنے مسودہ تعلیم - مسودہ رائے دہی تکثیری مسودہ زمینداری اسکاچستان - مسودہ اجازت دہی اور ۱۹۰۹ء کا میزانیہ حکومت - اس طریقے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ امرا لبرل فریق کی تجاویز قانون سازی میں مداخلت کرنا چاہتے تھے اور اس سے زیادہ کرنا چاہتے تھے جو یہ بظاہر تعداد سے معلوم ہوتا ہے۔

جب ۱۹۰۹ء میں حکومت کا مسودہ مالیات رد ہوگیا تو اس سے وہ مسئلہ جس کو دارالامرا نے اٹھایا تھا دستوری طریقے سے طے ہوگیا۔ اس میزانیے میں یہ مسائل درپیش تھے ۔ اراضی کی مالیت کا از سر نو تعین ۔ آمدنی کے جو اضافے بلا محنت ہوتے تھے ان پر اجرائے محاصل ۔ اور بہ حیثیت مجموعی دولت پر بھاری بھرکم محاصل ۔ ان طبقوں میں جو قدرتی طور پر محفوظ فریق کے ساتھ شریک تھے ۔ اس کے خلاف سخت مخالفت پیدا ہوگئی ۔ دارالامرا کا یہ حق کہ وہ کسی مسودے کی ترمیم کر سکتا تھا بالکل زائل ہوگیا البتہ اس کا حق استرداد تسلیم کرلیا گیا ۔ تاہم یہ بات عام طور پر محسوس کی گئی تھی کہ کسی مسودے کا استرداد جس کے معنی یہ ہوں کہ اس سال کا ملکی مالیہ پریشانی میں پڑ جائے ایک انتہائی فعل ہے ۔ اور یہ دارالعوام کے لئے ایک دھمکی ہوگی کہ وہ خود اپنے اور دارالامرا کے اختیارات کی حد بندی کرے ۔ نیز بعض لوگوں نے اس طرف بھی اشارہ کیا کہ اس استرداد سے معلوم ہوتا ہے کہ امرا درحقیقت جدید اختیارات طلب کر رہے ہیں اگر ان کی حرکت کا نتیجہ یہ ہو کہ حکومت پھر ایسا میزانیہ پیش کردے جس پر امرا کی معترضہ دفعات نہ ہوں تو اس سے دارالامرا کے لئے رقمی مسودہ کی ترمیم کا ایک بالواسطہ حق قائم ہوجائے گا اور اگر حکومت جدید انتخاب عام کا راستہ اختیار کرے تو اس کو برخاست پارلیمنٹ کا جبری حق مل جائے گا ۔ دارالامرا نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ مسودے کی بعض دفعات متقننانہ نوعیت کی ہیں اور اس طرح یہ منسلک شدہ صورتیں ہیں جن کو رد کرنے کا انھیں حق پیدا ہوجاتا ہے لیکن بہت سے اس دعوے کے قائل نہیں ہوئے ۔ تقریباً اسی زمانے سے جب کہ یہ پارلیمنٹ آئی تھی دارالعوام کے

اندر اور اکثر مرتبہ اس کے باہر یہ تجویز سنائی دیتی تھی کہ ایوان بالائی کے اختیار نامنظوری پر ایک صریح حد قائم ہونی چاہئے اور ماہ جون ۱۹۰۷ء میں دارالعوام کی ایک بڑی کثرت نے ایک باضابطہ قرارداد پیش کر کے جو وزیر اعظم نے تجویز کی تھی اس ضرورت پر زور دیا لیکن اس وقت اس معاملے کو اس سے زیادہ آگے نہیں بڑھایا گیا۔

امرا پر تشدد۔ امرا نے ۳۰ نومبر ۱۹۰۹ء کو یہ مسودہ رد کر دیا۔ دو روز کے بعد دارالعوام نے اعلان کیا کہ امرا کا یہ فعل دستور کی نقیض اور اختیار خصوصی کا غصب ہے۔ پارلیمنٹ فوراً برخاست کر دی گئی اور ماہ جنوری ۱۹۱۰ء میں عام انتخاب کیا گیا۔ اس انتخاب میں اصل لبرل کی تعداد گھٹ کر ۲۷۴ رہ گئی اور اتحادیوں کی تعداد ۲۷۲ تک بڑھ گئی اور ترازو کا پلہ ۴۱ لیبر اراکین اور ۸۲ آئرستانی قوم پرستوں کے ہاتھ میں تھا۔ تاہم یہ فریق لبرل اراکین کے ساتھ اس عزم میں ہم آواز تھے کہ امرا کا اختیار محدود ہونا چاہئے اور یہاں تک مصر تھے کہ اس مسئلے کو مالی مشکلات سلجھانے سے پہلے ہی طے کرنا چاہئے۔ لہذا حکومت نے اس مطالبے کو پورا کرنے کے لئے وہ قراردادیں پیش کر دیں جن میں اس کے مجوزہ مسودے کے تمام امور شامل تھے اور ۱۴ اپریل کو یہ پارلیمنٹی بنائی گئیں۔ جو فریق حکومت کے ساتھ ہمنوا تھے ان سب کو ان قراردادوں سے اور مسٹر اسکوتھ کے اس بیان سے کہ اگر امرا مجوزہ امور کو تسلیم کرنے سے انکار کر بیٹھیں تو وزارت کو کیا کرنا چاہئے۔ پورا اتفاق تھا۔ اور مسودۂ مالیہ جو بجنسہ ۱۹۰۹ء کی طرح تھا پاس کیا گیا۔ اور اب امرا نے بھی اس کو فوراً منظور کر لیا۔ مسودے کی نامنظوری کی بابت جو کارروائی ہو رہی تھی اس میں اس وجہ سے رخنہ پڑ گیا کہ شاہ اڈورڈ ہفتم کا انتقال ہو گیا اور عام خواہش یہ ہوئی کہ جدید عہد حکومت کے اوائل میں دستور کے ایک اساسی مسئلے کی بابت معاملات کو نازک صورت حال تک پہنچانا مناسب نہیں ہے۔

اس پیچیدگی سے بچنے کے لئے، ایک دلچسپ تجربہ کیا گیا۔ یہ کچھ اسی طرح کا تھا جیسے ملکۂ وکٹوریہ نے تجویز کیا تھا اور جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ دونوں

بڑے فریقوں کے رہنماؤں اور دونوں ایوانوں کے اراکین کے درمیان جب کہ ہر فریق کی جانب سے چار چار اراکین آتے تھے ایک کانفرنس کے انعقاد کا انتظام کیا گیا تاکہ وہ ایسے لائحۂ عمل پر غور کرے جو فریقین کے لئے قابل قبول ہو سکے۔ موسم گرما اور اوائل خزاں میں کانفرنس کے کئی جلسے ہوئے لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ چنانچہ نومبر کے اوائل میں کانفرنس نے یہ کام چھوڑ دیا۔ ایک سخت اختلاف کے تصفیے یعنے مسئلۂ آئرستان کے لئے ایک مرتبہ اور یہ طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔ اس وقت شاہ جارج نے ماہ جولائی سنہ ۱۹۱۴ میں قصر بکنگھم میں ایک کانفرنس طلب کی جس میں دار العوام کا صدر اور وزارتی فریق، مخالف فریق، قوم پرست اور حامیان السٹر کی جانب سے دو دو نمایندے بلائے گئے اور اس کے کئی جلسے ہوئے لیکن اس کا نتیجہ بھی بالکل وہی ہوا۔ اگرچہ یہ طریقۂ کار ان صورتوں میں ایسا کامیاب نہیں ہوا۔ جیسی اس سے توقع تھی لیکن یہ توقع بالکل بے بنیاد ہی نہیں سمجھی گئی۔

کانفرنس کی ناکامی کا نتیجہ وہی ہوا جو مسٹر اسکوتھ نے اپریل کے مہینے میں پیش بندی کی تھی یعنے فوراً انتہائی کارروائی کی صورت پیدا ہو گئی۔ کابینہ نے پادشاہ کو مشورہ دیا کہ پارلیمنٹ کو برخاست کر دے اور اس کے ساتھ ہی پادشاہ کی خدمت میں ایک یادداشت پیش کر دی اور اس میں یہ درخواست تھی کہ اگر انتخاب حسب دلخواہ ہو اور مسودے کو روبراہ کرنے کے لئے کوئی اور چارۂ کار نظر نہ آئے تو پادشاہ جدید امرا بنانے کے لئے آمادہ ہو جائے جو نامنظور مسودے کو دار الامرا میں پاس کرنے کے لئے کافی ہوں سب کو اس یادداشت کا علم اس وقت نہیں ہوا تھا بلکہ چند روز کے بعد ہوا۔ چونکہ اس یادداشت کا اس تاریخ کے پچھلے واقعات کے ساتھ ایک دلچسپ رشتہ ہے اور دستوری اعتبار سے یہ خود ہی بہت معنیٰ خیز ہے اس لئے یہاں اس کی پوری نقل ضروری ہے۔ "اگر حضور اعلیٰحضرت کے وزرا کو یہ معلوم ہو جائے کہ حکومت کسی مسلک کو دار العوام کی ایک مناسب کثرت سے منظور کراتی ہے اور حضور اعلیٰحضرت اپنے دستوری اختیارات استعمال کرنے کے لئے تیار ہیں یعنے

اگر ضرورت ہو تو جدید امرا بنانے کا اختیار خصوصی استعمال کریں گے تاکہ اس طریقے سے ملک کا فیصلہ بروئے عمل آسکے تو وزرا برخاست پارلیمنٹ کا مشورہ نہیں دے سکتے۔ اعلیحضرت کے وزرا اس اہمیت سے بخوبی واقف ہیں کہ پادشاہ کا نام فریقانہ اور انتخابی کشمکش کے دائرے سے باہر رہنا چاہئے۔ وزرا جو مسلک انتخاب کنندگان کے سامنے پیش کریں گے۔ اس کی قطعی ذمہ داری وہ خود اپنے سر لیں گے اور یہ ان کا فرض ہے۔ اعلیحضرت کو اس بات سے ضرور اتفاق ہوگا کہ مملکت کے مفاد کے مدنظر پادشاہ کا منشا اس وقت تک شایع ہونا مناسب نہیں ہے جب تک اس کا حقیقی موقع نہ پیدا ہو جائے"۔

پچھلے سلاطین میں سے کسی سے بھی ایسا انتہائی مطالبہ تو نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اُن کے عہد میں بارہ امرا بنائے گئے تھے اور وہ کافی تھے۔ ۱۸۳۲ء میں پچاس امرا کافی ہو جاتے۔ اس وقت تخمینہ یہ تھا کہ ۴۰۰ امرا بنانا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے مخالف امرا کا برافروختہ ہونا ضروری تھا کیونکہ ان کو پہلے سے شبہہ تھا کہ کابینہ یہ کام کر رہی ہے اور وہ ظاہر ہو گیا۔ کابینہ کی یادداشت کو ایک اعلان جنگ کہا گیا اور اس اقدام کے معنے یہ سمجھے گئے کہ گویا یہ پادشاہ پر تشدد ہو رہا ہے اور یہ عام خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اگر واقعی یہ چارۂ کار اختیار کیا جائے گا تو اس سے امارت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے گا۔ پادشاہ نے وزیر اعظم اور دارالامرا کے حکومتی فریق کے رہنما لارڈ کرو کے ساتھ پوری بحث کرنے کے بعد وہ وعدہ کر لیا جس کی درخواست کی گئی تھی۔ ماہ دسمبر ۱۹۱۰ء میں جو انتخاب ہوا تو اس سے دارالعوام کی فریق بندی میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ ایوان میں جو چار فریق تھے ان میں سے کسی میں بھی چار رایوں کی کمی یا زیادتی نہیں ہوئی ان حالات میں وزارت اس بات کی مجاز تھی کہ وہ ایوان بالائی کے اختیارات کو محدود کرنے کے لئے کارروائی کرے۔

مسودۂ پارلیمنٹ۔ اس اثنا میں خود دارالامرا کے اراکین نے اور خود دارالامرا نے اپنے ایوان کی تشکیل جدید کے لئے باضابطہ قرارداد وں کی صورت میں تجویزیں پیش کر دیں۔ یہ تجویزیں خود حکومت کی تجویزوں سے

کم انتہائی نہ تھیں۔ صرف ان اہم جزئیات میں اختلاف تھا جہاں دونوں
ایوانوں کے تعلقات کا سوال تھا اور بالخصوص جہاں اس بات پر زور
دیا گیا تھا کہ جب دونوں ایوانوں میں نزاع ہو جائے تو وہ فیصلہ مراجعہ کے
ذریعے عوام کے روبرو پیش کردیا جائے۔ ان تجویزوں سے معلوم ہوتا تھا کہ
امرا وسیع دستوری تبدیلیوں کے اچھی طرح قائل ہو گئے تھے کہ اب ان سے
پہلو تہی نہیں کی جاسکتی۔ جدید دارالعوام میں وزیر اعظم نے فوراً گزشتہ سال
کا مسودہ پارلیمنٹ میں پھر پیش کردیا اور ماہ مئی ۱۹۱۱ء میں یہ ایوان میں پاس ہو گیا
پہلے تو امرا نے اس مسودے میں ترمیم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن جب انھیں
یہ معلوم ہو گیا کہ ان کی ترمیمیں منظور نہیں ہوں گی اور بادشاہ کابینہ کے مشورے
پر چلے گا اور امرا کی ضروری تعداد پوری کردے گا تو دارالامرا نے ترمیموں پر
زور نہیں دیا۔ ۱۳۱ موافق اور ۱۱۴ مخالف رائیں ہوئیں۔ اکثر اتحادی امرا نے
رائے نہیں دی۔ چند امرا نے لبرل کے ساتھ رائے دی اور اس طرح یہ
مسودہ دارالامرا میں پاس ہوا جس طرح ۱۸۳۲ء میں پہلا مسودۂ اصلاح
پاس ہوا تھا۔

جو مسودہ پارلیمنٹ میں پاس ہوا تو اس کا صرف منشا یہ تھا کہ "وہ دارالامرا
کے موجودہ اختیارات کو محدود کرے"۔ ایوان کی تشکیل جدید کا اس میں کوئی
انتظام نہیں تھا حالانکہ اس تجویز پر بھی اسی طرح بحث ہوئی تھی جس طرح
دوسری پر اور مسودے کے مقدمے میں اس بات کا اظہار کردیا گیا تھا کہ یہ بھی
مقصود ہے۔ یہ قاعدہ بنایا گیا کہ دو قسم کے مسودے دارالامرا کی منظوری کے
بغیر قانون بن جائیں گے۔ رقمی مسودے اور دوسرے "سیاسی مسودے" اگر کسی
رقمی مسودے کو امرا دارالعوام سے وصول ہونے کے ایک مہینے کے اندر منظور نہ
کریں تو وہ قانون پارلیمنٹ ہو جائے گا۔ دارالعوام کے صدر کا صداقت نامہ
اس بات کا ضامن ہے کہ مسودہ مذکور رقمی مسودہ ہے یعنی اس میں کوئی اور
وضع قانون نہیں ہے۔ دوسرے سیاسی مسودوں کا یہ قاعدہ تھا کہ اگر وہ
دارالعوام کے تین مسلسل اجلاسوں میں خواہ وہ ایک ہی پارلیمنٹ کے ہوں

یا نہ ہوں پاس ہو جائیں اور ہر وقت دار الامرا سے رد ہو جائیں تو وہ تیسرے استرداد کے بعد قانون پارلیمنٹ ہو جاتے ہیں بشرطیکہ ان کے پاس ہونے میں پہلے اجلاس کی دوسری خواندگی سے دو سال کا وقفہ گزرا ہو۔ سوائے ان تبدیلیوں کے جس کو صدر مرور زمانہ کی وجہ سے ضروری قرار دے یا امرا کی مجوزہ ترمیموں کی شکل میں شامل کئے جائیں اور عوام ان کو منظور کریں مسودہ ہر اجلاس میں ایک ہی حالت میں ہونا چاہئے۔ تاہم عملدر آمد یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک ترمیمی مسودہ بھی شامل کر دیا جاتا ہے۔ قانون پارلیمنٹ کی رو سے پارلیمنٹ کی میعاد بھی گھٹا کر پانچ سال کر دی گئی اور یہ حد بندی دار الامرا کی صریح منظوری کے بغیر نہیں بدلی جا سکتی۔ اسی قانون کے تحت مسودۂ سوا راج آئرستان اور مسودۂ اخراج کلیسائے ویلز ۱۹۱۴ء میں قانون ہو گئے گو دوران جنگ میں ان کا نفاذ ملتوی رہا۔

باہر والوں کو جو تاریخ انگلستان کا مطالعہ کرتے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قانون کی دستوری اہمیت میں خصوصاً اس کے مخالفین کی طرف سے بہت کچھ مبالغہ کیا گیا ہے۔ اس قانون نے صرف ایک تبدیلی کی ہے۔ جو واقعی تبدیلی ہے اس نے دار الامرا سے یہ اختیار چھین لیا کہ وہ اب ایسی تجاویز کو جن کو عوام منظور کر دیں دو سال سے زیادہ ملتوی نہیں کر سکتا۔ جیسے اس نے ان مسودوں کو ملتوی کر دیا تھا جن کا اوپر ذکر ہوا ہے یا مسودۂ تکثیریِ رائے دہی کو ملتوی کیا تھا جس کو دار العوام نے بعد کو ماہ اگست ۱۹۱۴ء سے پہلے قانون پارلیمنٹ کے تحت دو مرتبہ پاس کیا۔ تاہم اب اس حق تعویق کی جو غیر محدود ہو کسی بنیاد پر حمایت نہیں کی جا سکتی خواہ وہ بنیاد عمومی حکومت کے وجود کے منافی نہ ہو جب یہ تبدیلی تسلیم کر لی جائے تو پھر قانون پارلیمنٹ نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ اس نظریے کو جو ایوان بالائی کے فرائض قانون سازی کی بابت آج تین ربع صدی سے تمام دنیا میں تسلیم کیا جاتا تھا ایک قانون موضوعہ کی معیّن شکل میں ظاہر کر دیا۔ یہ قانون تعویق کی حد دو سال مقرر کرتا ہے لیکن امرا نے جو دعویٰ کیا تھا وہ صرف اس قدر تھا کہ وہ کسی تجویز کو اس وقت تک

ملتوی کر سکیں جب تک اس کی بابت عامۃ الناس کی رائے معلوم ہو جائے۔ حالانکہ وہ اب ایسی تعویق جو تا انتخاب ثانی ہو گا بے ما یہ کرتے ہیں۔ اس مسلمہ نظریے کی رو سے جس طرح وہ ۱۹۰۹ء کے میزانیے کے لئے جبکہ وہ دوبارہ ۱۹۱۰ء میں پیش ہوا تھا ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوئے تھے اسی طرح بعد کو بھی ہوئے۔ دو اور دستوری نتائج کا جن پر زور دیا جاتا ہے یہاں ذکر کرنا ضروری ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ انگلستان کے دستور کا ایک حصہ مکتوبی ہے۔ اس معاملے میں قانون پارلیمنٹ کی حالت وہی ہے جو دوسرے قدیم قوانین کی ہے۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو دستور گویا اس کے کسی حصے کو امریکی معنوں میں مکتوبی بناتا ہو۔ ان سے آیندہ زمانے کے لئے کوئی جدید راستہ نہیں پیدا ہوتا۔ یہ صرف گزشتہ ترقی کا اندراج کر دیتے ہیں۔ مسودۂ پارلیمنٹ نے ان تمام دستوری ترقیوں کو جو ۱۶۸۸ء سے ہوئی تھیں اور دارالامرا پر اثر ڈالتی تھیں ایک مکتوبی اور موثر شکل میں اسی طرح مدون کر دیا جس طرح مسودۂ حقوق نے سترھویں صدی کے نتائج کو جس طرح وہ ملوکیت پر اثر ڈالتے تھے مدون کر دیا۔ اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ پارلیمنٹ کا رجحان یہ ہوگا کہ وہ دارالعوام پر کابینہ کا اختیار بڑھائے گی۔ یہ خیال تھا کہ فریق غالب اس بات پر مجبور ہو گا کہ وہ وزارت کو ایک مقرر میعاد تک قائم رکھے اور یہ خطرہ نہ آنے دے کہ اس سے وہ تمام ترقی جو کسی مطلوبہ قانون سازی کے لئے کی گئی ہو فوراً ختم ہو جائے۔ ممکن ہے کہ کبھی بعض صورتوں میں اس قانون کا یہ اثر ہوا ہو لیکن وہ سب انفرادی صورتیں ہوں گی اور اتنی کثیر نہ ہوں گی کہ ان سے رجحان بن جائے اور اس نتیجے کی طرف اپنے اثرات کو آگے بڑھائے۔

Bibliographical Note.—E. Allyn, *Lords Versus Commons*, 1931. C. L, Dickinson, *The Development of Parliament in the Nineteenth Century*, 1895. A. G. Gardiner, *The Life of Sir William Harcourt*, 2 vols., 1923. W. E. Gladstone, *Gleanings of Past Years*, 1879. Sir S. Low, *The Governance of England*, revised ed., 1914. A. L. Lowell, *The Government of England*, new ed. 2 vols., 1917. Sir T. E. May, *The Constitutional History of England*, Vol. III by Francis Holland, 1912. W. F. Monypenny and G. E. Buckle, *The Life of Benjamin Disraeli*, 6 vols., 1910–20. J. Morley, *The Life of W. E. Gladstone*, 3 vols., 1903. The Earl of Oxford and Asquith, *Fifty Years of British Parliament*, 2 vols., 1926. C, Seymour, *Electoral Reform in England and Wales*, 1915.

باب ۲۰

جنگ عظیم

ماہ اگست ۱۹۱۴ء سے نومبر ۱۹۱۸ء تک کوئی چار سال سے زیادہ ہوتے ہیں کہ اس دوران میں برطانیۂ عظمیٰ تاریخ عالم کی سب سے زیادہ ہلاک اور برباد کن جنگ میں گتھی رہی۔ ملک وقوم کی تمام جدوجہد صرف اس مرکز پر جمع ہوگئی تھی کہ ملک کی مدافعت ہو اور میدان ہاتھ آجائے اور جو امور ان اغراض سے دور پڑتے تھے ان پر توجہ کرنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ ابھی جنگ کا باضابطہ اعلان نہیں ہوا تھا کہ وزیر اعظم نے صاف ظاہر کردیا کہ تمام مختلف فیہ قانون سازی ملتوی رہے گی۔ چند اشخاص کے قطع نظر جو کسی طرح ہٹتے نہیں چڑھتے تھے تمام فریقانہ اختلافات بالائے طاق رکھدئے گئے بلکہ وہ حکومت کی عام تائید میں ضم ہوگئے۔ دو مختلف فیہ تجاویز یعنی مسودۂ سوراج آئرستان اور مسودۂ اخراج کلیسائے ویلز ایسی ہیں جو پارلیمنٹی قانونی شکل میں پاس ہو چکی تھیں اور ان کو اس وقت کتابچہ قانون میں درج کر لیا گیا تھا لیکن ختم جنگ تک ان کا نفاذ ملتوی رہا خود قانون پارلیمنٹ کی رو سے پارلیمنٹ کی میعاد پانچ سال تک محدود تھی اور اس لحاظ سے موجود الوقت پارلیمنٹ کو جنوری ۱۹۱۶ء میں برخاست ہوجانا چاہئے تھا لیکن تمام فریقوں نے

اس بات کو نامناسب سمجھا کہ زمانۂ جنگ میں عام انتخاب کیا جائے چنانچہ "پارلیمنٹ جنگ" نے اپنے ایک قانون کی رو سے اپنی میعاد طویل کر دی اور اس طرح یہ ماہ نومبر ۱۹۱۸ء تک اجلاس کرتی رہی یعنے ابتدائے اجلاس سے دیکھا جائے تو یہ پارلیمنٹ کوئی آٹھ سال کے بعد برخاست ہوئی۔ پارلیمنٹ کے قانونی اقتدار اور دستور انگلستان کا لچکدار ہونا اس سے زیادہ اور کیا واضح ہو سکتا ہے کہ خود پارلیمنٹ اپنی میعاد آپ بڑھا سکتی ہے۔

موجودہ جنگ کا رجحان یہ ہے کہ عاملانہ حکومت کے اختیارات میں اضافہ ہو۔ آغاز جنگ کے کئی سال پہلے سے دار العوام کا بہ حیثیت مجموعی اقتدار گھٹنے لگا تھا اور اس کے مقابلے میں کابینہ کا زور بڑھ رہا تھا۔ اگر جنگ کا فوری اثر یہ ہوا کہ کابینہ قوی ہونے لگی اور دار العوام کا اثر اور بھی گھٹنے لگا۔ جہاں تک قانون جنگ اور مالیے کا تعلق تھا پارلیمنٹ ایک ایسی جماعت ہو کر رہ گئی تھی جو صرف عاملہ کے احکام کا اندراج کرتی تھی۔ قانون سازی کا اختیار بدایت جو جنگ سے پہلے بہت گھٹ گیا تھا اب بالکل ہی غائب ہو گیا۔ حکومت جن خود سرانہ اختیارات کی طالب تھی اس کو اس طرح دے دیے گئے کہ گویا وہ روزمرہ کی چیز تھی اور اس میں کوئی رد و قدح نہیں ہوئی۔ مدافعت ملک کی بابت ایسے متعدد قوانین وضع ہوئے کہ جن کی رو سے پارلیمنٹ نے پادشاہ بہ اجلاس کونسل یا در حقیقت دیکھا جائے تو موجود الوقت حکومت کو یہ اختیار دے دیا کہ وہ نہ صرف امن عامہ کی خاطر ضروری ضابطے بنائے بلکہ ان لوگوں کی جو ان ضابطوں کے خلاف جرم کا ارتکاب کریں "نعز بیر حربی" کے ذریعے سماعت کریں۔ اسی بنیاد پر انتظامی قوانین کی ایک بہت بڑی عمارت کھڑی ہو گئی جو باشندگان ملک کی حیات و آزادی پر گہرا اثر ڈالتی تھی۔ بعض مثالیں ایسی ہیں کہ ان میں ان ضابطوں کا قانونی جواز جو ان قوانین کے تحت وضع ہوئے تھے عدالت میں زیر بحث آگیا۔ سرکار بنام ہیلیے ڈے (۱۹۱۷) والا ایک بڑا مقدمہ ہے۔ اس میں دار الامراء (جو سب سے بڑی عدالت مرافعہ ہے) درخواست کی گئی کہ وہ اس بات کا فیصلہ کرے کہ آیا اس ضابطے میں جو "قانون مدافعت ملک" کے تحت ۱۹۱۴ء میں وضع ہوئے اور جن کی رو سے وزیر داخلہ کو اس بات کا مجاز گردانا گیا تھا کہ وہ ایسے اشخاص کو حراست میں رکھے جن کا رویہ اور ماحول مخالفانہ ہو

کونسا قانونی جواز ہے اس ضابطے کو جائز قرار دیا گیا اور جس طرح اوپر بیان کیا گیا اس فیصلے کا منشا یہ تھا کہ "قانون مدافعت ملک" کی روسے جو اختیارات قانون سازی زمانہ جنگ کی خاطر عاملہ کے سپرد کر دیے گئے تھے ان میں عدالتیں مداخلت نہ کریں[۱]۔

شدائد جنگ کی وجہ سے حکومت کابینہ کے نظام میں بعض نمایاں اور گہری تبدیلیاں پیدا ہو گئیں۔ جنگ شروع ہونے کے بعد تقریبًا ایک سال تک مسٹر اسکوتھ کی کابینہ برسراقتدار رہی۔ ماہ مئی ۱۹۱۵ء میں ایک "وزارت مرکب" ترتیب دی گئی جو لبرل۔ اتحادی۔ اور لیبر اراکین پر مشتمل تھی۔ آئرستانی قوم پرست جنھوں نے دارالعوام میں اپنا ایک علحدہ فریق بنا لیا تھا عام تائید تو کرتے تھے لیکن کابینہ کی شرکت کے لئے تیار نہ تھے جہاں تک عملی معاملات کا تعلق تھا پارلیمنٹ میں کوئی "مخالفت" باقی نہیں رہی تھی۔ مسٹر اسکوتھ وزیر اعظم کی خدمت پر فائز رہے۔ لیکن ان مشکلات پر عام لوگوں کی بہت جلد نظریں پڑنے لگی تھیں کہ اس عظیم الشان جنگ کی سربراہی جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی ایسی کابینہ سے کیسے ہو سکتی ہے جو انمل بے جوڑ اراکین پر مشتمل ہو اور جن کا تمامتر وقت اور توجہ پارلیمنٹ۔ محکمہ جات اور کابینہ کے کاروبار میں لگا ہوا ہو۔ کابینہ کے اندر متعدد کمیٹیاں بنائی گئیں لیکن ان سے بھی یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکا۔ دارالاخبار نارتھ کلف نے اس کام کے لئے سب سے پہلے قدم اٹھایا کہ رائے عامہ کو اس قابل بنائے کہ وہ ایک طرف موجود الوقت نظام کی بے مائگی اور دوسری طرف تدبیر مملکت کی پوری نگہداشت اور جدوجہد کی ہم آہنگی محسوس کرے۔ چنانچہ ماہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں ہی "ٹیمز" نے جو لارڈ نارتھ کلف کا بہت پر اثر اخبار ہے ایک چھوٹی کابینۂ جنگ پر بہت زور دیا اور ابھی سال ختم نہیں ہوا تھا کہ کابینہ کی ایک کمیٹی جنگجو آدھے درجن اراکین پر مشتمل تھی اور وزیر اعظم اس کا صدر تھا مرتب ہو گئی اور اس نے اصل کابینہ سے انتظام جنگ کا تمام کام خود لے لیا۔ اس کی ترتیب میں خود کابینہ سے زیادہ کارکردگی تھی اور اس کے ساتھ ایک معتمدی بنی جو اس کی کارروائیوں کو قلمبند کرتی تھی اور اس کے فیصلے ان ادارات تک پہنچاتی تھی جو اس سے متعلق تھے۔

---

[۱] ڈی۔ ال۔ کیز اور آف۔ ایچ لاسن۔ نظائر قانون دستوری۔

سنہ ۱۹۱۶ ماہ دسمبر کے اوائل میں مسٹر لائڈ جارج نے جو کابینہ کا ہر دلعزیز رکن تھا اور کمیٹی جنگ کا بھی رکن تھا وزیر اعظم کو جتا یا کہ جب تک جنگ کی سربراہی میں خاطر خواہ تبدیلیاں عمل میں نہ آئیں گی میں حکومت میں شریک نہ رہوں گا اور یہ تجویز پیش کی کہ کمیٹی جنگ صرف تین یا چار اراکین تک محدود ہونی چاہیئے جس میں وزیر اعظم شریک نہ ہو۔ جب یہ تجویز رد ہوگئی تو اس مخالف رکن نے استعفا دے دیا اور اس کے بعد مسٹر اسکوتھ بھی استعفا دینے پر مجبور ہو گئے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ موجودہ کابینہ بالکل منتشر ہوگئی۔ اتحادی رہنما مسٹر بونر لا کو کہا گیا کہ وہ وزارت ترتیب دیں لیکن انہوں نے انکار کردیا۔ پھر پادشاہ نے مسٹر لائڈ جارج کو طلب کیا جنھوں نے یہ کام کرلیا، اس سیاسی تہلکے سے نہ صرف یہی ہوا کہ وزارت تبدیل ہوگئی بلکہ اس سے زیادہ نتائج پیدا ہو گئے۔ یہ ایسا موقع تھا کہ اس وقت تنظیم حکومت میں غائر تبدیلیاں پیدا ہوگئیں۔ ابتک دستور انگلستان کا یہ مسلمہ عملدرآمد تھا کہ کابینہ صرف انھیں اراکین پر مشتمل ہو جو اہم ترین عاملانہ محکموں کے صدر ہوں اور ان کے ساتھ دو یا تین ایسے عہدہ دار بھی ہوتے تھے جن کی خدمات برائے نام ہوتی تھیں جیسے لارڈ صدر کونسل اور لارڈ صاحب مہر اس انتظام کے تحت یہ ہوتا تھا کہ یہی لوگ جو فرداً فرداً اپنے محکموں کی صدارت کرتے تھے کابینہ کی اجتماعی حیثیت میں تدبیر مملکت کے مسائل طے کرتے تھے بیسویں صدی کے اوائل میں کابینہ میں تقریباً بیس اراکین ہو گئے۔

جب وزارت لائڈ جارج کی فہرست شایع ہوئی تو۔ یہ دیکھا گیا کہ پرانی وضع کی کابینہ بالکل غائب ہوگئی۔ اس کی جگہ ایک چھوٹی جماعت آگئی تھی یعنے پانچ اراکین والی ایک "کابینۂ جنگ" جس کا صدر جدید وزیر اعظم تھا۔ اپنی جانشین کابینہ کی طرح یہ ایک مرکب کابینہ تھی۔ اس کا ایک رکن لبرل تھا (لائڈ جارج)۔ ایک لبریٹ (آرتھر ہنڈرسن) اور تین اتحادی۔ (لارڈ کرزن۔ لارڈ ملنر۔ اور بونر لا) تھے منجملہ ان کے صرف ایک کو محکمہ جاتی فرائض ادا کرنے پڑتے تھے اور یہ مسٹر لا تھے جو وزیر مال کی خدمت پر فائز تھے ان کے علاوہ دو کے ہاتھ میں تو کوئی محکمہ نہیں تھا اور دو کے پاس برائے نام عہدے تھے جن سے کوئی انتظامی کام نہ تھا۔ اور جو لوگ بڑے عاملانہ محکموں کے صدر تھے مثلاً محکمہ خارجہ

محکمہ تجربیہ وغیرہ وہ کابینہ کے درجے سے نیچے تھے اور وہ "دوسرے وزرا" کے کمتر لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔

اس جدید انتظام کے تحت جنگ کا انتظام اور مسلک حکومت کی نگہداشت ان لوگوں کی ایک چھوٹی جماعت کے سپرد تھی جو بہ استثنا ایک کے سب انتظامی فرائض سے سبکدوش تھے برخلاف اس کے عالمانہ محکموں کے صدر کاروبار کابینہ کے بوجھ سے آزاد تھے اور یہ لوگ اپنا زیادہ وقت اور توجہ انتظامی امور میں صرف کر سکتے تھے جو پچھلے نظام میں ممکن نہ تھا۔ اس تقسیم کار کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف کابینہ کے کام میں اور دوسری طرف انتظامی کام میں کارکردگی بڑھ گئی۔ پرانے نظام کا مقابلہ کرتے ہوئے اس جدید نظام کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ وزارتی خدمات پر ایسے لوگوں کا تقرر کیا گیا جو بہ حیثیت ماہران فن نہ بہ حیثیت سیاس شہرت حاصل کر چکے تھے۔ کئی جدید محکمے مثلاً محکمہ مزدوران، جہازرانی، فضائی۔ وظائف تعمیر جدید وغیرہ نئے پیدا ہو گئے تھے۔ لیکن اس سے صرف وزارت کا حجم بڑھ گیا۔ کابینہ کا حجم نہیں بڑھا۔ ۱۹۱۸ء میں ارکین وزارت کی مجموعی تعداد تقریباً ایک سو ہو گئی تھی۔

کابینہ کی رازداری۔ ماہ دسمبر ۱۹۱۶ء تک جو کابینۂ انگلستان میں مرتب ہوئے ہیں ان پر جس کسی نے قلم اٹھایا ہے اس کی رازداری کا ضرور ذکر کیا ہے نہ صرف اس کے جلسے خانگی ہوتے تھے بلکہ اس کا کوئی معتمد نہ تھا اور اس کی کارروائیوں کی کوئی باضابطہ روداد نہیں رکھی جاتی تھی۔ البتہ یہ بات وزیر اعظم کے فرائض میں داخل تھی کہ وہ ہر جلسۂ کابینہ کے بعد پادشاہ کو تحریراً کابینہ کے طے شدہ فیصلوں سے مطلع کرے لیکن یہ خطوط راز میں ہوتے تھے اور اس کی اشاعت نہ ہوتی تھی۔ گلاڈسٹن کے زمانے میں سوائے وزیر اعظم کے کوئی اور رکن اس بات کا مجاز نہیں تھا کہ وہ کابینہ کی کسی کارروائی کو قلمبند کرے اور اسکوتھ کا بیان ہے کہ ایک موقع پر اس کو توجہ دلائی گئی کہ ایک رکن کابینہ علانیہ نوٹ لکھ رہے ہیں تو اس نے فوراً ٹوک دیا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کابینہ کی کارروائیوں کا کوئی ایسا تحریری وثیقہ نہ ہوتا تھا کہ اس پر کبھی توجہ دلائی جا سکتی اور اس عالت میں یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے کہ بعض وزرائے کابینہ کو امور فیصل شدہ کے متعلق صرف دھندلا

خیال رہ جاتا تھا یا ایک ہی امر فیصل شدہ کی بابت مختلف وزرا مختلف خیال رکھتے تھے۔ اراکین کابینہ ہمیشہ پریوی کونسل کے اراکین ہی ہوتے تھے اور اس طرح یہ رازداری کا حلف اُٹھاتے تھے اور یہ خیال تھا کہ جو چیز ایک مرتبہ کابینہ کے جلسے میں معرض بحث میں آجائے کوئی رکن اس کا دوبارہ ذکر نہیں کرسکتا۔ مختصر یہ کہ قبل جنگ کابینہ کی کارروائی بالکل بے کاروبارانہ ہوتی تھی[1]۔

جدید نظام کے تحت ایسے ذرائع اختیار کرنا ضروری معلوم ہوا جن سے کابینہ اور ان محکموں کے درمیان جن کے صدر کابینہ میں نشست نہیں کرتے تھے فوری رابطہ پیدا ہو جائے اور ان ذرائع کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ رازداری کو ترک کرنا پڑا کابینۂ جنگ نے کچھیٹی جنگ کی معتمدی اپنے تحت کرلی۔ اس کے بڑے فرائض یہ تھے کہ یہ کابینہ کی کارروائی قلمبند کرتی تھی۔ اس کے فیصلے متعلقہ محکموں کو پہنچاتی تھی۔ اجلاس کابینہ کے پیشنامے تیار کرتی تھی اور کابینہ کے معلومات کے لئے ضروری وثایق بہم پہنچاتی تھی۔ روئدادیں تیار کرتی تھی۔ اور جو باہر کے لوگ کابینہ کے جلسوں میں شریک ہوتے تھے ان کا انتظام کرتی تھی۔ کابینہ جنگ کے وجود میں آنے کے پہلے سال تقریباً ۲۴۸ اشخاص اس کے جلسوں میں شریک ہوئے تھے جن میں ہر شعبۂ نظم ونسق کے ماہر فن شامل ہیں۔ اس طریقے سے پچھلے زمانے میں کابینہ پر ظلمت کے جو پردے پڑے ہوئے تھے۔ وہ سب اُٹھ گئے۔ پچھلی رازداری کے چھوڑنے کا بیّن ثبوت ۱۹۱۷ء اور ۱۹۱۸ء کی روئدادوں سے ملتا ہے جن کو کابینۂ جنگ نے شایع کیا تھا۔

کابینۂ جنگ کے اس قدر کثرت سے اجلاس ہوتے تھے کہ اتنے پچھلے زمانے میں کبھی نہیں ہوئے۔ اس تاریخ سے لیکر جبکہ دسمبر ۱۹۱۶ء میں یہ قائم ہوئی تھی ۱۹۱۸ء کے اختتام تک اس کے کوئی ۵۹۵ اجلاس ہوئے تھے۔ ذیل میں اس کی کارروائی کا مختصر حال بیان کیا جاتا ہے جو ۱۹۱۷ء کی روئداد سے ماخوذ ہے:۔

---

[1] کابینہ ہمیشہ ایک رازدار جماعت سمجھی جاتی ہے۔ لیکن یہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ اٹھارھویں صدی میں اس کے جلسے ایسے خفیہ نہیں ہوتے تھے جیسے بعد کو ہونے لگے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیرونی اشخاص بھی شرکت کے لئے بلائے جانے لگے اور اراکین اپنے خانگی استعمال کے لئے کابینہ کی کارروائیاں اپنے طور پر قلمبند کرنے لگے۔ دیکھو اے۔ آر۔ ٹرنر کی کتاب "سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں انگلستان کی کابینہ"

"ہر جلسے میں کابینہ پہلے رفتار جنگ کی رپورٹ سنتی ہے کہ پچھلے دن کیا ہوا۔ اس کے بعد وہ ان مسائل کو سلجھاتی ہے جو اس کے فیصلے کے منتظر ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ تدبیر مملکت کے عام مسائل پر غور کرنا ضروری نہ سمجھے۔ چونکہ یہ مسائل بہ کثرت ایک یا زیادہ انتظامی محکموں سے متعلق ہوتے ہیں۔ اس لئے ان تمام جلسوں میں عام وزرا اور محکمہ جات کے خاص متعلقہ عہدہ دار شریک ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ کابینۂ جنگ کے اکثر دوران اجلاس میں ایسے جلسوں کا ایک سلسلہ بندھ جاتا ہے جن میں کابینۂ جنگ کے اراکین اور وہ لوگ شریک ہوتے ہیں جو عاملانہ کام کے ذمہ دار ہیں اور ان جلسوں میں ان کے محکموں سے متعلق تدبیری مسائل پر بحث ہوتی ہے۔ اور یہ طے ہوتے ہیں۔ جو مسائل ان محکموں کے باہمی تصادم اور تجاوز سے متعلق ہوتے ہیں ان کا تعین ہوتا ہے اور نظم ونسق کے ہر شعبے میں حکمت عملی کے تمام رشتے اس طرح جوڑے جاتے ہیں کہ وہ متحدہ منصوبۂ جنگ کے ساتھ اچھی طرح پیوست ہو جائیں۔ وزرا کو اس بات کا پورا اختیار ہے کہ خواہ اپنے محکموں یا باہر سے ایسے ماہر فن اپنے ساتھ لائیں جن کی صلاح وہ ضروری سمجھیں"

کابینہ اور دار العوام۔ جو باب "عمومی انگلستان" کے عنوان سے آچکا ہے۔ اس میں کابینہ اور دار العوام کے تعلقات کی وہ تبدیلی جو انیسویں صدی کے آخری حصے میں نظر آنے لگی تھی اچھی طرح سمجھائی گئی ہے۔ اگر صاف الفاظ میں بیان کیا جائے تو یہ ہوگا کہ کابینہ جو دار العوام کی خادم سمجھی جاتی تھی وہ اس کی مخدوم ہو رہی تھی۔ جہاں والٹر بیجہٹ نے اپنے فاضلانہ انداز میں حکومت انگلستان پر روشنی ڈالی ہے کہ وہ عہد وکٹوریہ کے وسط میں کس طرح کام کرتی تھی اس کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ بتائی ہے کہ کابینہ دار العوام کے سامنے ذمہ دار ہے۔ ایک پشت کے بعد سڈنی لو پورے ثبوت کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ یہ ذمہ داری قریب قریب افسانہ ہو کر رہ گئی ہے[1]۔ مسٹر لو نے کہا ہے کہ "دار العوام کو اب عاملہ پر کوئی قابو نہیں ہے۔ برخلاف اس کے عاملہ دار العوام پر قابو رکھتا ہے۔ نظریہ یہ ہے کہ وزرا ہر موقع پر ایک ایک کر کے

[1] کابینہ اور دار العوام کا باہمی تعلق دیکھنے کے لئے طلبہ اگر لو کی "حکومت انگلستان" ابواب ۴-۵ اور بیجہٹ کی "دستور انگلستان" باب ۲ کا مقابلہ کیا جائے تو طلبہ کو بہت دلچسپی ہوگی۔

اپنے تمام افعال کی صداقت قوم کے نمایندوں کے سامنے پیش کریں۔ اگر وہ اس معاملے میں کوتاہی کریں تو یہ نمایندے ان کو خدمت سے علٰحدہ کر سکتے ہیں لیکن ہمارا موجودہ طرز عمل یہ ہے کہ پارلیمنٹ کابینہ کو یہ مشکل خدمت سے علٰحدہ کرتی ہے خواہ وہ کچھ بھی کرے۔ مسٹر لو کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کابینہ بالکل غیر ذمہ دار ہوگئی ہے بلکہ جو ذمہ داری دار العوام کے سامنے مطلوب تھی وہ کم از کم بڑی حد تک قوم کے سامنے منتقل ہوگئی اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رائے عامہ دار العوام کی جانشین ہوگئی ہے اور یہی کابینہ کو بناتی اور بگاڑتی ہے خواہ وہ عام انتخاب میں ظاہر ہو یا ماوراء دستوری آلات خصوصاً اخبار کے ذریعے سے ظاہر ہو۔

جنگ کے دوران میں دو وزارتیں بدلیں لیکن دونوں بھی دار العوام کی کارروائی سے نہیں بدلیں۔ ۱۹۱۵ء میں لبرل کابینہ یا ۱۹۱۶ء میں مرکب کابینہ برخاست ہوئی تھی تو اس کا باعث ایوان کی کوئی مخالفانہ قرارداد نہیں تھی ماہ دسمبر ۱۹۱۶ء کے تہلکے پر روشنی ڈالتے ہوئے انگلستان کے ایک مشہور جریدہ نگار نے کہا ہے کہ "اس واقعے میں دار العوام کو ٹھکرایا نہیں گیا بلکہ بات یہ ہے کہ اس سے مشورہ نہیں کیا گیا۔ مسٹر لائڈ جارج اپنی سیاسی قوت پارلیمنٹ کی چار دیواری کے باہر سے اخذ کرتا ہے۔ اس کی ترقی ایک قسم کے استثنائے کی ممنون ہے جو بے ضابطہ اور بے سر ہے لیکن اس کے پرزور ہونے میں کوئی شبہہ نہیں۔ دار العوام نے اس کو وزیر اعظم نہیں بنایا۔ اور نیز یہ بات بحث طلب ہے کہ آیا دار العوام اس کو معزول کر سکتا ہے۔"

کابینۂ جنگ کے قیام سے پہلے یہ ایک مسلّمہ قاعدہ تھا کہ کابینہ کے تمام اراکین دار العوام یا دار الامرا کے اراکین ہوں اور وزیر اعظم دار العوام کا رہنما ہو بشرطیکہ وہ امیر نہ ہو کابینۂ جنگ کے اراکین ایک[1] کے سوا سب پارلیمنٹ کے اراکین تھے لیکن یہ بحث میں بہت کم شریک ہوتے تھے۔ وزیر اعظم دار العوام کا رہنما نہیں رہا تھا اور اس کی نشستوں میں حاضر نہیں رہتا تھا۔ دار العوام میں اس کی جگہ وزیر مال بیٹھتے تھے جو حکومت کی

---

[1] وہ رکن استثنائی جنوبی افریقہ کا مدبر جنرل اسمٹس تھا جو جون ۱۹۱۷ء سے لیکر دسمبر ۱۹۱۸ء تک کابینۂ جنگ کا رکن رہا تھا۔ اس کی حیثیت کچھ بے تکی سی تھی کیونکہ وہ نہ تو برطانوی پارلیمنٹ کا رکن تھا نہ برطانیہ عظمیٰ میں کسی وزارتی خدمت پر فائز تھا۔

طرف سے گفتگو کرتا اور ان سوالوں کا جواب دیتا تھا جو وزیر اعظم سے مخاطب ہوتے تھے۔ کابینہ اور خصوصاً وزیر اعظم کا اس طرح پارلیمنٹ سے کنارہ کشی کرنا قابل اعتراض تھا اور اس پر ضرور نکتہ چینی ہوئی۔

شہنشاہی کابینۂ جنگ - ایک دستوری بدعت جو نہ صرف برطانیۂ عظمیٰ بلکہ تمام شہنشاہیت سے متعلق تھی یہ ہوئی کہ برطانوی کابینۂ جنگ کو عارضی طور پر ایک وسیع شہنشاہی کابینہ بنایا گیا۔ حکومت لائڈ جارج کا سب سے پہلا کام یہ تھا کہ خود اختیاری برطانوی قلمروؤں کے وزرائے اعظم اس غرض سے بلائے گئے کہ وہ کابینۂ جنگ کے خاص جلسوں میں نشست کریں۔ اور اس طریقے سے شہنشاہی کابینۂ جنگ کے نام سے ایک جدید ادارہ عالم وجود میں آگیا جس میں برطانوی کابینۂ جنگ کے اراکین قلمروؤں کے وزرا۔ وزیر ہند۔ وزیر مستعمرات شریک ہوتے تھے۔ آخر الذکر شاہی مستعمرات اور محمیتوں کی طرف سے گفتگو کرتا تھا۔ برطانوی وزیر اعظم اس کا صدر نشین تھا اور ۱۹۱۷ء میں ماہ مارچ سے مئی تک اس کے کئی مسلسل جلسے ہوئے۔ سمندر پار کے نمایندے ماتحتانہ حیثیت میں شریک نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ برطانوی کابینۂ جنگ کے اراکین کے ساتھ برابر کا درجہ رکھتے تھے۔ دارالامرا میں چند روز کے بعد اس واقعے کی اس طرح توضیح کی گئی تھی۔

"برطانوی کابینہ اس زمانے کے لئے شہنشاہی کابینۂ جنگ ہو گئی ہے۔ اس کے اجلاس کے دوران میں اس کے سمندر پار اراکین کو ان تمام معلومات تک رسائی تھی جو مجلسی کی حکومت کے تصرف میں تھے اور برطانوی کابینۂ جنگ کے اراکین کے ساتھ ان کی بالکل مساویانہ حیثیت تھی۔ اس سے یہ ہوا کہ شہنشاہی سلک کے اہم پہلوؤں پر طویل بحث ہونے لگی اور ان کی بابت اہم فیصلے ہونے لگے یہ فیصلے ایسے ہیں کہ جن کی بدولت ہم زیادہ سے زیادہ یکجہتی اور زور کے ساتھ جنگ کا انصرام کر سکتے ہیں اور جب صلح کی گفت و شنید ہوگی تو ہم سے اور زیادہ فائدہ ہوگا۔"

شہنشاہی کابینۂ جنگ ان معنوں میں کابینہ نہیں تھی جو اس کے معمولی معنی ہوتے ہیں اس کے اراکین ایک ہی پارلیمنٹ کے اراکین تھے نہ اس کے سامنے ذمہ دار تھے۔ یہ اصل میں ایک عجیب دوستانہ قسم کی بین حکومتی مجلس تھی۔ کنیڈا کے وزیر اعظم سر رابرٹ بورڈن نے جو اس کا ایک رکن تھا اس کی اس طرح وضاحت کی تھی کہ "یہ وزرا کی کابینہ نہیں"

بلکہ حکومتوں کی کابینہ ہے"۔

ماہ جون ۱۹۱۸ء میں اس شہنشاہی کابینہ جنگ کی نشستوں کا ایک دوسرا سلسلہ شروع ہوا تھا جو اگست میں جاکر ختم ہوا۔ ایک تیسرا سلسلہ ۲۰ نومبر ۱۹۱۸ء سے شروع ہوا جب کہ جنگ ابھی ختم ہوئی تھی یہ ان مسائل پر غور کرنے کے لئے منعقد کی گئی تھیں جو اینده انتظام صلح کے بابت پیدا ہورہے تھے اور اس شہنشاہی کابینہ جنگ نے برطانوی شہنشاہیت کے وفد دن کا تعین کیا جو ۱۹۱۹ء میں پیرس والی کانفرنس صلح میں شریک ہوئے۔

شہنشاہی کابینہ جنگ ان تمام مسائل کو سلجھانے میں کامیاب ہوگئی جو اس کے سامنے آئے۔ اس لئے اس بات کا امکان معلوم ہوتا تھا کہ ایک شہنشاہی کابینہ مستقل ادارے کے طور پر ہمیشہ رہے گی۔ برطانیہ عظمی اور قلمروؤں میں دونوں جگہ اکثر لوگ جو شہنشاہی یکجہتی کے بندھن مضبوط کرنا چاہتے تھے یہی چاہتے تھے۔ پہلے سلسلے میں جو آخری نشست ہوئی تھی تو اس میں برطانوی وزیر اعظم نے سمندر پار کے نمایندوں کے اتفاق کے ساتھ یہ تجویز کی تھی کہ اس قسم کی مجلسیں سالانہ یا مناسب سمجھا جائے تو اس سے زیادہ منعقد ہوا کریں۔ لیکن یہ جدید ادارہ بہت کم عمر ثابت ہوا اور جنگ کے ساتھ ختم ہوگیا۔

برطانوی کابینہ جنگ ختم جنگ کے بعد تقریباً ایک سال تک جاری رہی۔ ماہ دسمبر ۱۹۱۸ء میں ایک عام انتخاب جو "خاکی انتخاب" کے بے تکے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس سے لائڈ جارج کی مرکب وزارت کو بہت بڑی کامیابی ہوئی۔ وزیر اعظم نے جدید نظام حکومت بنانے کا فیصلہ کیا اور یہ سب کو یقین ہوگیا تھا کہ کابینۂ جنگ کا نظام توڑ دیا جائے گا۔ لیکن جب ماہ جنوری ۱۹۱۹ء میں جدید وزارت کی تشہیر ہوئی تو اس وقت یہ ظاہر کیا گیا کہ کابینہ جنگ اس وقت تک برقرار رہے گی جب تک کہ مستقل صلح کا انتظام نہ ہو جائے۔

لڑائی ختم ہونے کے بعد عاملانہ خود سری کے خلاف ایک ردعمل کا پیدا ہونا قدرتی بات تھی۔ پچھلے ایوان کے مقابلے میں جدید دار العوام میں زیادہ جذبہ خودداری ظاہر ہونے لگا۔ ۱۹۱۹ء کے پہلے نصف حصے میں ذیلی انتخاب کا ایک تانتا بندھ گیا اور اس سے وزارت مرکب کی رائیں گرنے لگیں اور وزیر اعظم کے وقار کو نقصان پہنچنے لگا اور اس سے زیادہ معنی خیز بات یہ تھی کہ پارلیمنٹ اور ملک میں روز بروز نکتہ چینی ہونے لگی

اس بات پر دل کھول کر غیظ و غضب کا اظہار ہونے لگا کہ دوران جنگ کے طریقۂ حکومت میں خصوصاً کابینۂ جنگ اور وزرا کی عدم ذمہ داری جاری ہے۔ وزرا اور بالخصوص وزیر اعظم پارلیمنٹ کی نشست سے غائب رہتے ہیں اور دار العوام میں حکومت کے ذیلی حکام کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔

۲۳ اکتوبر ۱۹۱۹ء کو یہ بے چینی پورے عروج کو پہنچ گئی جب کہ دار العوام نے اپنی ایک بڑی کثرت سے حکومت کی ایک قانونی تجویز کو رد کر دیا۔ چار روز کے بعد اس بات کا اعلان ہوا کہ کابینہ از سر نو ترتیب دی گئی ہے جو انیس اراکین پر مشتمل ہوگی اور یہ لوگ قبل زمانۂ جنگ کی طرح اکثر اہم عاملانہ محکموں کے صدر ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کابینۂ جنگ ٹوٹ گئی اور کابینہ پھر اس نہج پر آگئی جو زمانۂ امن میں ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دار العوام نے حکومت کو ایک سخت گھونسا لگایا اور ایک ہی جنبش میں اپنا بہت کچھ پرانا وقار حاصل کر لیا مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ گو دار العوام میں اس وزارت کے بہی خواہ جماعت مخالف کے مقابلے میں دو گنے سے زیادہ تھے تاہم ان کی حیثیت ایک باقاعدہ فریقانہ وحدت کی سی نہ تھی۔ یہ ایسا اتحاد تھا کہ اس میں یکجہتی بہت کم تھی ان حالات میں اس بات کا امکان تھا کہ اچانک رد و بدل ہو اور سیاسی بساط الٹ جائے۔ اخبار مینچسٹر گارڈین نے ۲۳ اکتوبر والی قرارداد پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے اداریہ میں کہا تھا کہ "ایوان دست نگر، بے اثر اور ایک بے جان لاش معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس میں کچھ ایسی اچانک بات پیدا ہو گئی کہ اس سے ایوان کا پرانا جذبۂ خودداری و زور آزمائی ابھر گیا۔ ابھی حکومت بہت مقتدر معلوم ہوتی تھی لیکن ابھی یہ معلوم ہوا کہ یہ بے زور ہو کر رہ گئی اور گھٹنوں کے بل چل رہی ہے...... دار العوام کے قالب میں پھر جان پڑنے لگی تاکہ یہ واقعی دار العوام ہو جائے۔ صرف بکواس اور اندراج کا آلہ کار ہو کر نہ رہے۔"

اصلاح انتخاب عمومیت کی اس پیشقدمی میں جو ۱۸۳۲ء کے قانون اصلاح کے ساتھ شروع ہوئی تھی جنگ کے زمانے میں ایک اور بڑا قدم رکھا گیا مطلق رائے دہی بالغان کی تکمیل کر دی گئی جو ۱۸۸۴ء والے قانون اصلاح کی رو سے شروع کیا گیا تھا لیکن اس کی تکمیل نہیں ہوئی تھی اور ساٹھ لاکھ عورتوں کو حق رائے دہی دیا گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رائے دہندگان کی تعداد دگنی سے زیادہ ہو گئی تکثیری رائے دہی

محدود کردی گئی جو قانون پارلیمنٹی رائے دہی سے متعلق تھا سہل کر دیا گیا۔ نیابت متناسبہ کا
کا اصول جاری کیا گیا اور نشستوں کی جدید تقسیم اور حلقہائے انتخاب کی جدید تنظیم کی گئی۔
۱۸۸۴ء میں جو "قانون رائے دہی" اور ۱۸۸۵ء میں "قانون تقسیم جدید" پاس ہوا
تھا تو اس کے بعد کئی سال تک مزید اصلاح انتخاب سے متعلق کوئی بحث مباحثہ نہیں ہوا۔
اتحادی حکومت کے دوران میں جو ۱۸۹۵ء سے ۱۹۰۵ء تک رہی اس موضوع پر
بہت کم توجہ کی گئی۔ ۱۹۰۶ء میں لبرل حکومت نے ایک مسودہ پیش کیا تھا کہ
تکثیری رائے دہی منسوخ کی جائے۔ اس کو دارالعوام نے پاس کر دیا مگر دارالامرا نے رد
کر دیا۔ ۱۹۱۳ء میں پھر عوام نے اسی قسم کا مسودہ پاس کر دیا مگر امرا کے ہاتھوں میں جا کر
پھر اس کا وہی حشر ہوا۔ دوسرے سال عوام نے اس کو پھر پاس کر دیا اور امرا
نے اس کو پھر توڑ دیا۔ اگر جنگ نہیں چھڑ جاتی تو عوام اس کو پھر تیسری مرتبہ پاس
کر دیتے اور ۱۹۱۵ء کے "قانون پارلیمنٹ" کے ضابطے کے مطابق امرا کی نامنظوری کے
باوجود یہ قانون بن جاتا۔

رائے دہی اناث سے متعلق پارلیمنٹ میں اس وقت شد و مد سے بحث ہوئی
جب کہ جان اسٹواٹ مل نے ۱۸۶۷ء کے مسودۂ اصلاح کی بابت ایک ترمیم پیش کی
تا کہ عورتوں کو حق رائے ملے۔ ایک بڑی کثرت سے یہ رد ہو گئی۔ اس طرح کی ایک
اور ترمیم ۱۸۸۴ء کے مسودہ اصلاح کی بابت پیش ہوئی تھی لیکن اس کا بھی وہی حشر ہوا۔
بیسویں صدی کے پہلے عشرے میں عورتوں میں حق رائے دہی کی تحریک بہت جلد آگے
بڑھنے لگی۔ لیکن ایک طرف وہ عورتیں تھیں جو اس حصول مقصد کے لئے حربی ہتھکنڈے
اور دو بدو مقابلے چاہتی تھیں یعنے "رائے دہی کے علمبردار"[1]۔ دوسری طرف وہ عورتیں
تھیں جو دستوری اور آئینی سرحد سے آگے جانا نہیں چاہتی تھیں یعنے "رائے دہی کی
حامی"[2] ان دونوں میں ایک خلیج حائل ہو گئی۔ ۱۹۰۶ء کے معرکۂ انتخاب میں حربی کشمکش
شروع ہو گئی جو لبرل کابینہ اس زمانے سے لے کر آغاز جنگ تک برسر اقتدار رہیں

۱؎ Suffragettes

۲؎ Suffragists

وہ حق رائے دہی اناث کے مسئلے میں متفق الرائے نہیں تھیں۔ چنانچہ اس دوران میں خانگی اراکین کی طرف سے ایسے متعدد مسودے دار العوام میں پیش کئے گئے لیکن ان میں سے کوئی بھی پاس نہیں ہوا۔ ۱۹۱۴ء میں یہ حربی تحریک اپنے معراج کمال پر پہنچ گئی جبکہ "رائے دہی کے علمبرداروں" نے دہشت انگیزی شروع کردی جس میں دریچوں کو توڑنا کلیسا کو آگ لگا دینا۔ مکانات اور سرکاری عمارتوں پر بمب پھینکنا نمایاں تھے۔ جب جنگ شروع ہوگئی تو دہشت انگیزوں نے تھوڑے دنوں کے لئے، عارضی صلح کرلی اور اپنی تنظیمیں انھوں نے رفاہ عام میں مصروف کردیں۔

۱۹۱۸ء کا قانون اصلاح ۔ ۱۹۱۶ء میں مسٹر اسکوتھ نے دار العوام کے اسپیکر سے درخواست کی کہ ایک کانفرنس منعقد کرے تاکہ اصلاح انتخاب کے مسئلے پر غور ہو اور حکومت کے سامنے تجاویز پیش ہوسکیں۔ چنانچہ ایک کانفرنس اسی سال اکتوبر میں اور دوسری سال جنوری میں منعقد ہوئی۔ جو دار العوام کے ستائیس اراکین اور پانچ امرا اور ہر سیاسی نقطۂ خیال والے نمایندوں پر مشتمل تھی۔ اس نے لائڈ جارج کے سامنے جو اسی اثنا میں وزیر اعظم ہوگئے تھے اپنی رپورٹ پیش کردی۔ مارچ ۱۹۱۷ء میں دار العوام نے ایک بڑی کثرت سے کانفرنس کی سفارشیں منظور کرلیں اور ایک مسودہ جو ان سفارشوں پر مبنی تھا دونوں ایوانوں کی طرف سے پاس ہوا۔ جو ماہ فروری ۱۹۱۸ء میں قانون بن گیا۔ اگرچہ یہ مسودہ بعض لحاظ سے اور خصوصاً حق رائے دہی اناث کے لحاظ سے گزشتہ تمام قوانین کے مقابلے میں بہت انتہائی تھا لیکن پچھلے قوانین کے مقابلے میں اس کی بہت کم مخالفت ہوئی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ بتائی جاسکتی ہے کہ یہ مسودہ اس وقت پاس ہوا تھا جبکہ ملک کی عورتوں نے اپنے جذبۂ وطنیت اور انہاک عمل کے ساتھ جنگ کا پورا مقابلہ کیا اور اس طریقے سے اپنا حق رائے دہی ثابت کردیا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس وقت مرکب وزارت برسر اقتدار تھی اور پارلیمنٹ میں وہ اشتراک عمل مفقود تھا جو ہمیشہ ہوتا ہے۔

۱۹۱۸ء کے قانون سے وہ تمام ضابطے جو پارلیمنٹی رائے دہی سے متعلق تھے آسان ہوگئے۔ اس قانون نے پچھلی مالی اہلیتیں منسوخ کردیں۔ ضلع اور بروگی رائے دہی

یکساں کردی ۱۸۳۲ء اور ۱۸۶۷ء کے قوانین کی طرح اس قانون نے بھی دونوں کے لئے
یعنی حق رائے دہی اور نشستوں کی تقسیم جدید کے لئے ضابطے بنادیئے۔ اس نے عورتوں
کو حق رائے دہی دیا اگرچہ وہ حق انھیں شرائط پر مبنی تھا جس طرح مردوں کا تھا۔
اس نے تکثیری رائے محدود کردی۔ جامعاتی حلقہائے انتخاب بڑھادیئے اور ان میں
نیابت تناسبہ کا اصول استعمال کیا اور اندراجات اور اخراجات انتخاب کا مناسب
انتظام کیا۔

جہاں تک حق رائے دہی کا تعلق ہے اس قانون نے یہ ضابطہ بنایا کہ جامعاتی
حلقۂ انتخاب کو مستثنیٰ کرکے ہر شخص اپنے کو کسی حلقے کے انتخاب کنندہ کی حیثیت میں
درج رجسٹر کراسکتا ہے بشرطیکہ وہ عمر میں اکیس سالہ ہو۔ اس پر کوئی قانونی مجبوری
عائد نہ ہو اور خانگی مکان یا کاروباری مکان کی سکونت رکھتا ہو۔ کاروباری مکان سے
وہ مکان مراد ہے جس کی سالانہ مالیت دس پونڈ سے کم نہ ہو اور جہاں رائے دہندہ
کی سکونت کسی کاروبار یا پیشے کی غرض سے ہو۔ دونوں صورتوں میں میعاد اہلیت
چھ مہینے تھی۔ کافی عمر ہو اور کوئی قانونی مجبوری نہ ہونے کی صورت میں ہر شخص
جامعاتی حلقۂ انتخاب کے لئے درج رجسٹر ہوسکتا تھا بشرطیکہ وہ اس جامعہ کی
واقعی نہ کہ اعزازی ڈگری حاصل کرے۔ جو خود ایک حلقۂ انتخاب ہو یا کسی حلقے میں
شامل ہو۔ اسکاچستانی اور آئرستانی جامعات کی صورت میں اہلیتوں میں تھوڑا
اختلاف تھا۔ جامعاتی حلقہائے انتخاب کی ابتدا جیمس اول کے عہد سے ہوتی ہے۔
جبکہ اکسفورڈ اور کیمبرج کو دار العوام میں نیابت دی گئی۔ ۱۸۶۷ء کے قانون اصلاح کی رو
سے جامعہ لندن پارلیمنٹی حلقۂ انتخاب بن گئی۔ گلاسگو۔ ابرڈین۔ اڈنبرا۔ اور
سنیٹ انڈروس کی چار جامعات کو اس طرح جوڑا گیا کہ دو حلقہائے انتخاب
بن گئے۔

ہر عورت جامعاتی حلقے کو مستثنیٰ کرکے کسی حلقۂ انتخاب کے لئے اپنا نام
رجسٹر کراسکتی تھی بشرطیکہ وہ عمر میں ۳۰ سالہ ہو اور اس پر کوئی قانونی مجبوری عائد
نہ ہو۔ استحقاق رجسٹری دو طرح سے تھا۔ یا تو وہ مقامی حکومت کی رائے دہندہ ہو
یا اس کا شوہر قابل رجسٹری ہو۔ مقامی حکومت کے انتخاب کنندہ کی اہلیت کسی

مکان سکونت یا کسی اور عمارت کی سکونت پر موقوف تھی جس کی مالیت سالانہ پانچ پونڈ سے کم نہ ہو۔ عمر اور قانونی مجبوری کے فقدان کی شرائط پوری کرنے پر ایک عورت جامعاتی حلقۂ انتخاب کے لئے بھی رجسٹر ہو سکتی تھی بشرطیکہ وہ مرد ہونے کی صورت میں اس کی مستحق ہوتی یا ایسی جامعہ میں جہاں عورتوں کو ڈگری کے لئے، نہیں لیا جاتا اگر یہ تخصیص نہ ہوتی تو وہ ڈگری کی مستحق ہو جاتی۔ اب یہ سوال کہ عورتوں کو انھیں مدارج پر حق رائے دہی نہیں دیا گیا جو مردوں کے لئے تھے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت آبادی میں عورتوں کی تعداد مردوں سے بہت زیادہ تھی۔ اور حکومت اور پارلیمنٹ اس بات کے لئے راضی نہ تھے کہ حلقہائے انتخاب میں عورتیں غالب ہو جائیں ہر شخص مرد ہو یا عورت جب کسی حلقۂ انتخاب میں رجسٹر ہو جائے تو پارلیمنٹی انتخاب کے وقت، اسی حلقۂ انتخاب کی طرف سے جہاں وہ رجسٹر ہوا ہے رائے دینے کا حق رکھتا تھا۔

اس قانون نے نشستوں کی جدید تقسیم کا بھی انتظام کیا۔ دار العوام کی مجموعی رکنیت ۶۷۰ سے جو ۱۸۸۵ء کے قانون تقسیم کی رو سے مقرر تھی ۷۰۷ کر دی۔ انگلستان اور ویلز کے لئے، ۵۲۸ اسکاچستان کے لئے ۷۴ اور آئرستان کے لئے ۱۰۵ نشستیں مقرر کی گئیں۔ لیکن بعد کو جب ۱۹۲۲ء میں آئرستان کی آزاد ریاست قائم ہو گئی اور اس طرح آئرستان کا ایک بڑا حصہ سلطنت متحدہ سے جدا ہو گیا تو دار العوام کی مجموعی تعداد گھٹا کر ۶۱۵ کر دی گئی۔ شمالی آئرستان جو سلطنت متحدہ میں باقی رہ گیا ہے اس کی نمایندگی ۱۳ اراکین کرتے ہیں یک رکنی حلقے کا اصول جو ۱۸۸۵ء میں اختیار کیا گیا تھا برقرار رکھا گیا۔ بالعموم ایک رکن ایک حلقے کی نمایندگی کرتا ہے۔ شہر لندن۔ چند دیگر برو۔ جامعات اکسفورڈ اور کیمبرج۔ وہ جامعات انگلستان جو ایک حلقۂ انتخاب میں جمع کر دئے گئے ہیں اور ہر جامعہ دو اراکین منتخب کرتا ہے اور وہ حلقۂ انتخاب جو چار جامعات اسکاچستان پر مشتمل ہے اور تین اراکین منتخب کرتا ہے مستثنیٰ ہیں۔ انگلستان۔ ویلز اور اسکاچستان میں نیابت کا آبادی سے تناسب تقریباً ۷۰۰۰۰ پر ایک اور آئرستان میں ۴۳۰۰۰ پر ایک ہے۔ جامعاتی حلقوں میں جن کو دو یا زیادہ نشستیں دی گئی ہیں انتخابات نیابت متناسبہ کے اصول کے مطابق

ہوتے ہیں۔

تکثیری رائے دہی بالکل برخاست تو نہیں ہوئی مگر بہت کچھ محدود کردی گئی ہے۔ کوئی شخص اپنی سکونتی یا کسی اور اہلیت کی بنا پر ایک سے زیادہ حلقوں کی طرف سے رائے نہیں دے سکتا۔ صرف اسی حلقے کی طرف سے رائے دے سکتا ہے جہاں وہ رجسٹر ہوا ہے۔ کوئی عورت اپنی ذاتی یا اپنے شوہر کی حکومت مقامی کی اہلیت کی بنا پر یا کسی اور اہلیت کی بنا پر ایک سے زیادہ حلقوں کی طرف رائے نہیں دیسکتی صرف اسی حلقے کی طرف سے رائے دیسکتی ہے جہاں وہ رجسٹر ہوئی ہے۔ ان قیود کا اثر یہ ہوا کہ کوئی مرد یا عورت دو سے زیادہ حلقوں کی طرف سے رائے نہیں دے سکتے اور ایک ہی اہلیت کی بنا پر ایک سے زیادہ حلقوں کی طرف سے رائے نہیں دیسکتے۔ مثلاً اگر ایک شخص ایک حلقۂ انتخاب میں سکونت رکھتا ہے اور ایک سے زیادہ کاروباری عمارتوں میں جاگزیں ہے تو وہ اول الذکر حلقے میں اور باقی کاروباری عمارتوں میں سے صرف ایک کی طرف سے رائے دے سکتا ہے۔ اگر ایک شخص ایک حلقے میں سکونت رکھتا ہو اور کسی دوسرے حلقے کی کاروباری عمارت میں جاگزیں ہو اور کسی جامعہ کا ڈگری یافتہ ہو تو اول الذکر میں تو وہ رائے دے سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ دوسرے حلقے میں رائے دینا پسند کرے تو پھر وہ جامعاتی حلقے میں رائے نہیں دے سکتا اور یا اس کے برعکس۔

ایک قانون کی رو سے جو ۱۹۱۸ء میں پاس ہوا عورتیں دار العوام میں شریک کرلی گئیں اور دوسرے سال لیڈی اسٹر نے جس کی پیدائش امریکہ میں ہوئی تھی ایوان میں جگہ پائی۔ یہ پہلی رکن اناث ہے۔ گو عورتیں اپنے حق کی بنا پر امیرہ ہو سکتی ہیں لیکن دار الامرا میں نشست نہیں کرسکتیں ۱۹۱۹ء میں ایک قانون موضوعہ کے ذریعے یہ انتظام کیا گیا کہ کوئی شخص کسی خدمت پر فائز ہونے کی وجہ سے یہ تخصیص جنس کوئی سرکاری کام کرنے کی وجہ سے نا اہل نہیں قرار دیا جاسکتا اور ۱۹۲۲ء میں ایک عورت وِیکونٹس رہونڈا جو اپنے حق کی بنا پر امیر تھی شقہ طلب کا حق جتایا لیکن امرا کی کمیٹی "اختیارات" نے اس کو رد کردیا اور فیصلہ کیا کہ اس کو اس کا حق نہیں ہے۔ لیکن جب کبھی ایوان بالائی کی اصلاح ہوگی یہ اغلب ہے کہ عورتیں دار الامرا

میں شریک کر لی جائیں گی۔

دارالامرا پر تنقید۔ پچھلے سو سال کے دوران میں دارالامرا کی تنظیم جدید کے لئے بہتیری تجویزیں ہو چکی ہیں۔ بعض مرتبہ ان کے ساتھ یہ سفارشیں بھی تھیں کہ اس کے اختیارات گھٹائے جائیں اور دارالعوام کے ساتھ اس کے تعلقات میں تبدیلی کی جائے، یہاں تک زور دیا گیا کہ کسی قسم کا ایوان بالائی مفید نہیں ہے بلکہ مضر ہے۔ ہم دیکھ آئے ہیں کہ ۱۹۱۱ء کے قانون پارلیمنٹ سے دارالامرا کے اختیارات گھٹا دئے گئے مگر اس کی اصلاح کا کوئی انتظام نہیں ہوا۔ تاہم اس قانون کے مقدمے میں ظاہر کر دیا گیا ہے کہ ایوان بالائی کی عمیق تجدید زیر غور ہے چنانچہ اعلان کے الفاظ یہ ہیں۔ "منشا یہ ہے کہ دارالامرا کی جگہ جیسے وہ اس وقت موجود ہے ایک ایسا ایوان بالائی بنایا جائے جس کی بنیاد موروثی نہیں بلکہ عمومی ہو لیکن یہ قائم مقامانہ تبدیلی فوری عمل میں نہیں لائی جا سکتی"۔ یہ تبدیلی ابتک عمل میں نہیں لائی گئی۔ اور پرانا دقیانوسی دارالامرا ابتک موجود ہے۔ (۱۹۳۴ء)۔ یہ نامناسب ہوگا کہ اگر اس باب میں اس کی اصلاحی تجویز کی بابت یعنے اس مضمون پر اس کے اختیارات کیا ہوں اور دارالعوام سے اس کا کیا تعلق ہو دوران جنگ میں ایک طویل غائر روشنی ڈالی گئی تھی اس کا مختصر اعادہ کیا جائے۔

دارالامرا میں اس وقت اب کی طرح حسب ذیل طبقات اراکین شامل تھے۔ اصحابان امارت موروثی جن میں امرائے انگلستان جو ۱۷۰۷ء والے اتحاد اسکاچستان سے پہلے بنائے گئے۔ امرائے برطانیہ عظمیٰ جو ۱۷۰۷ء اور ۱۸۰۰ء والے اتحاد آئرستان کے درمیان بنائے گئے امرائے سلطنت متحدہ برطانیہ عظمیٰ اور آئرستان جو ۱۸۰۰ء کے بعد بنائے گئے شامل ہیں۔ یہ طبقہ تعداد میں سب سے زیادہ ہے اور دارالامرا کی تمام تعداد اراکین کا $\frac{9}{10}$ ہے۔ ۲۔ مرشدزادگان یعنے خاندان شاہی کے چند اراکین جو ایوان کے جلسوں میں گاہے ماہے شریک ہوتے ہیں اور اس کی کارروائیوں میں دلچسپی نہیں لیتے۔ ۳۔ اسکاچستان کے نائب امرا جو تعداد میں ۱۶ ہوتے ہیں اور ہر پارلیمنٹ کے لیے

---

۱ ڈی او سولڈ ڈیکس ماخذ "تاریخ دستوری" از ۱۹۲۶ء صہ ۱۸۹۔

امرا اسکاچستان کی طرف سے منتخب کئے جاتے ہیں ۴ ۔ آئرستان کے اٹھائیس نائب امرا جو امرائے آئرستان کی طرف سے عمر بھر کے لئے منتخب ہوتے ہیں ۵ ۔ روحانی امرا جن میں سرکاری کلیسا کے دو اسا قفۂ اعظم اور چوبیس اسا قفہ شامل ہیں ۶ ۔ معمولی امرائے مرافعہ جو تعداد میں چھ ہوتے ہیں ۔ ان کو پادشاہ اپنے قانونی اختیار سے اس غرض سے مقرر کرتا ہے کہ دار الامرا میں عادلوں کی تعداد بڑھے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ دار الامرا ایک قانونی عدالت بھی ہے اور مقننہ کی ایک شاخ بھی ہے دار الامرا پر مختلف حیثیتوں سے تنقید ہوتی ہے اور یہ تنقید اس کے دوست دشمن دونوں کرتے ہیں جب عمومیت بہت آگے آجائے اور ۱۸۳۲ء کے بعد سے دار العوام کی عمومیت روز بروز بڑھتی جائے تو پھر ایوان بالائی جس کی ساخت میں غالب عنصر موروثی ہو ایک بے ڈھنگی چیز معلوم ہوگی یعنے یہ قرون وسطیٰ کی ذہنیت اور جاگیریت کی یادگار ہے ایک روشن خیال امیر نے کہا تھا کہ اس ایوان کے اکثر اراکین اس وجہ سے اراکین ہیں کہ انھوں نے خود امیر پیدا ہونے کی تکلیف گوارا کی ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے لوگ امرا بنائے جاتے ہیں جن میں قابلیت، تجربہ اور قانون سازی کی کافی اہلیت ہوتی ہے لیکن ان کے جانشینوں میں یہی قابلیت نہیں ہوتی ۔ اکثر تو اپنی رکنیت خاطر میں بھی نہیں لاتے ۔ اور ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ اس کی نشستوں میں کبھی چھوٹی قلت سے کچھ زیادہ لوگ آجائیں ۔ اس کا دوسرا رخ اشتراک عمل ہے جس کی وجہ سے اس ایوان پر حملے کئے جاتے ہیں ۔ ۱۸۳۲ء کے بعد سے اس کے اکثر اراکین سیاست میں مستحفظ رہے ہیں اور ۱۸۸۶ء سے جبکہ کئی لبرل امرا سوراج آئرستان کے مسئلے پر اپنے فریق سے علٰحدہ ہو گئے تو ایوان کی لبرل رکنیت بہت قلیل ہو گئی جب چنانچہ ۱۹۰۵ء میں ایوان کے ۶۰۰ اراکین میں لبرل کی تعداد صرف ۴۵ تھی ۔ ان اوقات میں جبکہ مستحفظ فریق برسر حکومت تھا اور دار العوام میں اس کی کثرت تھی تو دونوں ایوانوں کے تعلقات خوشگوار تھے لیکن جب دار العوام میں لبرل مقتدر ہو گئے تو یہ بات نہیں رہی ۔ چنانچہ ۱۹۰۶ء سے لے کر آغاز جنگ تک جب کہ لبرل حکومت تھی یہی حالت نمایاں تھی اور امرا اور عوام کی کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ قانون پارلیمنٹ نافذ ہو گیا ۔ دار الامرا پر

دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہ ثروت اور خصوصاً زمینداارانہ ثروت کی غیروجہی نیابت کرتا ہے اور ملک کے دوسرے اہم مفاد کی نیابت نہیں ہوتی۔ نیز ایک خاص مذہبی تنظیم کو یعنے مسئلہ کلیسا کو جو ممتاز حیثیت حاصل ہے وہ دوسرے مذہبی حلقوں کو پسند نہیں۔ اس کے علاوہ ایوان کا حجم اور اس کی نشستوں کی تکمیل حاضری پر بھی اعتراض ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو اس وقت (۱۹۳۴ء) ایوان میں شریک ہونے کے اہل ہیں ۷۰۰ اور ۸۰۰ کے درمیان ہیں جو دارالعوام کے تعداد ارکین سے کہیں زیادہ ہیں لیکن واقعی شرکا کی تعداد ۲۰۰ سے زیادہ نہیں ہوتی۔

دارالامرا کی اصلاح۔ جو تجاویز اصلاح اب تک پیش کی گئی ہیں ان کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ چند چوٹی کے خیالات ایسے ہیں جو ان میں بار بار آتے ہیں۔ سب سے پرانا خیال جو انیسویں صدی کے دوسرے نصف حصے میں اور بیسویں صدی کے ابتدائی سنین میں شد و مد سے پیش کیا گیا وہ یہ تھا کہ امرا عمر بھر کے لئے بنائیں جائیں تاکہ اس سے ایوان بالائی کی حیثیت درست ہو جائے۔ وینسلے ڈیل والے مقدمے میں (۱۸۵۶ء) یہ فیصلہ ہوا تھا کہ گو تاج اپنے اختیار خصوصی سے عمر بھر کے لئے امرا بنا سکتا ہے لیکن اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ ان لوگوں کو شرکت دارالامرا کی عزت بھی عطا کرے۔ چند ایسے مسودے پارلیمنٹ میں پیش ہوئے تھے کہ تاج حین حیات امارت اور دارالامرا کی نشست عطا کر سکے اور ایسے لوگوں کو عطا کرے جو اس کے اہل ہوں۔ منجملہ ان کے سب سے پہلا مسودہ وہ تھا جو ۱۸۶۹ء میں پیش ہوا تھا لیکن ان میں سے کوئی بھی قانون نہیں بنا۔ مگر دارالامرا کے چند ارکین جو واقع میں حین حیات امیر ہیں ایسے ہیں ۱۸۷۶ء کے "قانون اختیار مرافعہ" کی رو سے وجود میں آئے ہیں۔ اس قانون سے تاج کو یہ اختیار ہوا کہ وہ چار یا متعاقب اضافے کے لحاظ سے چھ "امرائے مرافعہ معمولی" مقرر کر سکتا ہے اور یہ امرائے عادل کی حیثیت میں کام کریں گے اور تنخواہ پائیں گے۔ لیکن ان چیزوں کے باوجود یہ لوگ دارالامرا کے کامل رکن ہیں اور اگر وہ چاہیں تو اس کے مقننانہ کام میں بھی حصہ لے سکتے ہیں اور اگر وہ اپنا عدلیانہ کام چھوڑ بھی دیں تو وہ حین حیات رکن رہ سکتے ہیں۔ تجویز کی دوسری قسم یہ تھی کہ امرا کی تمام جماعت اپنے میں سے چند

اراکین کا انتخاب کرے، جو دار العوام میں ان کی نیابت کرے۔ دوسرے الفاظ میں جو نیابتی اصول امرائے اسکاچستان اور آئرستان کے لئے، اس سے پہلے استعمال کیا جاچکا ہے وہ تمام امرا پر پھیلا دیا جائے۔ اس تجویز کو دوسری اور اصلاحات کے محاذی لارڈ روزبری نے ۱۸۸۸ء میں آگے بڑھایا تھا۔ اور ۱۹۰۸ء میں دار الامرا کی ایک کمیٹی نے اس کو پیش کیا اور ۱۹۱۱ء میں لارڈ لینسڈاون نے ایک مسودے کی صورت میں اس کو پیش کیا لیکن پاس نہیں ہوا۔ اصلاح کی دوسری اور اہم قسم یہ تھی کہ ایوان بالائی کے چند اراکین بیرونی جماعتوں سے منتخب کئے جائیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس اصلاح پر سب سے پہلے روزبری نے ۱۸۸۸ء میں بحث کی تھی۔ لینسڈاون کے مسودے کا مطلب یہ تھا کہ دار العوام کے اراکین بڑے حلقوں سے جہاں انہیں نشستیں حاصل ہوں دار الامرا کے لئے اراکین منتخب کریں۔

۱۹۱۷ء میں وزیر اعظم نے ایک کانفرنس مقرر کی کہ وہ ایوان بالائی کی اصلاح کے مسئلے اس طرح تحقیق کرے اور رپورٹ پیش کرے کہ اسس میں اصلاح شدہ کے اختیارات اور دار العوام کے ساتھ اس کے تعلقات بھی شامل ہوں۔ کانفرنس نے تمام مسئلے پر غائر نظر ڈالی اور غور و خوص کے نتائج ایک خط کی شکل میں جس کو صدر کانفرنس لارڈ برائس نے لکھا تھا ۱۹۱۸ء اپریل کے مہینے میں وزیر اعظم کے پاس بھیجے گئے[1]۔ کانفرنس اس بات پر رضامند ہوئی کہ ایوان کے حسب ذیل کام ہونے چاہئیں۔ ۱۔ دار العوام کے پاس کئے ہوئے مسودے کی جانچ پڑتال اور نظر ثانی خصوصاً اس وجہ سے کہ دار العوام پچھلے تیس یا اسس کے لگ بھگ زمانے میں کثرت کار میں دبا رہا اور ان قواعد کے تابع رہا جن کی رو سے بحث مباحثہ ایک حد سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ ۲۔ ایسے مسودات پیش کرنا جو نسبتہً مختلف فیہ نوعیت کے نہ ہوں اور اگر ان پر کافی بحث ہو جائے اور سمجھی بوجھی شکل میں پیش ہوں تو دار العوام میں آسانی سے پاس ہو جائے۔ ۳۔ کسی مسودے کے قانون بنانے میں زیادہ تعویق نہیں بلکہ اتنی تعویق پیدا کرنا جس قدر قوم کو اپنی مناسب رائے ظاہر کرنے کا

[1] ہوورڈ لی میک بین اور لنڈسے روجرس۔ "یورپ کے جدید دساتیر" ص ۵۷۳

موقع ملے اور خصوصاً ایسے مسودوں میں جن کی دستوری نوعیت ہو اور قانون سازی کے جدید اصول جاری کرنا ہے۔ اس زمانے میں جبکہ دار العوام اس قدر مصروف ہو جائے کہ اس کو کافی بحث کرنے کا موقع نہ ملے تو تدبیر مملکت کے ذیلی مسائل پر کافی اور خاطر خواہ بحث کرے۔ کانفرنس کو اس بات پر بھی اتفاق تھا کہ ایوان بالائی کو خصوصاً مالیات اور وزارتوں کی تشکیل اور برخاست میں دار العوام کا ہم رتبہ نہ ہونا چاہئے تاکہ سیاسی ارا کا ایک خاص مجموعہ ہمیشہ کے لئے غالب نہ ہو جائے۔ بلکہ اس کا مقصد یہ ہو کہ ملک کی مجموعی رائے منکشف کرے اور اپنے مباحثے کے ذریعے رائے عامہ کو باخبر کرے اور اس پر اثر ڈالنے کی کوشش کرے۔ نیز جہاں تک ہو سکے تاریخی دار الامرا کے ساتھ اس کا رشتہ قائم رہے۔

لیکن یہ سوال کہ ایوان بالائی کی ترکیب کیا ہونی چاہئے اس کا حل کرنا کانفرنس کے لئے سب سے زیادہ مشکل تھا۔ ایک طرف اس نے اس پر اتفاق کیا کہ ایوان بالائی کو موجودہ دار الامرا سے کوئی نہ کوئی ادارتی رابطہ ضرور ہونا چاہئے۔ دوسری طرف ان کی متفقہ رائے یہ تھی کہ اس کے پیچھے اقتدار عامہ ہو۔ اس کی رکنیت تمام برطانوی رعایا کے لئے کھلی رہے اور یہ رائے عامہ سے متاثر ہو۔ طویل بحث مباحثے کے بعد کانفرنس کی کثرت تعداد نے یہ سفارش کی کہ مجوزہ ایوان بالائی کا ایک حصہ ۲۵۰ اراکین پر مشتمل ہو اور ان کو اراکین دار العوام جغرافی رقبوں میں تقسیم کر کے منتخب کریں ایوان بالائی کی نشستوں کی تعداد ان رقبوں میں ان کی آبادی کے تناسب سے تقسیم ہونی چاہئے مثلاً دار العوام کے ۶۲ اراکین جو احاطۂ لنڈن کی طرف سے جس کی آبادی پینتالیس لاکھ ہے ایوان میں آتے ہیں وہ اسی احاطے کی طرف سے ایوان بالائی کے لئے ۲۷ اراکین منتخب کریں۔ دار العوام کے ۵۷ اراکین جو احاطۂ یارک شیر کی طرف سے ہیں اور جس کی آبادی ۴ لاکھ ہے وہ اس احاطے کے لئے ۲۴ اراکین منتخب کریں۔ نیز یہ تجویز کی گئی کہ ایک دوسرا شعبہ ایسا ہونا چاہئے جو ۸۰ اراکین پر مشتمل ہو اور ان کو دونوں ایوانوں کی متحدہ قائمہ کمیٹی جس کو ہر پارلیمنٹ کے شروع میں مقرر کیا جائے منتخب کرے۔ اور یہ تمام اراکین پہلے پہلے میں صاحبان امارت موروثی اور اساقفۂ کلیسائے سرکاری سے نامزد کئے جائیں لیکن ان منتخب امرا اور اساقفہ کی تعداد بالآخر تیس تک گھٹا دی جائے۔ یہ تجویز ہوئی کہ دونوں شعبوں کے

اراکین بارہ سال تک نشست کریں اور ہر چوتھے سال ہر شعبے کا ایک تہائی حصہ برخاست ہوجائے اور اگر ایوان بالائی پرانے دار الامرا کی طرح عدالتی فرائض انجام دیا کرے تو اس صورت میں کانفرنس کی تجویز یہ تھی کہ جب تک یہ فرائض انجام دے لارڈ چانسلر اور وظیفہ یاب چانسلر اور معمولی امرائے مرافعہ بربنائے عہدہ اس کے رکن رہیں اور یہ اس وقت تک دار الامرا میں نشست کریں جب تک وہ عادل کی حیثیت میں کام کریں۔

کانفرنس اس طرف مائل نہ تھی کہ ایوان بالائی کو زرقمی مسودوں کی ترمیم یا تنسیخ کا اختیار دیا جائے۔ یا دار العوام کے پاس کئے ہوئے دوسرے مسودوں کو روکنے کا مستقل اختیار دیا جائے آخر الذکر کا لحاظ کرتے دونوں ایوانوں کے اختلافات کی یکسوئی کے لئے ایک بہت ہی وسیع طریقۂ کار تجویز کیا گیا جس کی رو سے ایوان بالائی کو التوا کا ایک محدود اختیار حاصل ہوتا۔

یہ سفارشیں جو اس طرح تجویز کی گئیں ان پر کبھی عمل نہیں ہوا۔ ۱۹۱۸ء سے ایوان بالائی کی اصلاح کے لئے چند تجویزیں کی گئی ہیں لیکن کسی حکومت نے اس مسئلے کو پوری توجہ کے ساتھ ہاتھ میں نہیں لیا۔ اگر آیندہ اس کا وقت آئے اور جب کبھی آئے تو غالبًا برئیس کانفرنس کی تجاویز پر خاطر خواہ توجہ کی جائے گی۔

Bibliographical Note.—J. A. Fairlie, *British War Administration*, 1919. C. Jones, *The War Cabinet Secretariat*. The Empire Review, xxxviii, 1407. H. J. Laski, *The Problem of a Second Chamber*, 1925. H. B. Lees-Smith, *Second Chambers, in Theory and Practice*, 1923. J. A. R. Marriott, *Second Chambers*, New ed., 1927. H. L. Morris, *Parliamentary Franchise Reform in England from 1885 to 1918*, 1921. E. M. Sait and D. P. Barrows, *British Politics in Transition*, 1925. R. L. Schuyler: *The British War Cabinet*, Polit. Sc. Quart., xxxiii, 378, 1918, *The British Cabinet; 1916-1919*, Polit. Sc. Quart., xxxv, 77, 1920. The War Cabinet, *Report for the Year 1917*, 1918; *Report for the Year 1918*, 1919.

باب ۲۱

آزاد ریاست آئرستان

آزاد مملکت آئرستان کی تاسیس جو ۱۹۲۲ء میں عمل میں آئی وہ مابعد جنگ واقعات میں سے سلطنت متحدہ کی تاریخ دستوری کا ایک بہت ہی اہم واقعہ ہے۔ اس سے آئرستان کے بہت بڑے حصے کو وہ رتبہ حاصل ہو گیا جو برطانیہ کے خود مختار قلمرووں کو حاصل ہے اور نیز اس سے برطانیہ عظمیٰ اور آئرستان کا دیرینہ اتحاد بھی ٹوٹ گیا جو ۱۸۰۱ء میں قائم ہوا تھا۔

آئرستانی قوم کی ایک بڑی کثرت اتحاد کے ضابطوں سے راضی نہیں ہوئی تھی اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ انقلابی اور آئینی دونوں طرح سے سیاسی بےچینی ظاہر ہوتی رہی۔ آخر الذکر بےچینی کی ایک مثال آئرستانی قومی فریق کی تشکیل ہے جو ساتویں عشرے کے اوائل میں ہوئی۔ اس نے ایک حکومت خود اختیاری کا پرچار کیا کہ ڈبلن میں ایک آئرستانی پارلیمنٹ ہو جو برطانوی پارلیمنٹ کے تابع ہو ۔ ۱۸۸۶ء اور ۱۸۹۳ء میں گلاڈسٹن نے مسودات سوراج پیش کئے۔ لیکن لبرل فریق میں پھوٹ پڑنے کی وجہ سے اول الذکر تو دار العوام میں ہی پاس نہیں ہوا اور آخر الذکر دار العوام میں

پاس تو ہو گیا لیکن دار الامرا سے مسترد ہو گیا۔ آخر کار ۱۹۱۴ء کی فضا میں جبکہ لبرل وزارت برسر حکومت تھی اور اس کو اپنی تقویت کے لئے آئرستانی قوم پرستوں پر انحصار کرنا پڑتا تھا ایک قانون حکومت آئرستان یا قانون سوراج اس طرح پاس ہوا کہ دار الامرا کی نامنظوری کے باوجود یہ قانون پارلیمنٹ کے منشا کے مطابق قانون بن گیا اس سے ایک آئرستانی پارلیمنٹ اور ایک ذمہ دار وزارت کی قرارداد تو ہوئی لیکن بہت سے امور برطانوی تحکم کے لئے مخصوص کردئے گئے اور آئرستان کی نیابت ویسٹ منسٹر کی پارلیمنٹ میں حسب حال جاری رہی۔ اگرچہ اس انتظام کو قوم پرست فریق نے منظور کر لیا تھا لیکن آئرستانی قوم کی خواہشوں کی اس سے تشفی نہیں ہوئی اور اس کا کبھی نفاذ نہیں ہوا۔ چونکہ اس کے قانون بننے سے پہلے سلطنت متحدہ جنگ عظیم میں شریک ہو چکی تھی اس لئے ایک متعاقب قانون پارلیمنٹ کے ذریعے دوران جنگ کے لئے اس کا نفاذ ملتوی کر دیا گیا۔

سوراج کی بابت جتنی بھی تجاویز ہوئی تھیں ان کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ السٹر کے پروٹسٹنٹ آئرستانی پارلیمنٹ کے تابع ہونا نہیں چاہتے تھے کیونکہ اس میں بالآخر کیتھولکوں کی کثرت ہوتی۔ ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۴ء تک جبکہ قانون حکومت آئرستان زیر غور تھا السٹر اس بات کی تیاری کر رہا تھا کہ اگر مجوزہ آئرستانی پارلیمنٹ قائم ہو اور جب کبھی قائم ہو تو اس کے اقتدار کو توڑا جائے۔ اور ان کو ان انگریزوں کی تائید حاصل تھی جو سوراج کے مخالف تھے ۱۹۱۴ء میں آئرستان میں ایک خانہ جنگی ضرور پھوٹ پڑتی۔ کیونکہ شمال کے پروٹسٹنٹ اور جنوب کے کیتھولک دونوں مسلح تھے۔ اول الذکر مسودہ سوراج کی مزاحمت اور آخر الذکر اس کی تائید کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جنگ عظیم کے پھوٹ پڑنے سے ان میں ایک عارضی صلح ہو گئی۔

۱۹۲۰ء میں جبکہ جنگ ختم ہو چکی تھی پارلیمنٹ نے ایک دوسرا قانون حکومت آئرستان پاس کیا جو اصول تقسیم پر مبنی تھا۔ اس میں دو جداگانہ آئرستانی پارلیمنٹ اور جداگانہ نظم ونسق کا انتظام تھا۔ ایک السٹر کے ایک بڑے رقبے کے لئے، جو اس وقت سے شمالی آئرستان کے نام سے موسوم ہوا اور دوسرا بقیہ تمام آئرستان کے لئے

جس کو قانون میں جنوبی آئرستان کہا گیا ہے اگرچہ شمالی آئرستان میں تمام سرزمین آئرستان کا ۱/۶ حصہ شامل ہے لیکن اس میں جزیرے کی جملہ آبادی کا ۱/۴ حصہ ہے اور دستکار آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ پایا جاتا ہے یہ قرار داد تھی کہ تمام آئرستان کے لئے ایک کونسل ہوگی جس کے اراکین دونوں پارلیمنٹوں کی طرف سے مقرر ہوں گے اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ شمالی اور جنوبی آئرستان کے درمیان خوشگوار تعلقات بڑھائے کیونکہ اس بات پر غور کیا گیا کہ بالآخر تمام آئرستان کے لئے ایک پارلیمنٹ ہونی چاہئے شمالی آئرستان نے اس انتظام کو منظور کر لیا گو اس میں زیادہ جوش خروش کا اظہار نہیں تھا کیونکہ رہنمایان السٹر نے یہ سمجھ لیا تھا کہ ان کے خطے کو کل آئرستانی پارلیمنٹ کے اقتدار کے تحت لانے کی جو آئندہ کوششیں ہوں گی ان کو قبل از وقت روکنے کا موثر ذریعہ صرف یہ ہے کہ ایک اپنی پارلیمنٹ بنا لیں۔ چنانچہ جو نظام حکومت قانون ۱۹۲۰ء کی رو سے مقرر ہوا تھا وہ ۱۹۲۱ء میں شمالی آئرستان میں نافذ ہو گیا۔

سین فین۔ جنوبی آئرستان کے حالات کچھ ایسے تھے کہ ان میں ۱۹۲۰ء کے قانون کا نفاذ ممکن نہیں تھا۔ ایک انجمن جو سین فین کے نام سے موسوم ہے اور جس کے معنی "ہم ہی ہم" ہیں بیسویں صدی کے ابتدائی سنین میں قائم ہوئی اور ملک کی بہت بڑی سیاسی طاقت ہو گئی اس نے خود مختار جمہوریہ آئرستان کی تاسیس کا پرچار کیا۔ دسمبر ۱۹۱۸ء کے عام انتخاب میں سین فین امیدوار تمام حلقوں کی طرف سے نامزد کئے گئے اور ان سے وعدہ لیا گیا کہ اگر وہ منتخب ہوں تو پارلیمنٹ ویسٹ منسٹر میں شرکت نہ کریں بلکہ ایک قومی آئرستانی پارلیمنٹ بنائیں۔ اس انتخاب میں سین فین کو بہت بڑی فتح ہو گئی اور یہ پرانی قوم پرست یا سوراجی فریق کی معراج کمال تھی۔ جو سین فین امیدوار منتخب ہوئے تھے وہ ۱۹۱۹ء جنوری کے مہینے میں ڈبلن میں جمع ہوئے اور ان شرکا کو ملا کر "ڈیل ایرن" بنائی جس کے معنی ہیں مجلس آئرستان اس جماعت نے ایک اعلان خود مختاری کیا اور ایک دستور بنایا جس کی رو سے عاملانہ اختیار ایک کابینہ میں رکھا گیا جو ایک صدر جمہوریہ اور چار وزرا پر مشتمل تھی۔ صدر کو ڈیل منتخب کرے اور وزرا کو صدر نامزد کرے اور ڈیل اس کی توثیق کرے۔ اس جدید مملکت کا سرکاری نام "سوراسٹاٹ ایرن" یعنی آزاد مملکت آئرستان ہے۔

ایمون ڈی ویلیرا جو سین فین کا ممتاز رہنما ہے صدر جمہوریہ منتخب کیا گیا۔ ۱۹۲۰ء کے قانون حکومت آئرستان کے بموجب جنوبی آئرستان کی پارلیمنٹ کے لئے ۱۹۲۱ء میں ایک انتخاب ہونا ضروری تھا۔ اگرچہ ڈیل نے اس "قانون" کو ناجائز قرار دیا تھا لیکن یہ فیصلہ کیا کہ انتخاب ضرور ہو اور یہ آئندہ ڈیل کا انتخاب سمجھا جائے۔ سوائے چار کے باقی تمام حلقوں سے سین فین امیدوار بلا اختلاف منتخب ہوئے۔ اس طریقے سے دوسری ڈیل وجود میں آ گئی۔

اس اثنا میں آئرستان انقلابی تشدد اور دہشت انگیزی کے تھپیڑوں سے گونج رہا تھا سین فین کے حربی علمبرداروں کے نقطۂ نظر سے صرف جمہوریۂ آئرستان جس کو مجلس آئرستان نے قائم کیا تھا جائز حکومت تھی اور جو لوگ اس کے مخالف تھے وہ آئرستان کے غدار تھے۔ غیر ملکی "غاصب" حکومت کے حکام اور جوانان کوتوالی کے خلاف قتل وغارت کا ایک منظم معرکہ شروع کیا گیا ان کے لئے قتل میں بہت کم خطرہ تھا کیونکہ سین فین اس قدر دہشت انگیز تھے کہ کوئی شخص مداخلت کرنے یا گواہی دینے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ باضابطہ عدالتوں کی چارہ جوئی سے بچنے کے لئے، سین فین عدالتہائے ثالثی قائم کر لی گئیں اور یہ آگے چل کر ایک جامع نظام عدلیہ کی صورت میں ترقی پا گئیں۔ ان کی ایک جمہوری فوج ایک جمہوری کوتوالی بھی تھی۔ ایک قومی قرضہ حاصل کرنے کا انتظام کیا گیا اور جمہوریہ کی تائید کے لئے ریاستہائے متحدۂ امریکہ اور دوسرے غیر ممالک میں اشتہار بازی کا انتظام کیا گیا۔ اس دہشت کے جواب میں جائداد کی ضبطی اور مخالفانہ دہشت شروع ہو گئی۔ چونکہ شاہی کوتوالی کا جو آئرستان میں متعین تھی بری طرح وقار غائب ہو چکا تھا اس لئے اس کی جدید تنظیم کی گئی اور اس میں پرانے برطانوی اور آئرستانی وظیفہ یاب بھرتی کئے گئے جو "سیاہ و سیاہ" کے برے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ حکومت نے یہ تدبیر اختیار کرنا ضروری سمجھا کہ بعض احاطوں کو جوانان کوتوالی اور سپاہیوں کے قتل کا مجموعی طور پر ذمہ دار قرار دیا جائے۔ اس طرح ملک کو اس مصیبت سے بہت نقصان پہنچا جس کو ہلاکت کی خطرناک "مسابقت" کہا جاتا ہے۔

انگلستان اور آئرستان کا باہمی عہد نامہ۔ ماہ جون ۱۹۲۱ء میں

وزیر اعظم لائڈ جارج نے مسٹر ڈی ویلیرا کو اس کانفرنس میں شرکت کے لئے بلایا جو لندن میں اس غرض کے لئے، منعقد کی جارہی تھی کہ اس معاملے کی یکسوئی ہو جائے۔ ڈی ویلیرا کو "جنوبی آئرستان کا مقبول عام رہنما ہونے" کی حیثیت میں بلایا گیا نہ کہ صدر جمہوریۂ آئرستان کی حیثیت میں کیونکہ ظاہر ہے کہ برطانیۂ عظمیٰ نے صدر کی حیثیت تو تسلیم ہی نہیں کی تھی۔ لائڈ جارج اور ڈی ویلیرا میں کافی مراسلت ہونے کے بعد اکٹوبر میں یہ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں برطانوی اور آئرستانی نمائندے شریک ہوئے۔ اس کانفرنس میں برطانوی حکومت نے آئرستان کے سامنے خود اختیاری قلمرو کا موقف پیش کیا۔ یہ موقف چند قیود کے تابع تھا جن سے برطانوی بحریہ اور فوج کی کفالت مطلوب تھی۔ آئرستانی رہنما نے اس انتظام کے قبول کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ یہ اس کے خیال میں اس کے ملک کی سیاسی حیثیت جو مقتدر اور خود مختار جمہوریت تھی مطابق نہیں تھا۔ حالانکہ وہ خود آئرستان اور دولت عامۂ برطانیہ کے درمیان ایک معاہدۂ اتحاد کی تجویز پیش کرنا چاہتا تھا۔ اس کانفرنس میں جان ڈی ویلیرا بذات خود شریک نہیں ہوا تھا برطانوی اور آئرستانی نمائندوں کی طرف سے ایسے مخالف خیالات پیش ہوئے کہ ان میں مفاہمت ناممکن سی معلوم ہوتی تھی۔ صرف اس دھمکی سے کہ اگر فوری اتفاق نہ ہو جائے تو پھر بڑے پیمانے پر مخالفت شروع ہو جائے گی آئرستانی مندوب عہد نامہ پر یا جس کو سرکاری طور پر "برطانیۂ عظمیٰ اور آئرستان کے باہمی معاہدے کے شرائط" کہا جاتا ہے دستخط کرنے کے لئے مجبوراً راضی ہو گئے۔ اب توثیق کے لئے اس کو برطانوی پارلیمنٹ کے سامنے اور ان اراکین کے سامنے پیش کرنا ضروری تھا جو پارلیمنٹ جنوبی آئرستان کے دار العوام میں نشست کرنے کے لئے، منتخب ہوئے تھے۔ آخر الذکر ایسی جماعت تھی جس کی کبھی تنظیم نہیں ہوئی تھی اور اس نے کوئی کام نہیں کیا تھا۔ اس میں دوسری ڈیل کے تمام اراکین تھے ان کے علاوہ اور دوسرے لوگ بھی تھے۔

اس عہد نامے کا تصفیہ یہ تھا کہ آئرستان کو جو آزاد ریاست آئرستان کہلائے گا برطانوی قلمرو کا درجہ حاصل ہوگا۔ اس کے تعلقات برطانوی پارلیمنٹ

اور حکومت سے وہی رہیں گے جو قلمرو کنیڈا کے ہیں۔ نیز قانون۔ رواج اور دستوری عملدرآمد جو تاج اور پارلیمنٹ برطانیہ اور کنیڈا کے تعلقات کو مربوط کرتے ہیں وہی "آزاد ریاست آئرستان" کے تعلقات کو مربوط کریں گے۔ یہ یاد رہے کہ آزاد ریاست آئرستان میں تمام آئرستان شامل کیا گیا تھا مگر عہدنامہ سے یہ قرارداد کی تھی کہ اگر پارلیمنٹ برطانیہ کی توثیق سے ایک مہینے کے اندر شمالی آئرستان کی پارلیمنٹ علیحدگی کی درخواست کرے تو آزاد ریاست آئرستان کی پارلیمنٹ اور حکومت کے اختیارات شمالی آئرستان پر حاوی نہیں ہو سکتے اور اس میں ۱۹۲۰ء کے قانون حکومت آئرستان کا انتظام جاری رہے گا۔ درخواست ضرور ہوئی اور شمالی آئرستان آزاد مملکت کے حدود اختیار کے باہر رہا۔ آزاد ریاست آئرستان اور شمالی آئرستان کی پارلیمنٹیں ایسا قانون نہیں بنا سکتیں جس سے کوئی مذہب جائز قرار دے یا کسی مذہب کی آزادانہ پیروی ممنوع قرار دے۔ آزاد ریاست آئرستان اس بات کی پابند ہے کہ مدافعت ملک کی غرض سے برطانوی فوجوں کو بندرگاہ دے اور دوسری سہولتیں بہم پہنچائے۔ جدید دستور کے مطابق جو نظام حکومت تجویز ہوا تھا اس کے قائم ہونے تک ایک ایسی عارضی حکومت کی ضرورت تھی جو جنوبی آئرستان کے نظم ونسق کا انتظام کرے۔ اس کا ضروری بندوبست کیا گیا۔

آئرستان میں ماہ جنوری ۱۹۲۲ء کو ڈیل نے یہ عہدنامہ اس شکل سے منظور کیا کہ ۶۴ موافق اور ۵۷ مخالف رائیں تھیں۔ مسٹر ڈی ویلیرا نے فریق مخالف کی رہنمائی کی تھی۔ اس کے بعد یہ قرارداد ان اراکین کے جلسہ منعقدہ ۱۴ جنوری میں پیش ہوئی جو جنوبی آئرستان کے دارالعوام کے لئے منتخب ہوئے تھے اور منظور ہوئی۔ برطانوی پارلیمنٹ نے اس عہدنامے کو منظور کرلیا اور "قانون آزاد ریاست آئرستان" یعنے معاہدۂ مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۲۲ء کے ذریعے اس کو قانونی شکل دیدی۔ اور اس سے یہ انتظام ہوا کہ آیندہ برطانوی دارالعوام کا کوئی رکن جنوبی آئرستان میں منتخب نہیں ہوگا۔ یہ ایک معمہ سا معلوم ہوتا ہے کہ اس برطانوی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے اکثر اراکین جنھوں نے یہ عہدنامہ منظور کیا تھا۔ اتحادی تھے

اور یہ وہ فریق تھا جس نے پوری ایک پشت تک ان تمام کوششوں کی مزاحمت کی تھی جو آئرستان کے لئے حصول سواراج کی خاطر کی جاتی تھیں اور وہ سواراج اس "قلمروی درجے" سے بہت کم تھا جو عہدنامہ کے ذریعے اس کو دیا گیا۔ لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا چاہئے کہ اس انتظام کے برخلاف جو اس عہدنامے کی رو سے طے ہوا تھا سواراج کی جتنی سابقہ تجویزیں ہوئی تھیں ان سب کا منشا یہ تھا کہ ایک پروٹسٹنٹ قلت پر جو دل سے نہیں چاہتی تھی۔ کیتھولکی حکومت قائم کرے۔ اس عہدنامے کے مطابق ان اراکین کے جلسے میں جو جنوبی آئرستان والی پارلیمنٹ کی طرف سے دارالعوام کے لئے منتخب ہوئے تھے ایک عارضی حکومت قائم کردی گئی۔

دستور - ان تجاویز کی بنیاد پر جو کمیٹی نے بیرونی دساتیر خاص طور پر یورپ کی ان جدید مملکتوں کے دساتیر جو جنگ عظیم کی پیداوار تھی مطالعہ کرکے پیش کی تھیں عارضی حکومت نے ایک مسودہ دستور تیار کرلیا۔ برطانوی حکومت سے صلاح ومشورہ کرنے کے بعد اس کے بعض ابواب میں ترمیم کی گئی ماہ جون ۱۹۲۲ء کو ایک جدید ڈیل جو شمار میں تیسری تھی اس غرض سے منتخب کی گئی کہ دستور ساز مجلس کے طور پر کام کرے۔ چونکہ عہدنامہ کے مؤیدوں اور مخالفوں میں خانہ جنگی ہورہی تھی اس لئے ستمبر تک اس کا اجلاس نہیں ہوسکا۔ ۲۵ اکٹوبر کو اس نے "قانون دستور ریاست آزاد آئرستان" پاس کردیا جس کے ساتھ عہدنامہ اور دستور منسلک تھے۔ اس قانون تشریعی کے مقدمے میں ڈیل نے جو دستور ساز مجلس کے طور پر کام کررہی تھی اس بات کا اقرار کرتے ہوئے کہ "تمام جائز اقتدار خدا سے بندوں کو ملتا ہے" ریاست آزاد آئرستان کی تاسیس کا اعلان کیا۔ اس نے دستور اور عہدنامے کو قانون کی شکل دے دی اور یہ حکم لگایا کہ اس دستور کا جو ضابطہ یا اس کے تحت جو قانون بنے وہ عہدنامے کے کسی ضابطے کے منافی ہو تو منسوخ اور بے اثر سمجھا جائے گا اس طرح عہدنامے کو ملک کا قانون اعلیٰ بنایا گیا۔ اس کے بعد دسمبر میں برطانوی پارلیمنٹ نے ایک قانون وضع کیا کہ جو دستور قانون تشریعی آئرستان کے ساتھ منسلک ہے وہ "آزاد ریاست آئرستان" کا دستور سمجھا جائے گا۔ اب جو آئرستانی نقطۂ خیال تھا اس کے متعلق بہت کچھ کہا جاسکتا ہے اور وہ ہمیشہ یہ تھا کہ

دستور محض "قانون تشریحی" کی بدولت قانونی اثر اختیار کر چکا ہے۔ اس میں قانونی جواز پیدا کرنے کے لئے کسی برطانوی قانون کے ذریعے توثیق کی ضرورت نہیں ہے۔ قانون تشریحی برطانوی قانون کے ساتھ منسلک کر دیا گیا اور اس میں ایسا کوئی اشارہ نہیں تھا کہ آئرستان کی مجلس دستور ساز نے اس قانون کے پاس کرنے میں اپنے اختیار سے تجاوز کیا ہے۔ آئرستان کے اس قانون تشریحی کو سمندر پار قلمروؤں کے کسی دستور سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قلمروؤں کے دستور میں جو قانونی شان پائی جاتی ہے وہ سب کچھ برطانوی پارلیمنٹ کے پاس کئے ہوئے قانون کی ممنون ہے۔ آزاد ریاست آئرستان کا دستور عہد نامہ کے دستخط کے ٹھیک ایک سال کے بعد ۶ دسمبر ۱۹۲۲ء کو شاہی اعلان کی اشاعت سے نافذ ہوا۔

دستور میں ایک مقننہ (اورشتاس (Oireachtas) کا انتظام ہے جو مشتمل ہے پادشاہ، دارالوکلا (ڈیل ایرین) اور ایک سنات (سینادایرین) پر ایسی مقننہ کو اس بات کا "مطلق اور مجرد اختیار" دیا گیا ہے کہ وہ آزاد ریاست آئرستان کے لئے "امن و امان اور خوشگوار حکومت" کے لئے قوانین بنائے۔ اس کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ آزاد مملکت کے معاملات میں برطانوی پارلیمنٹ کو مداخلت کرنے کا کوئی موقع نہ ملے تاہم برطانوی پارلیمنٹ نے اپنے وضع کئے ہوئے اس قانون میں جو دستور کی توثیق کرتا ہے نہایت وضاحت کے ساتھ اس حق کا ادعا کیا ہے کہ وہ "ریاست آزاد کے لئے" ہر اس صورت میں قانون بنا سکے گی جبکہ دستوری عملدرآمد کے مطابق اس کو دوسری خود اختیار قلمروؤں کے لئے قانون وضع کرنا پڑے" لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ پارلیمنٹ کو حق مداخلت ہوگا کیونکہ اس وقت یہ بات معہود ذہنی تھی کہ برطانوی پارلیمنٹ کسی قلمرو کے لئے صرف اس کی درخواست پر قانون وضع کر سکتی ہے اور یہ معہود ذہنی قانون ویسٹ منسٹر مجریہ ۱۹۳۱ء میں باضابطہ طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ اراکین ڈیل کے انتخاب کے لئے حق رائے دہی "ریاست آزاد آئرستان" کے تمام باشندوں کو بلا قید جنس دی گئی بشرطیکہ وہ عمر میں اکیس سالہ ہوں اور شرائط انتخاب کی تکمیل کرتے ہوں۔ اصل دستور میں اراکین سنات کے انتخاب کے لئے صرف ان شہریوں کو حق رائے دہی مل رہا تھا جو عمر میں تیس سالہ ہوں اور انتخاب صرف اس فہرست تک محدود تھا جو مقننہ کے

دونوں ایوان نامزد کرتے تھے۔ ۱۹۲۸ء میں دستور کی جو ترمیم عمل میں آئی اس کی رو سے اراکین سنات دونوں ایوانوں کی یکجا نشست میں نیابت متناسبہ کے اصول پر منتخب ہوتے ہیں۔

جہاں تک رقمی مسودوں کا تعلق ہے ڈیل کو پورا اختیار حاصل ہے گو سنات بھی "سفارشیں" کرسکتی ہے۔ دوسرے مسودوں میں سنات کو اس بات کا محدود اختیار ہے کہ ترمیم اور تعویق کرے۔ دونوں ایوانوں سے پاس ہونے کے بعد ہر مسودے کو گورنر جنرل کے پاس پیش ہونا چاہیئے۔ گورنر جنرل پادشاہ کی طرف سے کام کرتا ہے۔ اس کو یہ اختیار ہے کہ وہ مسودے کو منظور کرے، منظوری نہ دے یا پادشاہ کی رضامندی حاصل ہونے تک روک رکھے۔ لیکن یہ بات معہود ذہنی تھی کہ آخری دو اختیار محض برائے نام ہیں جو استعمال نہیں کئے جاسکتے ایک دفعہ یہ بڑھائی گئی کہ مسودوں پر منظوری نہ دینا یا ان کو روک رکھنا ایسا کام ہے کہ ان میں گورنر جنرل کو اس قانون۔ عملدرآمد اور رواج کے مطابق چلنا چاہئیے جو کینڈا میں رائج ہیں۔ کینڈا میں یہ اختیارات مدت سے متروک ہو چکے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں جو مسودے "ریاست آزاد" کی مقننہ پاس کردے وہ سب پادشاہ کے منظور شدہ ہوتے ہیں۔

جن لوگوں نے دستور بنایا ہے وہ اس بات کے قائل تھے کہ خوشگوار حکومت کے مدنظر چند سال کے وقفے سے دستوری ترمیم کی اجازت ہونی چاہئیے یہ پہلے معمولی قانون سازی کے ذریعے عمل میں آئے اور اس کے بعد تمام رائے دہندوں کی منظوری حاصل ہو۔ چنانچہ اس بات کا انتظام کیا گیا کہ نفاذ دستور کی تاریخ سے آٹھ سال تک (جو ۱۹۲۹ء کی دستوری ترمیم سے سولہ سال ہو گئے) مقننہ ترمیم پیش کرسکے گی۔ اس کے بعد وہ مقننہ سے پاس ہوں اور مراجعے سے منظور ہوں۔ اس میں خواہ رائے دہندگان مندرجہ رجسٹر کی کثرت یا محصلہ رایوں کا دو تہائی ہو۔ مملکت آزاد کے قیام کے بعد سے پہلے دس سال کے دوران میں کوئی اٹھارہ قوانین ایسے پاس ہوئے۔ جن سے دستور کی ترمیم ہوتی ہے۔

دستور کا ادعا یہ ہے کہ "تمام حکومتی اقتدار عوام سے "ماخوذ" ہے عاملہ اقتدار پادشاہ میں "مرکوز" ہے اور یہ ان قوانین۔ عملدرآمد اور دستوری رواج کے مطابق تاج کے نائب یعنے گورنر جنرل کے ذریعے عمل میں لایا جاسکے گا جو کینڈا میں عاملانہ اقتدار کے استعمال کی بابت رائج ہیں۔ دستور اور عہد نامہ دونوں میں اس کا انتظام کیا گیا ہے کہ

گورنر جنرل اسی طرح مقرر کیا جائے گا جیسے کنیڈا میں کیا جاتا ہے۔ زمانۂ حال تک یہ ہوتا تھا کہ پادشاہ حکومت برطانیہ کے صلاح مشورے سے قلمروؤں کے گورنر جنرل مقرر کرتا تھا گو اس بات کا اطمینان کر لیا جاتا تھا کہ جو شخص مقرر ہو اس کو متعلقہ قلمرو بھی پسند کرے۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں جو شہنشاہی کانفرنس منعقد ہوئی تو اس میں برطانوی اور قلمروی حکومتوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا اور اس فیصلے کا اندراج کر لیا گیا کہ جس مشورے سے پادشاہ یہ تقررات کرتا ہے اس میں متعلقہ قلمرو کا مشورہ ہونا چاہیے نہ کہ برطانوی حکومت کا۔ چنانچہ پادشاہ "ریاست آزاد آئرستان" کا گورنر جنرل مملکت آزاد کی حکومت کے مشورے سے مقرر کرتا ہے۔ وہ کسی معنوں میں برطانوی حکومت کا کارندہ نہیں ہے۔ نہ اس میں شخصی اختیار صوابدید مرکوز ہے۔ کیونکہ وہ ہر صورت میں اپنے وزرا کے مشوروں پر چلتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ مملک حکومت کے تمام مسائل پر بحث کر سکتا ہے اور جو شخصی اثرات اس میں پائے جائیں وہ استعمال کرتا ہے۔

دستور نے ایک کابینہ کی تشکیل کی ہے جو مجلس عاملہ کہلاتی ہے اس کے شرکا کی تعداد زیادہ سے زیادہ بارہ اور کم از کم پانچ رکھی گئی ہے۔ ان کو مجلس عاملہ کے مشورے اور ڈیل کی منظوری سے گورنر جنرل مقرر کرتا ہے۔ مجلس عاملہ کے تمام اراکین کو ڈیل کا رکن ہونا ضروری تھا لیکن ۱۹۲۹ء کی دستوری ترمیم کی رو سے سنات کا ایک رکن بھی اس میں شریک ہو سکتا ہے۔ کابینہ کی ذمہ داری کا قاعدہ جو برطانوی دستور میں قانون کا جز نہیں بلکہ رسم و رواج کا جز ہے مملکت آزاد آئرستان کے دستور میں نہایت صراحت کے ساتھ داخل کیا گیا ہے۔ یہ قاعدہ بنایا گیا ہے کہ مجلس عاملہ مجموعی طور پر ڈیل کے سامنے ذمہ دار رہے گی۔ اگر صدر مجلس کے ساتھ کثیر اراکین ڈیل کی تائید شامل نہ ہو تو وہ اور اس کے نامزدہ وزرا حکومت سے علحدہ ہو جائیں گے۔ مجلس عاملہ میں ایک اہم اختیار کی کمی ہے جو برطانوی کابینہ کو حاصل ہے۔ یعنی اگر ڈیل میں اس کا اعتماد جاتا رہے تو وہ مقننہ کو برخاست نہیں کر سکتی اور عام انتخاب میں ملک سے التجا نہیں کر سکتی۔ یہ ایسا اختیار ہے کہ جس سے برطانوی کابینہ دارالعوام کے مقابلے میں قوی دست بنی ہوئی ہے مجلس عاملہ کے صدر کو جس کی

حیثیت بالعموم وہی ہے جو وزیر اعظم برطانیہ کی ہے ڈیل کی نامزدگی کے بعد گورنر جنرل مقرر کرتا ہے۔ مگر چونکہ گورنر جنرل کو اس تقرر میں شخصی صوابدید حاصل نہیں ہے اس لئے سچ تو یہ ہے کہ ڈیل ہی صدر کا انتخاب کرتی ہے۔ دستور کا انتظام یہ ہے کہ ڈیل کی نامزدگی کے ساتھ گورنر ایسے وزرا کو مقرر کر سکتا ہے جو مجلس عاملہ کے رکن نہیں ہو سکتے اور یہ اپنے محکموں کی حد تک انفرادی طور پر ڈیل کے سامنے ذمہ دار ہوں گے نہ کہ مجموعی طور پر۔ ان لوگوں کا تقرر جو "بیرونی وزرا" کہلاتے ہیں جائز قرار دیا گیا ہے مگر یہ ہمیشہ ضروری نہیں ہے۔ معدودے چند ایسے لوگ ہیں جو واقع میں وزیر مقرر کئے گئے ۱۹۲۷ء کے بعد تو کوئی بھی مقرر نہیں ہوا۔

دستور میں نظام عدلیہ کا ڈھانچہ بنا دیا گیا ہے۔ یہ کام مقننہ کے ذمے کیا گیا ہے کہ وہ ابتدائی عدالتیں جن میں عدالت عالیہ بھی شامل ہے قائم کرے۔ ان کو دیوانی اور فوجداری ابتدائی حدود اختیار حاصل ہو۔ اور ایک آخری مرافعہ کی عدالت قائم کرے جو صدر عدالت کہلائے۔ ان عدالتوں کی تنظیم اور طریقۂ کارروائی اور ذیلی عدالتوں کا قیام سب مقننہ کے ہاتھ میں چھوڑ دیا گیا۔ عادلوں کا تقرر مجلس عاملہ کے مشورے سے گورنر جنرل کرتا ہے۔ عدالت عالیہ اور صدر عدالت کے عادل صرف بدرویگی اور نااہلی کی بنا پر معزول ہو سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ اور یہ بھی اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ مقننہ کے دونوں ایوان اس کے متعلق قرار دادیں منظور کریں۔ ریاستہائے متحدۂ امریکہ کی طرح عدلیہ دستور کی ضامن ہے اور قانون سازی کی بابت اس کو ایسا اختیار ہے جو برطانیۂ عظمیٰ کی عدالتوں کو حاصل نہیں ہے۔ اگر مقننہ کے وضع کئے ہوئے قانون کے دستوری جواز سے متعلق عدالت عالیہ میں باضابطہ کارروائی کے ساتھ سوال پیش ہو تو اس قانون کو اس بنا پر باطل قرار دیا جائے گا کہ وہ دستور کے منافی ہے۔ ایسے مقدمات میں عدالت عالیہ کو مجرد ابتدائی حدود اختیارات حاصل ہیں۔ صدر عدالت کو عدالت عالیہ کے فیصلے پر مرافعے کا حق ہے اور دستور کہتا ہے کہ اس کا فیصلہ "قطعی اور ناطق" ہوگا۔ لیکن ایک دفعہ جو بظاہر متضاد معلوم ہوتی ہے یہ بڑھا دی گئی ہے کہ اُس دستور کا کوئی جز کسی شخص کے اس حق کو زائل نہیں کرتا کہ وہ حضور اعلیٰحضرت کی خدمت میں اس استدعا کے لئے عرضداشت پیش کر سکتا ہے کہ وہ صدر عدالت کے فیصلے کو

پادشاہ بہ اجلاس کونسل پیش کر سکے۔ اور علیٰ ہٰذا عطائے اجازت کی بابت حضور اعلیٰحضرت کا حق زائل نہیں ہوگا" ایسے مقدمات جو مرافعہ کی شکل میں پادشاہ بہ اجلاس کونسل کے روبرو پیش ہوتے ہیں ان کا فیصلہ جو ادارہ کرتا ہے وہ پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی ہے اور اس عدالت کے فیصلوں کی تعمیل کونسل کے ان احکام سے کرائی جاتی ہے جو حکومت برطانیہ کے اقتدار کے ساتھ شایع ہوتے ہیں۔ آزاد مملکت آئرستان کی رائے عامہ اس بات کی سخت مخالف تھی کہ مرافعے اس بیرونی عدالت میں دائر ہوں کیونکہ یہ چیز حکومت خود اختیاری کے اصول کے بالکل منافی ہے۔ ۱۹۲۶ء کی شہنشاہی کانفرنس میں دولت عامۂ برطانیہ کے اراکین یعنے برطانیۂ عظمیٰ اور قلمرووں کے متعلق یہ اعلان ہوا کہ یہ ہم رتبہ ہیں اور اس طرح قلمرووں کی جانب سے برطانوی عدالت کے روبرو مرافعوں کا پیش ہونا مساوی رتبے کے متضاد ہو جاتا ہے۔ کانفرنس میں اس مسئلے پر غور کیا گیا اور اس بات کا باضابطہ اعلان ہوا کہ حکومت برطانیہ کا یہ مسلک نہیں ہے کہ مرافعے والے مسائل اس طرح طے کیے جائیں کہ "وہ اجزائے شہنشاہیت کے منشا کے مطابق نہ ہوں جس سے انکا پہلا تعلق ہے۔" جہاں تک آزاد مملکت آئرستان کا تعلق ہے پریوی کونسل کا مرافعہ حقیقت میں بے اثر ہو کر رہ گیا ہے۔ اور ۱۹۳۳ء میں ڈیل میں ترمیم دستور کی بابت ایک مسودہ یہ پیش کیا گیا کہ مندرجۂ بالا دفعہ خارج کردی جائے۔

شمال کو قطع نظر کر کے جہاں کے باشندے پروٹسٹنٹ ہیں آئرستان کے باشندے روایۃً بیرونی اقتدار کے سخت مخالف اور حکومت سے ہمیشہ بدظن رہے ہیں اور چونکہ برطانیہ کی مقتدر پارلیمنٹ کے تابع رہ کر ان کو تجربہ ہو چکا تھا اس لئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود اپنی پارلیمنٹ ایسی نہیں بنانا چاہتے تھے کہ اس کے اختیارات غیر محدود ہوں۔ چنانچہ آزاد ریاست آئرستان کے دستور کے نمایاں خدوخال جن کی سمندر پار قلمرووں کے دساتیر میں نظیر نہیں ملتی یہ ہیں کہ اس میں متعدد اساسی اعلانات شامل ہیں جن کا منشا قومی اور انفرادی حقوق کی حفاظت کرنا ہے۔

دستور کے سب سے پہلے جز میں یہ ادعا ہے کہ آزاد ریاست آئرستان برطانیۂ عظمیٰ کے ساتھ ہم رتبہ ہے۔ اعلان یہ ہے کہ "ریاست آزاد اس جماعت اقوام کا مساوی رکن

ہے جن پر برطانوی دولت عامہ اقوام مشتمل ہے"۔ اس کے معنی یہ ہے کہ برطانوی
دولت عامہ کے تمام اراکین یعنے برطانیۂ عظمیٰ ریاست آزاد آئرستان اور سمندر پار قلمرو
دستور میں ہم رتبہ ہیں اور اس اعلان کی جو ۱۹۲۶ء کی کانفرنس میں ہوا تھا
قبل از وقت پیشبندی کردی کہ اراکین دولت عامہ" برطانوی شہنشاہیت میں خود اختیار
قومیتیں ہیں جن کی حیثیت مساوی ہے۔ اپنے اندرونی اور بیرونی معاملات کے کسی
پہلو میں کوئی کسی کے تابع نہیں ہے"۔ آئرستانی انقلاب میں عمومی قوم پرستی تھی
اور یہ چیز اس اعلان سے منعکس ہوتی ہے کہ حکومت کے تمام اختیارات اور
آئرستان کا تمام سیاسی اقتدار آئرستانی قوم سے ماخوذ ہے۔ اس کی وضاحت
کردی گئی کہ ریاست آزاد کا کون باشندہ ہوسکے گا۔ آئرستانی زبان قومی زبان قرار دی گئی
اور اس کے ساتھ انگریزی بھی بطور "سرکاری" زبان کے رکھی گئی۔ دفعات کا ایک
سلسلہ ایسا ہے کہ جن سے شخصی حقوق کی حفاظت کی گئی ہے ان میں اس بات کا
اعلان ہے کہ اشخاص کی آزادی اور باشندوں کے مکان مسکونہ پر کوئی دست درازی
نہ ہوگی۔ ضمیر اور مذہب کا حق، آزادانہ اظہار رائے کا حق۔ باامن اجتماع، انجمنوں
اور اتحادی ادارات بنانے کا حق اور تمام باشندگان ریاست آزاد کا حق کہ ان کو
ابتدائی تعلیم مفت دیجائے گی محفوظ ہیں۔

جدید حکومت کا افتتاح۔ جدید دستور کے تحت حکومت کا اسوقت
افتتاح ہوا جبکہ حالات بالکل ناموافق تھے، کیونکہ اس وقت خانہ جنگی پورے زور پر
تھی۔ ۱۹۲۱ء کے عہدنامے سے سین فین کے جھتوں میں پھوٹ پڑ گئی تھی۔ یہ اوپر
بیان کیا گیا ہے کہ اس عہدنامے کو ڈیل نے ایک قلیل کثرت سے منظور کیا تھا اور جو
لوگ اس کے مخالف تھے وہ خود مختار جمہوریۂ آئرستان کے تصور سے چمٹے رہے ان
کے رہنما ڈی ویلیرا نے ڈیل کی صدارت سے استعفاء دیا اور آرتھر گریفتھ جس نے
وفد آئرستان کی صدارت کی اور عہدنامے پر دستخط کئے تھے اس کا جانشین ہوا اور
عارضی حکومت جو جنوری ۱۹۲۲ء میں عہدنامے کے شرائط کے مطابق قائم کی گئی تھی
اس کا صدر میکل کالنس بنایا گیا جو وفد آئرستان کا ایک اور رکن تھا۔ یہ خانہ جنگی
جو اگلے جون میں پھوٹ پڑی بہت خطرناک ثابت ہوئی کیونکہ اس میں

جمہوریت پسند شورہ پشت ہمیشہ کے لئے زیر ہو گئے لیکن ۱۹۲۳ء کے خزاں تک یہ نہیں ہوسکا۔ اس سنہ میں یہ ہوا کہ مملکت آزاد آئرستان کی حکومت تمام ملک میں امن قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ جمہوریت پسندوں کی خفیہ فوجی تنظیمیں تو اور کچھ دنوں تک باقی رہیں۔ ٹیموتھی ہیلیے کو جو پرانا سوراجی تھا آزاد ریاست آئرستان کا پہلا گورنر جنرل مقرر کیا گیا اور ولیم طامس کاسگریو مجلس عاملہ کا پہلا صدر مقرر ہوا اور یہ ۱۹۳۲ء تک کام کرتا رہا۔ گریفتھ اور کالنس جو عہد نامے کے بڑے حامی تھے دونوں جدید دستور کے نفاذ سے پہلے مر گئے۔

مسٹر کاسگریو کے عہد حکومت میں برطانوی قلمروؤں کی دستوری حیثیت میں اہم ترقیاں ہوگئیں۔ چونکہ ریاست آزاد آئرستان قلمرو کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے اس نے بھی ان ترقیوں سے فائدہ اٹھایا بلکہ اس نے اس سے زیادہ کام کیا۔ ان ترقیوں کو روبراہ کرنے میں اس نے نمایاں حصہ لیا۔ ۱۹۲۶ء کی شہنشاہی کانفرنس میں آئرستان اور جنوبی افریقہ کے نمایندوں نے آگے قدم رکھ کر اس اعلان کے لئے زور دیا کہ دولت عامۂ برطانیہ کے ارکان مساوی رتبہ رکھتے ہیں ریاست آزاد کو بین الاقوامی تعلقات کے دائرے میں جو ترقی حاصل ہوئی ہے وہ بہت کچھ قابل غور ہے۔ یہ پہلی برطانوی قلمرو ہے جس نے ممالک غیر سے سیاسی تعلقات پیدا کر لئے اور ۱۹۳۱ء میں اس نے ترتیب عہد نامہ کا ایک نیا طریقۂ کار اختیار کر لیا یعنے جو عہد نامے ریاست آزاد کی گفت و شنید سے طے ہونے لگے ان سے حکومت برطانیہ کی شرکت خارج کردی گئی۔

حلف اطاعت۔ ریاست آزاد آئرستان کی تاریخ میں کوئی مسئلہ اس قدر پیچیدہ اور معرکۃ الآرا ثابت نہیں ہوا جس قدر حلف اطاعت جو ارا کین مقننہ کو اٹھانا پڑتا ہے۔ عہد نامے میں اس حلف کی شکل جو ریاست آزاد آئرستان کے ارا کین پارلیمنٹ کو اختیار کرنی پڑتی ہے اس طرح معین کی گئی ہے "میں ...... پورے احترام کے ساتھ اس بات کی قسم کھاتا ہوں کہ ریاست آزاد آئرستان کے دستور کا جو ازروئے قانون قائم ہوا ہے حقیقی فرماں بردار اور پابند رہوں گا۔ اور میں حضور اعلیحضرت شاہ جارج پنجم اور ان کے قانونی ورثا اور جانشینوں کے ساتھ

اس وجہ سے وفادار رہوں گا کہ میں آئرستان اور برطانیۂ عظمیٰ کا مشترک شہری ہوں اور آئرستان اس مجموعۂ اقوام کے ساتھ وابستہ اور اس کا رکن ہے جس پر دولت عامۂ برطانیہ مشتمل ہے"۔

عہدنامے میں کوئی ایسا صریح ضابطہ نہیں ہے کہ مقننہ کا ہر رکن یہ حلف اٹھائے اور دستور ساز جماعت میں یہ استدلال کیا گیا کہ عہدنامے کا یہ منشا نہیں تھا۔ لیکن جو رائے اس کے مخالف تھی اور جس کی تائید میں کافی شہادتیں نکل آئیں غالب آ گئی اور اس طریقے سے ہر رکن مقننہ ازروئے دستور اس بات کا پابند ہے کہ اپنی جگہ لینے سے پہلے ایسی قسم کھائے جیسے عہدنامے میں معین ہے۔ اپنے تمام عہد حکومت کے دوران میں مسٹر کاسگریو اس بات پر اڑا رہا کہ عہدنامے کی رو سے حلف تمام اراکین مقننہ پر فرض ہے۔ یہ قسم اس حلف اطاعت شاہ سے بالکل مختلف ہے جو برطانوی اور قلمرو کی پارلیمنٹیں اٹھانے کے لئے مجبور ہیں۔ آئرستانی پارلیمنٹ کے اراکین کو ریاست آزاد کے دستور کی اطاعت کی قسم کھانی پڑتی ہے نہ کہ بادشاہ کی اطاعت کی اور دستور کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ آئرستان قوم کی مشیت پر مبنی ہے۔ پادشاہ کے ساتھ وفاداری ذیلی اور ضمنی ہو جاتی ہے۔

ریاست آزاد آئرستان کی تاسیس کے بعد کئی سال تک یہ ہوا کہ عہدنامے کے جمہوری مخالفین نے جو مقننہ میں منتخب ہوئے تھے قسم کھانے سے انکار کر دیا اور اس وجہ سے پارلیمنٹ میں شرکت نہیں کر سکے۔ ۱۹۲۷ء میں یہ قانون پاس ہوا کہ جو امیدواران پارلیمنٹ منتخب ہو جائیں وہ قسم کھانے کے متعلق اپنا ارادہ ظاہر کر دیں اور وہ منتخبہ اراکین جو ایک مقررہ میعاد کے اندر قسم کھانے سے احتراز کریں نااہل قرار دیے گئے۔ فیانافیل نے جو ڈی ویلیرا کا فریق تھا اور جس کی کثرت عہدنامے کے مخالف تھی اپنے امیدواروں کو اس قانون کے ساتھ رضامند ہونے کی اجازت دیدی۔ ۱۹۲۷ء ستمبر کے مہینے میں اس فریق نے ڈیل میں منجملہ ۱۵۳ کے کوئی ۵۷ نشستیں حاصل کریں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ضرورت وقت کا لحاظ کرتے ان کی یہ عارضی رعایت تھی اور یہ یقینی تھا کہ جب کبھی یہ برسر اقتدار ہوں گے اس حلف کو منسوخ کرنے کی ضرور کوشش کریں گے۔

۱۹۳۲ء فروری کے مہینے میں جو انتخاب ہوا تو جدید ڈیل میں فینا فیل کو ۷۴ نشستیں حاصل ہوگئیں اور یہ تعداد کثرت سے کچھ ہی کم تھی۔ لیکن لیبر فریق نے جن کی سات نشستیں تھیں یقین دلایا کہ وہ ان کی تائید کے لئے تیار ہیں تو مسٹر ڈی ویلیرا کو اپنی حکومت قائم کرنے کا موقع مل گیا۔ اس کی پہلی تجویز جو مسودے کی شکل میں پیش ہوئی یہ تھی کہ دستور میں ترمیم کر کے حلف کو منسوخ کیا جائے۔ اس کے لئے اس نے یہ دعویٰ کیا کہ حالیہ انتخاب میں ملک نے مجھ پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے حالانکہ اس کے مخالف اس سے انکار کرتے تھے اور بہت زور سے انکار کرتے تھے کیونکہ لیبر فریق نے تو اپنے معرکۂ انتخاب میں تنسیخ حلف کو اپنا مسئلہ نہیں بنایا تھا۔ مسودے کی تجویز یہ تھی کہ دستور سے وہ دفعہ منسوخ کی جائے جو تمام اراکین مقننہ پر قسم کھانا لازم قرار دیتی ہے اور ایک دوسری دفعہ کا وہ جز منسوخ کیا جائے جو بیرونی وزرا پر بھی ذمہ داری عائد کرتا ہے۔ لیکن اگر یہ حلف عہدنامے کے تحت لازم تھا تو ان دفعوں کو منسوخ کرنے سے کیا فائدہ ہوتا۔ ڈی ویلیرا اور اس کے فریق کے دوسرے اراکین نے اس حقیقت سے بار بار انکار کر دیا مگر ان کے خلاف رائے عامہ کا حجم بڑھا ہوا تھا۔ اس لئے اس مسودے میں یہ بھی تجویز تھی کہ ۱۹۲۲ء کے قانون تشریعی میں ترمیم کر کے وہ دفعہ حذف کی جائے جس سے عہدنامے میں قانونی شان پیدا ہوگئی تھی اور یہ قاعدہ بن گیا تھا کہ دستور کا کوئی ضابطہ یا اس کی کوئی ترمیم یا اس کے تحت جو قانون بنے اگر وہ عہدنامے کے ضابطوں کے منافی ہو تو باطل اور ناقابل عمل ہوں گے۔ اس مسودے کے مخالفوں نے یہ جتایا کہ اس کا اصل منشا حلف کو منسوخ کرنا نہیں ہے۔ بلکہ عہدنامے کو جو ملک کے قانون اعلیٰ کی حیثیت حاصل تھی اس کو گرانا تھا۔ اور خود ڈی ویلیرا نے اس بات کا اقرار کیا تھا کہ اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے۔ اس مسودے کے خلاف سب سے زیادہ سخت قانونی اعتراض وہ تھا جس کی طرف پروفیسر بریڈیل کیتھ نے جو برطانوی قلمرووں کی حکومت اور قانونی دستوری پر سب سے بڑی سند ہیں اپنی ایک کتاب میں جو اس مسودے کے قانون بننے کے بعد لکھی گئی توجہ دلائی تھی۔[1]

[1] برطانوی قلمرووں کا "قانون دستوری"۔

اہل آئرستان کی نظر میں ریاست آزاد کی پارلیمنٹ بالکلیہ مجلس دستور ساز کی جدوجہد کا نتیجہ ہے اس مجلس نے جو اہل آئرستان کی مشیت کی نمایندگی کرتی ہے پارلیمنٹ کے اختیار دستور سازی کو بالارادہ محدود کردیا ہے۔ لیکن اس کی تخلیق اس بات کا دعویٰ کرتی ہے کہ وہ ایک کامل اختیار مقتدر کی طرح ہر کام کرنے کی مجاز ہے اور اپنے عمل کے ضروری شرائط سے چشم پوشی کرنا چاہتی ہے۔ یہ بات بہت کچھ غور کرنے کے قابل ہے کہ یہاں شہنشاہی اقتدار کا کوئی مسئلہ زیر بحث نہیں آتا..... جو نکتہ زیر غور ہے وہ خود دستور آئرستان ہے...... یہ اعتراض کہ عہد نامے کو قانون ملک کا جز نہیں بنانا چاہیے بالکل بے موقع ہے۔ بات یہ ہے کہ مجلس دستور ساز نے اس عہد نامے کو قانون ملک کا ایک جز بنادیا ہے آئرستانی نظریے کے مطابق اسی مجلس سے آئرستانی پارلیمنٹ قائم ہوئی ہے اور اسی سے پارلیمنٹ کو اختیارات ملے ہیں جو محدود ہیں۔

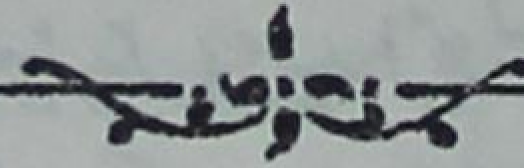
مئی ۱۹۳۲ء کے مہینے میں مسودہ ڈیل میں پاس ہوگیا اور سنات میں بھیج دیا گیا جہاں کاسگریو کے فریق کی کثرت تھی۔ سنات نے اس میں از سرتاپا ترمیم کردی اور یہ قرارداد منظور کی کہ وہ دفعہ جو قانون دستوری کی ترمیم کرتی ہے حذف کی جائے۔ لیکن ڈیل نے سنات کی ترمیموں سے اتفاق نہیں کیا۔ اور مسودہ اسی طرح مئی ۱۹۳۳ء میں قانون بن گیا جیسے ڈیل نے پاس کیا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس قانون سے اصل بنیاد جس پر ریاست آزاد آئرستان کھڑی کی گئی تھی منہدم ہوگئی تو حقیقت سے بعید نہ ہوگا۔

آئرستان کی جمہوریت۔ مسٹر ڈی ویلیرا کا کھلا مقصد یہ تھا کہ ایک خود مختار جمہوریۂ آئرستان قائم ہو۔ اس عام انتخاب سے جو ماہ جنوری ۱۹۳۳ء میں ہوا اس کی حیثیت اور مضبوط ہوگئی۔ کیونکہ دوسرے اور فریقوں کو ملاکر اس کے فریق کو ایک کی کثرت مل گئی۔ اگلی گرمیوں میں ترمیم دستور کے لئے ایسے مسودے پیش کئے گئے جن کا رجحان جمہوریت کی طرف تھا۔ منجملہ ان کے ایک مسودے کی تجویز یہ تھی کہ تطبیقات سے متعلق سفارش کرنے کا کام گورنر جنرل سے سلب کرکے مجلس عاملہ میں منتقل کرنا چاہیے۔ دوسرے مسودے کی تجویز یہ تھی کہ دستور کی

یہ دفعہ کہ مسودوں کے لئے بادشاہ کی منظوری ضروری ہے اور ان مسودوں
روک سکتا ہے منسوخ کی جائے۔ ایک دوسرے مسودے کی تجویز یہ تھی کہ پریوی
کے حق مرافعہ کو موقوف کیا جائے۔ دستور کی ان تبدیلیوں کا منشایہ تھا کہ
آزاد ریاست آئرستان میں بادشاہ کی حیثیت گھٹا دی جائے اور ریاست آزاد اور
برطانیہ عظمیٰ کے باہمی تعلقات کمزور کر دیے جائیں۔



BIBLIOGRAPHICAL NOTE.—D. Figgis, *The Irish Constitution*, 1923. D. Gwynn, *The Irish Free State, 1922-1927*, 1928. L. Kohn, *The Constitution of the Irish Free State*, 1932. J. G. S. MacNeill, *Studies in the Constitution of the Irish Free State*, 1925. W.A. Phillips, *The Revolution in Ireland, 1906-1923*, 1923, E R. Turner, *Ireland and England*, 1919.



باب ۲۲

جنگ کے بعد کا زمانہ

ان سنین میں جو جنگ عظیم کے بعد گزرے تاریخ دستور انگلستان میں بعض نمایاں واقعات ظہور پذیر ہوئے لیکن جو تغیر عمومیت کے زاویۂ نگاہ میں ہوا وہ ایسا اہم واقعہ ہے کہ اس کی کوئی برابری نہیں کر سکتا۔ عمومی پارلیمنٹی حکومت سے ایک قسم کی بد اعتقادی ہونے لگی تھی۔ خود جنگ سے پہلے برطانیۂ عظمیٰ اور دوسرے عمومی ممالک کے پارلیمنٹی چلن میں ایسی بہت سی چیزیں پیدا ہو گئی تھیں جن کو مبصرین قابل اعتراض سمجھتے تھے۔ دوسری اور نیابتی مجالس کی طرح جو قانون ساز تھی دار العوام کا وقار اور عام مقبولیت کو نقصان پہنچ چکا تھا گو یہ ظاہر نہیں مگر درحقیقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ دار العوام کے بہت کچھ اختیارات جو اس کو پہلے حاصل تھے ایک طرف کابینہ کو اور دوسری طرف ماورا پارلیمنٹی ادارات خصوصاً اخباروں کے ہاتھ میں جا رہے ہیں جو رائے عامہ کی تشکیل کرتے اور اس کے اظہار کا انتظام کرتے تھے نیابتی عمومیت کے مقابلے میں حکومت کی اور بہت سی رقیب شکلیں پیدا تو ہو گئیں لیکن عمومیت کے سیاسی نصب العین کو کوئی دھکا نہیں لگا۔ رجائی عمومیت پسندوں کو یقین تھا کہ

جو شخصی حکومتیں باقی رہ گئی ہیں مثلاً روسی وہ چند سال کی مہمان ہیں۔ وہ عمومی بن کر رہیں گی۔ عمومیت ہی ایک ایسی سیاسی تنظیم ہے جو مہذب قوموں کے مطابق حال ہوسکتی ہے چنانچہ تہذیب کی ترقی کے ساتھ یہ ادعا جو رجائیوں کا دوسرا اعتقاد تھا صحیح ثابت ہوا۔ جنگ کے زمانے میں عمومیت اپنی پارلیمنٹی شکل میں جس کی بہترین مثال برطانیہ عظمیٰ تھی بہت تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ جرمنی آسٹریا۔ چکوسلوویکیا۔ یوگوسلیویا۔ پولینڈ، فنلینڈ اور استھونیا کے جدید دساتیر میں جو ۱۹۱۹ء میں مرتب ہوئے عالمگیر حق رائے دہی اور ذمہ دار پارلیمنٹی حکومت کا کم وبیش برطانوی حکومت کے نمونے پر انتظام کیا گیا ہندوستان میں ایک نیا دستور ۱۹۲۱ء میں نافذ کیا گیا جو پارلیمنٹی حکومت کے راستے میں ایک عبوری منزل سمجھی جاتی ہے۔

آمریت بہ مقابلہ عمومیت لیکن اس میلان عمومیت میں ایک بدشگون استثنا ضرور تھا۔ دوران جنگ میں روس کی زاری شخصیت کا خاتمہ تو کر دیا گیا لیکن عمومیت پسند اور لبرل اس قابل نہیں تھے کہ رفتار انقلاب پر قابو پا سکیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک آمریت قائم ہوگئی۔ یہ برائے نام ارزلیہ کی آمریت تھی اور حقیقت میں اشتمالی فریق کی جو تعداد میں جملہ آبادی کا ایک قلیل حصہ تھا آمریت تھی۔ اٹلی کی فاسسطی آمریت ۱۹۲۲ء سے شروع ہوتی ہے اور دس سال کے بعد جرمنی کے قومی اشتراکیوں نے یعنے نازیون نے ۱۹۱۹ء کے لبرل اور عمومی دستور کو توڑ دیا۔ اس اثنا میں یورپ کے اور کئی چھوٹے ہوئے ممالک میں پارلیمنٹی عمومیت کی جگہ آمریت قائم کر لی گئی۔ یہ تو بعد کی چیز ہے کہ آیا آمریت اپنی بولشوی یا فاسسطی شکل میں اپنی جگہ ٹھیر گئی یا وہ اور آگے بڑھے گی یا وہ بالکل غائب ہو جائے گی تاکہ عمومیت کے لئے دنیا کا مطلع صاف ہو جائے۔ اس وقت تو یہ مشرقی وسطی اور جنوبی یورپ میں حاوی ہے اور براعظم یورپ کی ایک کثیر آبادی اس کی حلقہ بگوش ہے اور اس کے مقابلے میں عمومیت خطرے میں ہے۔

بعد جنگ زمانے کے پندرہ سال کے دوران میں یعنے ۱۹۱۹ء سے ۱۹۳۳ء تک برطانیہ عظمیٰ میں آٹھ حکومتیں چھ پارلیمنٹیں اور پانچ عام انتخاب ہوئے منجملہ ان کے

تین وزارتیں مرکب تھیں۔ دو قومی حکومتیں کہلاتی ہیں تین استحفاظی اور دو لیبر حکومتیں تھیں۔ مرکب وزارتیں مجموعی طور پر چھ سال اور دو مہینے برسر اقتدار رہیں۔ استحفاظی فریق پانچ سال دس مہینے اور لیبر فریق تین سال برسر حکومت تھے۔ جنگ کے بعد سے لبرل فریق کی یہ حیثیت نہیں ہوئی کہ وہ اپنی وزارت بناسکیں اور کسی انتخاب میں یہ دار العوام کی ایک ربع نشستوں سے زیادہ حاصل نہیں کرسکے۔

چار اشخاص وزیر اعظم کے رتبے پر فائز ہوئے۔ مسٹر لائڈ جارج (لبرل وزارت مرکب میں) صرف ایک مرتبہ تین سال اور دس مہینوں کے لئے[1] مسٹر بونرلا (استحفاظی) صرف ایک مرتبہ سات مہینے کے لئے مسٹر اسٹانلے بالڈون (استحفاظی) دو مرتبہ مجموعی طور پر پانچ سال تین مہینے کے لئے اور مسٹر رامزے میکڈانلڈ (لیبر اور قومی لیبر اور مرکب وزارتوں میں) چار مرتبہ پانچ سال چار مہینے کے لئے۔ انیسویں صدی میں وزارت عظمیٰ امرا اور عوام دونوں کے ہاتھ میں رہی تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کے بعد سے یہ مسلمہ روایت پڑتی جارہی ہے کہ وزیر اعظم کو دار العوام کا رکن ہونا چاہئے۔ لارڈ سالسبری جو ۱۹۰۲ء میں مستعفی ہوا آخری امیر تھا جو اس خدمت پر فائز تھا۔ ۱۹۱۱ء کے قانون پارلیمنٹ کے پاس ہونے کے بعد سے دار الامرا علانیہ دار العوام کے تابع ہوگیا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب کوئی وزیر اعظم دار الامرا میں نشست کرکے اپنی حیثیت قابل اطمینان نہیں سمجھتا۔ ماہ مئی ۱۹۲۳ء میں مسٹر بونرلا اپنی خرابی صحت کی وجہ سے وزارت عظمیٰ سے مجبوراً مستعفی ہوگئے قابلیت، سیاسی زندگی کا تجربہ اور فریقانہ خدمات کا لحاظ کرتے لارڈ کرزن اس کے جانشین ہونے کے زیادہ مستحق تھے لیکن بادشاہ نے مسٹر اسٹانلے بالڈون کو جو ان امور کا لحاظ کرتے کرزن کے کسی طرح ہمپلہ نہیں تھے مقرر کردیا۔ حتمی نقطۂ نظر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وزیر اعظم کو اس زمانے میں رکن دار الامرانہ ہونا چاہئے کیونکہ مزدور فریق کی جس نے دار العوام میں اپنی سرکاری حیثیت پیدا کرلی تھی ایوان بالائی میں نمایندگی نہ ہوتی تھی پارلیمنٹ کے

[1] مسٹر لائڈ جارج دسمبر ۱۹۱۶ء سے جنوری ۱۹۱۷ء تک پچھلی مرکب حکومت میں وزیر اعظم رہ چکا تھا۔

مستحفظ اراکین کے جلسے میں جو اس کے عین بعد ہی منعقد ہوا لارڈ کرزن نے یہ تحریک کی تھی کہ مسٹر بالڈون رہنمائے فریق ہوں تمام اوصاف گنا کر کرزن نے یہ بھی کہا تھا کہ "بالآخر مسٹر بالڈون کا سب سے بلند اور اہم وصف یہ ہے کہ وہ امیر نہیں ہیں"۔

مستحفظ فریق - فریق بندی کی تاریخ میں یہ زمانہ اس وجہ سے ممتاز ہے کہ اس میں مستحفظ فریق ہر طرح غالب ہو گیا اور مزدور فریق ترقی پا گیا اور اس کے بعد ہی لبرل فریق کو ایسا زوال آیا جو اس کے لئے خطرناک معلوم ہوتا تھا۔ جنگ کے بعد جو پہلی پارلیمنٹ آئی اور جو ماہ جنوری ۱۹۱۹ء سے اکتوبر ۱۹۲۲ء تک جاری رہی اس میں مستحفظ فریق جس کو اس زمانے میں متحدہ فریق کہتے تھے اور جو اس پارلیمنٹی اتحاد کا دست و بازو تھا لائڈ جارج کی وزارت کی تائید کرتا تھا۔ اور مستحفظ خود دار العوام کے کثیر اراکین تھے یہ لوگ پارلیمنٹی اتحاد سے ۱۹۲۲ء ماہ اکتوبر میں علٰحدہ ہو گئے اور اسی سال نومبر میں جو عام انتخاب ہوا تو اس میں ان کو دار العوام کی ۶۱۵ مجموعی نشستوں میں سے ۳۴۲ نشستیں حاصل ہو گئیں۔ ۱۹۱۸ء کے قانون اصلاح کی رو سے رائے دہندوں میں جو بڑا اضافہ ہوا تو اس کے بعد ہی دوسرا بڑا عام انتخاب ہوا تھا اور نتائج سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ حق رائے دہی کی توسیع مستحفظ فریق کے حق میں کچھ مضر نہیں تھی۔ ماہ دسمبر ۱۹۲۳ء کے عام انتخاب میں جو تامین کے مسئلے سے وابستہ تھا اس فریق کو لیبر فریق سے تقریباً پینسٹھ نشستیں زیادہ اور لبرل فریق سے تقریباً ایک سو نشستیں زیادہ ملیں

۱؎ انیسویں صدی کے آخری عشرے میں مستحفظ لبرل اتحادیوں کے ساتھ جو سوراج آئرستان کے مسئلے پر لبرل فریق سے علٰحدہ ہو گئے تھے شریک ہو گئے اور ان کے اتحاد سے ایک اتحادی فریق بن گیا اور یہ اس وجہ سے اتحادی کہلاتا تھا کہ یہ برطانیہ عظمٰی اور آئرستان کے اتحاد کے قائل تھے اور اس کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے ۱۹۲۲ء میں آئرستان کا ایک بڑا حصہ جو اب تاریخ سے ریاست آزاد آئرستان کہلانے لگا سلطنت متحدہ سے علٰحدہ ہو گیا اور اس کو برطانوی قلمروؤں کے نمونے پر شہنشاہیت کے اندر ایک قسم کی حکومت خود اختیاری دی گئی۔ اس وجہ سے لفظ اتحادی کے کوئی معنی باقی نہیں رہے اور اس کی جگہ "مستحفظ" کا پرانا نام جاری ہو گیا اس وقت اس فریق کا سرکاری نام "صدر گروہ اجتماعات مستحفظ و اتحادی" ہے۔

لیکن ان مجموعی نشستوں سے جو ان دونوں فریقوں کو حاصل ہوئی تھیں تقریباً نوے کم تھیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لیبر فریق لبرل فریق کی تائید سے وزارت بنانے کے قابل ہوگیا اور استحفاظیوں نے فریق مخالف کی جگہ لی۔ دوسرے انتخاب میں جو ماہ اکتوبر ۱۹۲۴ء میں ہوا ان کو دار العوام میں کوئی دو تہائی نشستیں مل گئیں۔ ماہ مئی ۱۹۲۹ء کے انتخاب میں جو ساڑھے چار سال کی استحفاظی حکومت کے بعد ہوا تھا اس فریق کو دار العوام میں کثرت حاصل نہیں ہوسکی اور یہ جنگ کے بعد پہلا واقعہ تھا اور لیبر فریق پھر برسر حکومت ہوگیا۔ ۱۹۲۴ء اور ۱۹۲۹ء کے درمیان رائے دہندوں کی اس طرح توسیع ہوگئی کہ اس میں پچاس لاکھ عورتوں کا اضافہ ہوگیا۔ ۱۹۱۸ء کے قانون اصلاح میں عورتوں کے خلاف جو تفریقیں قائم کی گئی تھیں ان کا ہمیشہ رہنا کسی طرح جائز نہیں تھا چنانچہ ۱۹۲۸ء میں ایک قانون پاس ہوا جس کی رو سے عورتوں کی عمر رائے دہی تیس سے گھٹا کر اکیس کردی گئی اور اس طرح اغراض انتخاب کے لئے عورتوں کو مردوں کے برابر کردیا گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حلقہہائے انتخاب میں عورتوں کو علانیہ غلبہ حاصل ہوگیا ماہ اکتوبر ۱۹۳۱ء کے آخری عام انتخاب میں جبکہ ایک سخت معاشی مصیبت سر پر تھی اور ایک مرکب وزارت جو اپنے کو "قومی حکومت" کہتی تھی برسر حکومت تھی استحفاظی فریق نے جو حکومت کے ساتھ تھا، ۴۷۰ نشستیں حاصل کریں اور یہ ایوان کی مجموعی تعداد سے تین چوتھائی نشستیں ہیں اور یہ برطانوی تاریخ پارلیمنٹ میں سب سے بڑی فریقیانہ کثرت ہے۔

لیبر فریق ۔جنگ کے بعد جو انتخابات ہوئے ان میں ۱۹۳۱ء والے انتخاب کو مستثنیٰ کر کے ہر وقت لیبر فریق نے لبرل کے مقابلے میں زیادہ نشستیں حاصل کیں۔ خود اس انتخاب میں جبکہ لیبر فریق کو سخت دھچکا لگا تھا اس نے ان دونوں فرقوں سے زیادہ نشستیں حاصل کریں جن میں لبرل فریق منقسم تھا۔ لیبر فریق تجارتی اتحادیت اور اشتراکیت کی پیداوار تھا اس کا بہت کچھ نصب العین فےبین سوسائٹی اور انڈی پنڈنٹ لیبر فریق سے ماخوذ تھا۔ اول الذکر طبقۂ متوسط کے سمجھدار لوگوں کی انجمن تھی جو اشتراکیت کی طرف مائل تھے اور ۱۸۸۲ء میں

قائم ہوئی تھی اور آخر الذکر مزدوروں کی سیاسی تنظیم تھی جو ۱۸۹۳ء میں صریح اشتراکی اصولوں پر قائم کی گئی تھی سنہ ۱۹۰۰ء میں ایک اور انجمن اتحاد تجارتی کے زیر اہتمام قائم کی گئی جو کمیٹی نیابت کہلاتی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ پارلیمنٹ کے لئے لیبر نمایندے منتخب کرے سنہ ۱۹۰۶ء میں اس فریق نے دار العوام کی کوئی انتیس نشستیں حاصل کر لیں اور "لیبر فریق" کے نام سے موسوم ہوا۔ اس کے اکثر اراکین اور اس کا روپیہ تجارتی اتحاد سے حاصل ہوتا تھا۔ اور اس کے رہنما انڈی پنڈنٹ لیبر فریق کے لوگ ہوتے تھے۔ جنگ سے پہلے پارلیمنٹ میں کبھی پچاس سے زیادہ لیبر اراکین نہیں ہوئے لیکن جب سنہ ۱۹۱۰ء میں لبرل حکومت کی پارلیمنٹی کثرت جاتی رہی اور اس کے بعد سے لبرل فریق کو اپنی تائید کے لئے دو چھوٹے فرقوں یعنے لیبر اور آئرستانی قوم پرستوں پر انحصار کرنا پڑا اس فریق کا اثر بڑھنے لگا۔ دونوں مرکب وزارتوں میں جو جنگ کے زمانے میں مرتب ہوئی تھیں اس فریق کی نمایندگی ہوتی رہی لیکن سنہ ۱۹۱۸ء میں اس نے اس فریقانہ سمجھوتے سے علحدگی اختیار کر لی جو جنگ کے اوائل میں طے ہوا تھا اور جو دار العوام دسمبر میں منتخب ہو کر آیا تو اس میں لیبر اراکین نے جو تعداد میں تقریباً ساٹھ تھے پارلیمنٹی فریق مخالف کی حیثیت اختیار کر لی۔

سنہ ۱۹۱۸ء سے پہلے لیبر فریق کی تنظیم ایسی نہ تھی جیسے قومی فریق ہوتا ہے۔ یعنے جو شخص شریک ہونا چاہے اس کے لئے دروازہ کھلا رہے۔ بلکہ جیسے اوپر ذکر ہوا یہ قومی اور مقامی دونوں طرح تجارتی اتحادات، تجارتی مجالس، اشتراکی انجمنوں اور چند مقامی لیبر فریقوں کا وفاق تھا۔ اور اکثر حلقہائے انتخاب ایسے تھے کہ ان اشخاص کے لئے جو تجارتی اتحاد کے رکن نہیں ہو سکتے تھے یا نہیں ہونا چاہتے تھے اور جو کسی اشتراکی انجمن کے ساتھ وابستہ نہیں ہونا چاہتے تھے لیبر فریق کے پرزور حامی ہونے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں اس فریق کو از سر نو منظم کیا گیا اور اس کے بعد وہ لوگ جو اتحاد تجارتی یا اشتراکی انجمن سے متعلق نہ تھے شریک ہو سکتے تھے۔ اسی سال حق رائے دہی میں توسیع بھی ہوگئی اور اس سے یہ فائدہ ہوا کہ بعد کو لیبر فریق کی رایوں میں معتد بہ اضافہ ہوگیا یعنے یہ رائیں سنہ ۱۹۲۲ء میں ....۴۲۴۰ سنہ ۱۹۲۳ء میں ....۴۴۴۴ سنہ ۱۹۲۴ء میں ....۵۴۹ اور سنہ ۱۹۲۹ء ....۸۳۸۵ تھیں۔ انھیں سنین میں

لیبر فریق نے دار العوام میں جو نشستیں حاصل کی تھیں وہ علی الترتیب یہ تھیں - ۱۴۲- ۱۹۱- ۱۵۱ اور ۲۸۸ - ۲۴۱ - اور ۱۹۲۹ء میں دو مرتبہ لیبر وزارتیں مرتب ہوئیں۔ خود ۱۹۳۱ء کے انتخاب میں جبکہ لیبر فریق موجود الوقت قومی حکومت کے علی الرغم جو ایک بہت بڑے معاشی تہلکے کا مقابلہ کرنے کے لئے بنائی گئی تھی انتہائی نامساعد حالات میں ہاتھ پیر مارنا پڑا لیبر رائیں ..... ۶۶۵ تھیں گو اس فریق نے صرف ۵۲ نشستیں حاصل کی تھیں - دونوں لیبر وزارتیں قلت والی حکومتیں تھیں یعنے برسر حکومت فریق کو دار العوام میں کثرت حاصل نہ تھی برخلاف اس کے جنگ کے بعد کی متحفظ حکومتیں سب کثرت والی حکومتیں تھیں۔

لیبر فریق کی ترقی کے ساتھ ساتھ بلکہ بہت کچھ اس کی ترقی کی وجہ سے لبرل فریق میں انحطاط ہوتا گیا - اس کو اس طرح نقصان پہنچا کہ اس کی دونوں جانب ترک رکنیت ہونے لگی۔ اس کے بعض متحفظ اراکین لیبر فریق کے اشتراکی اصولوں سے خائف ہو کر متحفظ فریق سے جا ملے۔ دوسری طرف اس کے بہت سے غالی اراکین لیبر فریق میں شامل ہو گئے۔ لبرل فریق کو اس کے رہنماؤں کی تفریقوں اور اندرونی اختلافات سے بھی بہت نقصان پہنچا۔ جب مسٹر لائڈ جارج نے ۱۹۱۶ء دسمبر کے مہینے میں اپنی وزارت بنائی تو مسٹر اسکوتھ اور اس کے پیرووں نے اس میں کام کرنے سے انکار کر دیا۔ اور یہ تفریق اس کی ۱۹۲۳ء تک قائم رہی اس سال کے انتخاب میں جبکہ لبرل پھر آپس میں متحد ہو گئے تھے۔ ان لوگوں نے ۱۵۹ نشستیں حاصل کر لیں۔ لیکن ۱۹۲۴ء کے انتخاب میں ان کی تعداد صرف ۴۰ ہو کر رہ گئی۔ لیکن یہ کہنا چاہئے کہ لبرل فریق نے جو نشستیں حاصل کی تھیں وہ ان رایوں سے جو انتخاب میں اس کو حاصل ہوئی تھیں لگا نہیں کھاتی تھیں چونکہ تین بڑے فریقوں میں لبرل فریق سب میں چھوٹا ہے اس کو موجود الوقت طریق نیابت سے بہت سخت نقصان پہنچا۔

طریق نیابت ۱۸۸۵ء کے قانون تقسیم جدید کے بعد سے پارلیمنٹی نیابت کی اکائی عام الفاظ میں ایک نشستی حلقہ ہو گئی ہے اور نیابت کی بنیاد پہلے کی طرح فرقے یعنے اضلاع اور بروہ نہیں جہاں خاص اجتماعی جذبات اور ان کی مقامی روایتیں موجود ہوتی ہیں۔ بلکہ عامۃ الناس کے مجمع جو محض اراکین پارلیمنٹ کے

انتخاب کی خاطر جغرافی حلقوں میں جمع اور منظم کئے جاتے ہیں۔ اس وقت دار العوام کی مجموعی تعداد میں سے جو ۶۱۵ ہے ۵۷۷ اراکین یک نشستی حلقہائے انتخاب سے منتخب ہوتے ہیں اور باقی ان حلقوں سے منتخب ہوتے ہیں جو دو اراکین بھیجتے ہیں۔ ان میں ایک مستثنیٰ ہے جو تین اراکین بھیجتا ہے۔ ایک نشستی حلقہ انتخاب میں جس پر ہم کو توجہ مبذول کرنی ہے وہ امیدوار منتخب ہوتا ہے جس کو زیادہ سے زیادہ رائیں ملیں خواہ ان کی کثرت ہو یا نہ ہو اگر دو امیدواروں میں مقابلہ ہو تو ظاہر ہے کہ ایک کو ضرور کثرت آرا حاصل ہوگی۔ لیکن جب میدان میں تین یا اس سے بھی زیادہ فریق ہوں جیسے جنگ کے بعد سے ہو رہا ہے تو قلتوں کے امیدوار منتخب ہونے ضروری ہیں۔ چنانچہ ۱۹۲۲ء کے انتخاب میں ایک مستحفظ امیدوار کو جو منتخب ہو گیا تھا ۷۶۶۶ رائیں ملی تھیں۔ برخلاف اس کے قومی لبرل کو ۷۶۵۹، لبرل ۷۱۲۹ اور لیبر کو ۶۱۲۲ رائیں ملی تھیں۔ اگر ملک میں دو فریقی دور دورہ ہو تو ایسی صورت میں جس فریق کو بہ حیثیت مجموعی ملک کے کثرت آرا حاصل ہو جائیں تو دار العوام میں اس کو اس سے بھی زیادہ کثیر نشستیں حاصل ہو سکتی ہیں۔ اگر یقینی نہیں تو اغلب یہ ہے کہ اس کو ہر حالت میں کثرت حاصل ہوگی لیکن جب تین یا اس سے بھی زیادہ فریق ہوں تو ان کی اضافی تعداد کا ایوان میں رائے دہندوں کی تعداد کے مقابلے میں غیر متناسب ہونا یقینی ہے۔ مثال کے لئے چند واقعی شکلیں مفید ثابت ہوں گی۔ ۱۹۲۲ء کے انتخاب میں مستحفظین نے تقریباً ۵۵۰۰۰۰۰ رائیں دیں جو مجموعی رایوں کا صرف ۳۸ فی صدی تھا۔ لیکن انھوں نے دار العوام میں ۳۴۴ نشستیں حاصل کر لیں جو مجموعی تعداد کا ۵۶ فی صدی ہے۔ لیبر فریق نے ۴۲۰۰۰۰۰ رایوں کے ساتھ صرف ۱۴۲ نشستیں حاصل کیں برخلاف اس کے لبرل ۲۵۰۰۰۰۰ رایوں کے ساتھ جو مستحفظ رایوں کا تقریباً نصف ہے اپنے صرف ۵۳ امیدواروں کو منتخب کر سکے ۱۹۲۳ء میں مستحفظین نے جبکہ ان کی رایوں کا فی صدی تناسب تقریباً وہی تھا جو ۱۹۲۲ء میں تھا، ۲۵۸ نشستیں حاصل کیں۔ ۱۹۲۴ء میں ۴۷ فی صدی رایوں کے ساتھ ان کو ۴۱۲ نشستیں ملی تھیں جو مجموعی تعداد کی

دو تہائی سے زیادہ ہیں ۱۹۲۹ء میں اُن کو لیبر سے زیادہ رائیں ملیں لیکن وہ ۲۸ نشستوں سے زیادہ حاصل نہیں کر سکے برخلاف اس کے لبرل نے مجموعی تعداد میں تقریباً ایک چوتھائی رائیں دی تھیں مگر انھوں نے ۱/۱۰ سے بھی کم نشستیں حاصل کیں۔ ۱۹۳۱ء میں مجموعی رایوں کے ۶۷ فی صدی کے ساتھ ان لوگوں نے تین چوتھائی نشستوں سے زیادہ حاصل کرلیں برخلاف اس کے لیبر نے مجموعی رایوں کے تیس فی صدی کے ساتھ ۹ فی صدی سے بھی کم نشستیں حاصل کیں۔

اس طرح یہ ظاہر ہے کہ عمومی نقطۂ نظر سے موجودہ طریق نیابت جائز نہیں قرار دیا جا سکتا۔ یہ بات علانیہ عمومی اصول کے منافی ہے کہ رائے دہندوں کی ایک قلت مقننہ کے کثیر اراکین کو منتخب کر سکے جیسے ۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۴ء میں واقعی ہوا۔ اور ایسی حکومت قائم کر سکے اور وہ حکومت ایسا پیش نامہ عمل میں لائے جو ملک کی کثیر آبادی کے خلاف طبیعت ہو۔ یا یہ کہ رائے دہندوں کی ایک چھوٹی سی کثرت ایک بہت بڑی کثرت کو منتخب کر سکے۔ جان اسٹوارٹ مل نے جو اصلاح طریق نیابت کے پہلے علمبرداروں میں سے ہے اپنی کتاب "ذمہ دار حکومت" میں جو ۱۸۶۱ء میں شایع ہوئی تھی لکھا تھا کہ "واقعی عمومیت وہ ہے جس میں ہر طبقے کی خواہ وہ کیسا ہی ہو متناسب نمائندگی ہونی چاہئے نہ کہ غیر متناسب۔ کثیر رائے دہندوں کے لئے کثیر نمایندے ہونے چاہئیں۔ برخلاف اس کے قلیل رائے دہندوں کے قلیل نمایندے ہونے چاہئیں۔ ان کی بھی اسی طرح کافی نمایندگی ہونی چاہئے جیسے کثرت کی ہوتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو مساوی حکومت بھی نہ ہوگی بلکہ وہ غیر مساوات اور امتیازات کی حکومت ہوگی۔ یعنے قوم کا ایک حصہ دوسروں پر حکومت کرے گا۔ اس میں قوم کا ایک حصہ ایسا ہوگا جس کو نیابت سے کماحقہ فائدہ اٹھانے کا موقع نہ ہوگا۔ اور یہ منصفانہ حکومت کے بالکل منافی ہے بلکہ سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ اس عمومیت کے منافی ہے جس کی جڑ اور بنیاد میں مساوات داخل ہے۔"

نیابت متناسبہ۔ کم و بیش پچھلے پچھتر سال میں طریق نیابت کی اصلاح کے لئے کئی تجویزیں پیش ہوتی رہیں۔ جس تجویز کا سب سے زیادہ پرچار

ہوا ہے وہ نیابت متناسبہ ہے جس کی کئی قسمیں ہیں۔ اور سب کا مقصد یہ ہے کہ قلتوں کی جائز نیابت حاصل ہو۔ انجمن انتخاب متناسبہ نے جو ۱۸۸۴ء میں قائم ہوئی تھی اس کی وسیع تشہیر کی۔ جس کانفرنس نے اصلاح انتخاب کا مسودہ تیار کیا اور جو ۱۹۱۸ء کی اصلاح میں شامل کیا گیا تھا یہ سفارش کی تھی کہ ان تمام حلقوں میں جو ایک سے زیادہ اراکین بھیجتے ہیں انتخاب نیابت متناسبہ کے طریقے پر ہو لیکن یہ سفارش سوائے حلقۂ جامعہ کے جو دو یا زیادہ اراکین بھیجتا ہے اختیار نہیں کی گئی۔ جنگ کے بعد سے جبکہ دو سے زیادہ بڑے فریق عالم وجود میں آ گئے طریقۂ انتخاب کی ناہمواری اور بے طوری بہت سختی سے محسوس ہونے لگی۔ لبرل نے انتخاب متناسبہ کا بہت زور سے پرچار کیا کیونکہ تین بڑے فریقوں میں یہ سب سے کم تھے اور پارلیمنٹ میں ان کی بہت کم نمایندگی ہوتی تھی۔ جب تک لیبر فریق کی نشو نما ہو رہی تھی وہ اس کی تائید کرتا تھا لیکن جب اس کی تعداد بڑھنے لگی تو اس سے دلچسپی ہٹا لی اور جس زمانے میں یہ فریق برسر حکومت تھا اس نے اس موجودہ طریق کے بدلنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

نیابت متناسبہ کی وہ شکل جس کی اب برطانیۂ عظمیٰ میں ایک بڑی جماعت تائید کرتی ہے واحد انتقال پذیر رائے دہی کا طریق کہلاتا ہے۔ اگر یہ طریق اختیار کر لیا جائے تو یک نشستی حلقے غائب ہو جائیں گے اور ان کی جگہ زائد نشستی حلقے ایسے قائم ہو جائیں گے جو دارالعوام میں تین یا اس سے بھی زیادہ اراکین بھیجیں۔ اس طریقۂ انتخاب کا ایک حامی کہتا ہے کہ "حلقے میں کتنے ہی اراکین کیوں نہ ہوں ہر انتخاب کنندہ صرف ایک رائے دے گا۔ لیکن وہ پرچۂ رائے دہی پر ۱-۲-۳-۴ وغیرہ کے نشانات لگا کر امیدواروں میں اپنی ترتیب ترجیح کو ظاہر کرنے کا مجاز ہوگا۔ اگر اس کے پہلے امیدوار کو رائے کی ضرورت نہ ہو یا وہ اس قدر گرا ہوا ہو کہ اس کو منتخب ہونے کا کوئی موقع نہ ہو تو وہ رائے اس کی دوسری پسندیدگی کے نام یا اگر ضرورت ہو تو تیسری پسندیدگی کی طرف منتقل ہو جائے گی اور علیٰ ہذا۔ کسی صورت میں اس کی رائے ضائع نہ ہوگی۔ اس سے کسی نہ کسی کو منتخب ہونے میں مدد ملے گی۔ یہ اس طریق کا تمام نچوڑ ہے اور یہ ایسا ذریعہ ہے جس سے اس بات کا

اطمینان ہو جاتا ہے کہ کوئی رائے رائگاں نہیں جاتی" اس وقت تمام دنیا میں نیابت متناسبہ نے بہت جلد ترقی کرلی۔ یورپ کے تمام دساتیر میں جو جنگ کی وجہ سے عالم وجود میں آئے اس کا انتظام کردیا گیا ہے اور برطانوی شہنشاہیت کے مختلف حصوں میں جن میں آزاد ریاست آئرستان جنوبی افریقہ اور تسمانیا شامل ہیں یہ طریق اختیار کرلیا گیا ہے۔

یہ پہلے دیکھ آئے ہیں کہ چھوٹی کابینۂ جنگ ۱۹۱۹ء میں توڑ دی گئی اور کابینہ کا اصل حجم بحال کردیا گیا جو قبل جنگ تھا اور اس میں پھر اہم محکموں کے صدر شامل کئے گئے۔ جس زمانے میں جنگ زوروں پر تھی تعمیر جدید یعنے معاشرتی، معاشی اور دستوری تنظیم جدید کے مسائل حکومت کے لئے بہت کچھ جاذب توجہ ہوگئے اور ان مسائل کو سلجھانے کے لئے ایک وزارت تنظیم جدید قائم کردی گئی۔ اس محکمے کی ایک کمیٹی نے جو کمیٹی آلات حکومت کہلاتی تھی ماہ دسمبر ۱۹۱۸ء میں ایک رپورٹ پیش کی جس میں حکومت کی کارکردگی بڑھانے کے لئے مختلف سفارشیں کی گئی تھیں۔ اس کمیٹی کی تحقیقات اس وقت ہوئی تھی جبکہ کابینۂ جنگ موجود تھی اور اس رپورٹ میں اس حقیقت کی شہادت موجود ہے۔ یہ کمیٹی کابینہ کو تمام آلات حکومت کا محور سمجھتی تھی اور اس طرح اس کی یہ رائے تھی کہ کابینہ اپنے مخصوص فرائض نہایت کارکردگی کے ساتھ اس وقت انجام دے سکتی ہے جبکہ اس کا حجم چھوٹا ہو یعنے دس یا زیادہ سے زیادہ بارہ ارکین پر مشتمل ہو اور جو بار بار نشست کرے اور اس کو وہ تمام معلومات خاطر خواہ بہم پہنچائے جائیں جو مقدمات کے فوری انفصال کے لئے ضروری ہوں اور کمیٹی نے اس معتمدی کابینہ کی جو ابھی حال میں قائم ہوئی تھی بزور تائید کی کہ وہ جاری رہنی چاہیے۔

جہاں تک حجم کا تعلق ہے کمیٹی کی سفارش اختیار نہیں کی گئی کیونکہ سوائے ایک کے باقی تمام بعد جنگ کابینہ میں تقریباً بیس ارکین شامل تھے۔ لیکن معتمدی ایک مستقل ادارے کے طور پر قائم رکھی گئی جو عام طور پر وہی فرائض انجام دیتی ہے جو کابینہ کے زمانہ جنگ میں انجام دیتی تھی۔ مگر اس پر غیر معمولی تنقید کی بوچھار ہونے لگی خصوصاً ۱۹۲۲ء میں جبکہ معتمدی کا عملہ ۱۳۰ تک بڑھ گیا اور اس کا

سالانہ خرچ ۳۷۰۰۰ ہزار پونڈ تھا۔ اس کے بعد یہ عملہ گھٹا کر ایک مناسب حد پر
لایا گیا۔ کابینہ کے اجلاس اس سے زیادہ ہونے لگے جو قاعدے کے مطابق جنگ سے
پہلے ہوتے تھے کابینہ کی کمیٹیوں کا بھی زیادہ استعمال کیا جاتا ہے جن میں بعض اوقات
وہ لوگ بھی شریک ہوتے ہیں جو کابینہ کے اراکین نہیں ہوتے۔

کابینہ کی رازداری پھر اس انتہائی شکل میں جاری نہیں کی گئی جیسے پہلے
ملحوظ رکھی جاتی تھی۔ اجلاس کابینہ کی روئدادیں برابر رکھی جاتی ہیں گو وہ شایع
نہیں کی جاتیں اور جو فیصلے ہوتے ہیں وہ تحریر میں متعلقہ محکموں کو بھیج دیے جاتے ہیں۔
قبل جنگ عملدرآمد سے ایک انحراف یہ ہوا ہے کہ اب کابینہ کے اجلاس کی اطلاعیں
اخبار میں چھاپی جاتی ہیں ان اطلاعوں میں مقام و تاریخ اجلاس اور ان لوگوں کے
نام جو شریک ہوئے ہیں ظاہر کیے جاتے ہیں لیکن اس کا اظہار نہیں ہوتا کہ اس میں
کیا کارروائی ہوئی اور کیا فیصلے ہوئے۔ کبھی کبھی اجلاس کابینہ کے "حالات" بھی شایع کیے گئے ہیں۔
اور اس میں شبہہ نہیں کہ اس میں وزیر اعظم کا اثر ہوتا ہے اور اسی کے علم اور منظوری
سے یہ شایع ہوئے ہیں۔ یہ سب غیر سرکاری تھے اور سب بیانات بالعموم ایسے
الفاظ سے کہ "یہ مسموع ہوا ہے" یا "یہ یقین کرنے کی کافی وجہ ہے" مقید کیے جاتے ہیں۔
پرانے نظام کابینہ کی ایک اور خصوصیت ایسی ہے جو جنگ کے بعد کئی سال تک
بحال نہیں کی گئی۔ یعنی وزیر اعظم نے رہنمائے دار العوام کی حیثیت میں اس وقت تک
کام نہیں کیا جب تک ۱۹۲۴ء میں مسٹر بالڈون نے اپنی دوسری وزارت مرتب نہیں کی۔
اس وقت تک کابینہ کا ایک دوسرا رکن یہ فرائض انجام دیتا تھا جیسے نظام
کابینہ جنگ کی صورت میں ہوتا تھا۔

عہد وکٹوریہ میں وزارتیں دو طرح سے ختم ہوتی تھیں۔ ایک اس طرح کہ
دار العوام وزارت پر عدم اعتماد کا اظہار کرتا تھا یا انتخاب میں وزارتی فریق
شکست کھا جاتا تھا۔ اول الذکر ایسا عام سبب تھا جس کی بنا پر دو قوانین اصلاح
۱۸۳۲ء۔ ۱۸۶۷ء کے درمیان وزارتیں مستعفی ہوئی ہیں۔ ۱۸۶۸ء والی وزارت
ڈزرائیلی پہلی وزارت ہے جو جدید پارلیمنٹ کے اجلاس کا انتظار کیے بغیر انتخاب
کے عین بعد ہی مستعفی ہو گئی گویا براہ راست رائے دہندوں کے فیصلے کے سامنے سر جھکا لیا۔

انیسویں صدی کے آخری حصے میں یہ معلوم ہونے لگا کہ دار العوام کا اقتدار عاملہ پر سے گھٹ رہا ہے۔ اور ذی علم لوگ جو انگریزی حکومت کا مطالعہ کرتے تھے یہ سوال کرنے لگے کہ آیا کابینہ حقیقی معنوں میں دار العوام کے سامنے ایسی ہی ذمہ دار ہے جیسے وسط عہد وکٹوریہ میں تھی سنہ ۱۸۹۵ء اور جنگ کے درمیان کوئی وزارت اس وجہ سے مستعفی نہیں ہوئی کہ دار العوام نے اس کے خلاف کوئی فیصلہ کیا تھا۔ اور خود سنہ ۱۸۹۵ء میں دار العوام میں جو مخالفانہ قرارداد منظور ہوئی تھی وہ کچھ واقعی سبب نہیں تھا جس کی بنا پر لارڈ روزبری نے استعفا دے دیا بلکہ وہ فرضی سبب[1] تھا۔

دار العوام کے مقابلے میں اختیار کابینہ کا بڑھنا یعنے جس کو کابینی آمریت کہتے ہیں اس کا ترقی پانا ایک امر مسلمہ ہے لیکن اس کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ پارلیمنٹی حق رائے دہی میں توسیع ہوگئی اور اس کی وجہ سے فریقانہ تنظیم خاطر خواہ ہوگئی تھی۔ سنہ ۱۸۶۷ء اور سنہ ۱۸۸۴ء میں رائے دہندوں کی تعداد میں جو اضافہ ہوا تو اس کی وجہ سے دو بڑے فریق یعنے لبرل اور متحفظ بہت منظم ہوگئے اور ان میں مرکزی اقتدار اور سخت ضبط و تنظیم پیدا ہوگئی اور اس سے کابینہ کا جو برسر حکومت فریق کے رہنماؤں پر مشتمل ہوتی تھی طاقتور ہونا ضروری تھا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ دار العوام کے خانگی اور غیر وزارتی جماعت ارکین کا اثر گھٹتا گیا۔ سب سے پہلی قومی فریقانہ تنظیم "قومی لبرل وفاق" ہے جو سنہ ۱۸۷۷ء میں قائم ہوئی اور متحفظین نے ان کے تتبع میں "اتحاد انجمنہائے متحفظ" قائم کیا۔ مرکزی فریقانہ تنظیمیں روپیہ جمع کرتی تھیں۔ اور یہ روپیہ تشہیر کے کام میں صرف ہوتا تھا اور حلقہہائے انتخاب کی مقامی فریقانہ انجمنوں کی مدد کی جاتی تھی تاکہ وہ معرکہ انتخاب کو کامیاب کریں۔ اب ہر سال فریقانہ کانفرنس یا کانگریس

---

[1] "وزارت" "نظم و نسق" اور "حکومت" کی اصطلاحیں انگلستان میں ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتی ہیں۔ یہ جماعت جو اس نام سے موسوم ہوتی ہے اس میں عاملہ محکموں کے صدر۔ پارلیمنٹی معتمدین اور قصر شاہی کے چند عہدہ دار شامل ہوتے ہیں پوری وزارت کبھی نشست نہیں کرتی۔ کابینہ وزارت کی ایک اندرونی جماعت ہے اور اس میں صرف وہی اراکین شریک ہوتے ہیں جن کو اجلاس کابینہ کے لئے وزیر اعظم طلب کرتا ہے۔ یہ بالعموم اہم محکموں کے صدر اور دو تین ایسے عہدہ دار ہوتے ہیں جن کے ذمے کوئی انتظامی کام نہیں ہوتا یا بہت تھوڑا ہوتا ہے کابینہ کے استعفا سے ہمیشہ پوری وزارت مستعفی ہو جاتی ہے۔

منعقد کرنے کا رواج پڑ گیا اور ان میں امریکی فریقانہ بیٹھکوں کی طرح قراردادیں
منظور کی جاتی تھیں اور فریق کے تمام امیدوار اس کے پابند سمجھے جاتے تھے۔
ان تمام ترمیموں کا میلان یہ تھا کہ پارلیمنٹ کے خانگی اراکین اپنی شخصی صوابدید کا استعمال
نہ کرسکیں بلکہ وہ فریقانہ و قیود کی صورت اختیار کریں تاکہ وہ پارلیمنٹ میں جاکر اپنے
رہنمایان فریق کی تائید کریں اور حکومت کے موافق یا مخالف رائے دیں۔ لیبر فریق
میں تو یہ ضبط و تنظیم پرانے دو فریقوں کے بہ نسبت کہیں زیادہ تھا۔

سہ فریقی نظام ۱۹۱۸ء کے قانون اصلاح سے ایک بہت بڑی آبادی
کو حق رائے دہی تو مل گیا اور یہ پچھلے تمام قوانین کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھا۔ لیکن
اس سے فریقانہ ضبط و تنظیم میں ایسی کمزوری نہیں پیدا ہو سکتی تھی جو دارالعوام کو کابینہ کے
مقابلے میں قوی دست بنا سکے۔ لیکن برخلاف اس کے سہ فریقی نظام سے جس کی
جنگ کے بعد سے ابتدا پڑ چکی تھی اس بات کے قرائن پیدا ہو چلے تھے کہ اب آئندہ
کوئی فریق تنہا دارالعوام میں آدھی نشستوں سے زیادہ حاصل نہیں کر سکے گا۔ اور جو وزارتیں
بنیں گی وہ قلتوں کی طرف سے مرتب ہوں گی اور ان وزارتوں کو پارلیمنٹی تائید کے لئے
اپنے فریق کے علاوہ دوسرے فریقوں پر انحصار کرنا پڑے گا۔ اور ظاہر ہے کہ ایک
منتظم فریق غالب کا مقابلہ کرتے ہوئے ایسی تائید کبھی قابل اعتماد نہیں ہو سکتی۔ اور اس کے
سلب ہونے کا ہر وقت احتمال ہے۔ کابینی آمریت کا تمام تر نشو و نما کثرت والی حکومتوں
کے زیر سایہ ہوتا تھا۔ قلت والی حکومت ایسے شخصی اختیارات استعمال نہیں کر سکتی
جیسے کثرت والی حکومت کرتی ہے۔ ایسے قوانین جو خود اس کا فریق چاہتا ہو نہیں
پاس کر سکتی۔ اپنی تجاویز پر جو ترمیمیں پیش ہوں ان پر اتکا نہیں کر سکتی اور
پارلیمنٹی تنقید کا بے رحمی سے گلا نہیں گھونٹ سکتی۔ دونوں لیبر حکومتیں جو ۱۹۲۴ء اور
۱۹۲۹-۱۹۳۱ء میں قائم ہوئیں قلتوں کی حکومتیں تھیں اور دارالعوام کا توازن لبرل فریق
کے ہاتھ میں تھا اور اس لئے یہ حکومتیں اس اشتراکی مسلک کو جس کی لیبر فریق پرچار
کرتا تھا عمل میں نہیں لا سکیں۔ یہ چیز اصول عمومیت کے عین مطابق تھی کیونکہ ان
حکومتوں کی تشکیل سے پہلے جو انتخاب ہوئے ان میں قوم نے اس بات کو واضح
کر دیا تھا کہ وہ اشتراکیت کی مخالف ہے اسی سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں

آجاتی ہے کہ آخر وہ لوگ جو بہر حال کام کی تکمیل چاہتے ہیں سہ فریقی نظام اور قلت والی حکومتوں پر کیوں ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ موجودہ طریق نیابت کے تحت جو اس وقت برطانیہ عظمیٰ میں جاری ہے یہ ممکن ہے کہ ایک فریق کی دارالعوام میں تو کثرت ہو اور ملک میں کثرت نہ ہو چنانچہ ۱۹۲۲-۲۳ء اور ۱۹۲۴-۲۹ء میں متحفظ فریق کا یہی حال تھا۔ مسٹر رامزے میکڈانلڈ نے جو سہ فریقی نظام اور قلت والی حکومتوں کا حامی ہے اس کے متعلق جو خیال ظاہر کیا ہے اس میں بڑی حقیقت پائی جاتی ہے کہ "ایک قلت والی وزارت کثرت والی حکومت حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے کیونکہ ایک قلت والی وزارت پارلیمنٹ میں ایسی تجویزیں نہیں ٹھونس سکتی جن کو ملک کی کثرت رد کردے۔"

اگر ان حالات پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے جن کے تحت جنگ کے بعد کی وزارتیں ٹوٹ گئیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ٹوٹنے کا کچھ باعث یہ نہیں تھا کہ دارالعوام نے خود اپنی ہدایت اور اپنی صوابدید سے کوئی مخالفانہ جنبش کی ماہ دسمبر ۱۹۱۸ء کے انتخاب کے بعد مسٹر لائڈ جارج نے اپنی دوسری مرکب وزارت مرتب کی تھی۔ جو ماہ جنوری ۱۹۱۹ء سے اکتوبر ۱۹۲۲ء تک برسر حکومت رہی۔ یہ اس وقت ختم ہوئی جبکہ متحفظین نے جن کا ترکیب وزارت میں بڑا عنصر تھا اس بات کا فیصلہ کرلیا کہ وہ اس سے علحدہ ہو جائیں گے اور دوسرے انتخاب میں ایک مستقل فریق کی حیثیت میں حصہ لیں گے۔ یہ فیصلہ پارلیمنٹ کے متحفظ ارکین کے ایک جلسے میں جو کارلٹن کلب لندن میں منعقد ہوا تھا کیا گیا۔ اس وقت پارلیمنٹ کا کوئی اجلاس نہیں تھا۔ مسٹر لائڈ جارج نے فوراً استعفا دے دیا۔ اس کے بعد جو استحفاظی وزارت قائم ہوئی اور جس کی پشت پر دارالعوام کی ایک بہت بڑی کثرت تھی وہ ماہ مئی ۱۹۲۳ء میں ختم ہوگئی اور اس وجہ سے ختم ہوئی کہ وزیر اعظم مسٹر لا نے اپنی علالت کی وجہ سے استعفا دے دیا۔ بالڈون وزارت نے جو اس کے بعد قائم ہوئی پارلیمنٹ برخاست کرنے کا فیصلہ کرلیا تاکہ ملک سے تائید حاصل کرنے کے لئے اجازت لے۔ حالانکہ پارلیمنٹ کو آئے ہوئے صرف ایک ہی سال ہوا تھا۔ انتخاب میں جو دسمبر ۱۹۲۳ء میں ہوا تائید ٹوٹ پھوٹ گئی۔ لیبر اور لبرل فریقوں نے جو آزاد تجارت کے بچاؤ کے لئے

کھڑے ہوئے تھے متحفظین سے ۹۲ نشستیں زیادہ حاصل کر لیں۔ چونکہ متحفظین نے دوسرے دونوں فریقوں سے فرداً فرداً زیادہ نشستیں حاصل کی تھیں اس لئے مسٹر بالڈون نے فوری استعفا نہیں دیا بلکہ جدید پارلیمنٹ کے اجلاس کا انتظار کیا۔ جدید پارلیمنٹ نے فوراً بالڈون کی حکومت پر عدم اعتماد کی قرارداد پاس کر دی۔ اصولاً بالڈون وزارت کی برطرفی جدید ایوان کی طرف سے ہوئی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود انتخاب نے اس فیصلے پر مہر لگا دی تھی۔ اور استعفا ایک امر منفصلہ تھا مسٹر میکڈانلڈ کی مختصر العہد لیبر وزارت (جنوری۔ نومبر سنہ ۱۹۲۴) اس وجہ سے قائم تھی کہ دار العوام میں لبرل فریق نے سکوت اختیار کر لیا تھا۔ اس کو کئی شکستیں ہوئیں اور آخر میں ایک قرارداد جس کی متحفظ اور لبرل دونوں تائید کرتے تھے ایسی ہوئی کہ اس کو کابینہ نے قرارداد ملامت سمجھا۔ لیکن استعفا دینے کی جگہ کابینہ نے پادشاہ کو مشورہ دیا کہ پارلیمنٹ برخاست کر دے اگرچہ یہ چیز معرض بحث میں تھی کہ آیا ایک قلت والی حکومت کو برخاست پارلیمنٹ کی درخواست کرنے کا حق ہے۔ ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۲۴ میں انتخاب ہوا اور اس میں متحفظین کو جدید دار العوام میں دو تہائی کثرت حاصل ہو گئی اور اس طرح لیبر وزارت خود بخود ختم ہو گئی۔ اس کثرت کے زور سے بالڈون کی دوسری وزارت ماہ نومبر سنہ ۱۹۲۴ سے جون سنہ ۱۹۲۹ تک برسر حکومت رہی۔ ماہ مئی سنہ ۱۹۲۹ میں جو انتخاب ہوا تو اس کی وجہ سے مستعفی ہو گئی اور اس کے بعد دوسری لیبر وزارت قائم ہو گئی جو اگست سنہ ۱۹۳۱ تک قائم رہی۔ اب ان غیر معمولی حالات پر روشنی ڈالی جائے گی جن کی وجہ سے یہ وزارت برخاست ہوئی تھی۔ لیکن یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ اس وقت نہ تو دار العوام کی نشست ہو رہی تھی نہ رفتار واقعات سے اس کو کوئی سروکار تھا[۱]۔

۱۔ جنگ سے پہلے دار العوام کا ایک رکن جو ایک وزارتی خدمت پر مامور کیا گیا تھا اور اس ماموری کی وجہ سے ایوان کی نشست سے علحدہ ہو گیا۔ چنانچہ اس کے بعد دوبارہ انتخاب کے بغیر وہ ایوان میں بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ اس لئے اگر فوری پارلیمنٹ برخاست نہ ہو اور عام انتخاب نہ ہو تو جدید وزارت کی تشکیل کے لئے کئی ضمنی انتخابات کی ضرورت تھی جن میں جدید وزرا جو دار العوام کے اراکین رہ چکے تھے دوبارہ انتخاب کے لئے

سنہ ۱۹۳۱ کا مالی تہلکہ - سنہ ۱۹۳۱ کی گرمیوں میں مسٹر میکڈانلڈ کی لیبر حکومت کو ایک بہت ہی سخت مالیاتی تہلکے کا سامنا کرنا پڑا جس کی وجہ سے ایک سیاسی تہلکہ سر پر کھڑا ہوگیا۔ جولائی کے مہینے میں انگلستان کے بنک نے حکومت کو خوف دلایا کہ سونا بنک سے باہر جارہا ہے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ لندن کے مالیاتی گھر اپنے بیرونی قرضخواہوں کے بھاری بھرکم مطالبات پورے کرنے کے لئے روپے کے بدلے بنک سے بڑی بڑی مقدار طلا لے رہے ہیں۔ اور محفوظ طلا کا یہ اتنا بڑا بھاؤ تھا کہ بنک بالآخر نیویارک اور پیارس سے بڑی رقمیں قرض لینے کے لئے مجبور ہوگیا یہ بھاؤ برابر جاری رہا اور ماہ اگست کے اوائل میں حکومت کو مطلع کردیا گیا کہ تاوقتیکہ باہر سے .... پونڈ قرض نہیں لئے جائیں گے ایک مالیاتی میعاد تعطل کا اعلان کرنا پڑے گا اور اس سے برطانوی اعتبار پر کاری ضرب لگے گی۔

اسی کے ساتھ میزانیۂ حکومت کی جو حالت تھی وہ بھی بہت سخت تشویشناک ہوگئی کیونکہ خرچ آمدنی سے کہیں بڑھا ہوا تھا۔ جولائی کے آخر میں التوائے پارلیمنٹ سے پہلے دارالعوام نے تمام فریقوں کی تائید سے ایک قرارداد پاس کی اور اس کے مطابق ایک کمیٹی مقرر کی کہ وہ جانچ پرتال کرکے مصارف حکومت کی بابت اپنی سفارشیں پیش کرے۔ کمیٹی نے سفارش کی کہ میزانیہ میں بہت کچھ تخفیف ہونی چاہئے جس کی مجموعی مقدار .... پونڈ بتائی گئی۔ اس کی سب سے بڑی مد اس خرچ کی تخفیف تھی جو کفالت بے روزگاری پر ہوتا تھا۔ اور جس کو عرف عام میں "امداد" کہتے تھے۔ کمیٹی نے یہ بھی سوچا کہ یہ تخفیفیں بھی اس قدر کافی نہیں ہیں کہ جن کی بدولت سنہ ۱۹۳۲ کا میزانیہ متوازن ہو جائے اس لئے مزید تخفیفیں یا جدید محاصل کی ضرورت ہوگی۔ ان سفارشوں پر غور کرنے کے لئے کابینہ کی ایک کمیٹی مقرر کی گئی جو وزیر اعظم وزیر مال (مسٹر اسنوڈن) اور تین اور اراکین کابینہ پر مشتمل تھی۔ مسٹر بالڈون اور

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ کھڑے ہوگئے۔ اس قانون کی رو سے جو سنہ ۱۹۱۹ میں وضع کیا گیا یہ طے ہوا کہ جو رکن ایوان وزارتی خدمت قبول کرے وہ جدید ایوان کی طلبی کے نو مہینے کے اندر بغیر دوبارہ انتخاب کے اپنی نشست پر قائم رہ سکتا ہے۔ اور سنہ ۱۹۲۶ کے قانون نے دوبارہ انتخاب کی سرے سے ضرورت اٹھادی خواہ وہ رکن کسی زمانے میں خدمت پر مامور کیا جائے۔

اور سر ہربرٹ سموئیل نے جو محتفظ اور لبرل فریق کے رہنما تھے یقین دلایا کہ وہ انتہائی تخفیف کے بیتنامہ میں حکومت کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں۔

جب حکومت نے انگلستان کی بنک کی معرفت، نیویارک سے ناگہانی قرض لینے کی کوشش کی تاکہ محفوظات طلا کو قائم رکھے تو حکومت سے یہ کہا گیا کہ وہ فوری تخفیف کا انتظام کرے جس میں مصارف کفالت بے روزگاری کی تخفیف بھی شامل ہے۔ کابینہ کی کمیٹی نے اپنی تجاویز ۱۹ اگست کو پوری کابینہ کے سامنے واضح کردیں۔ اس فوری انتظام کی حد تک کہ تخفیف اور مزید محاصل کے ذریعے میزانیہ کو متوازن کرنا ضروری ہے کوئی اختلاف نہیں تھا۔ لیکن کابینہ کی ایک بڑی کثرت نے مطالبات بے روزگاری کی تخفیف پر اعتراض کیا اور اس کو وزیر اعظم وزیر مال اور دو اور وزرا اس وجہ سے ضروری سمجھتے تھے کہ باہر سے ایک ناگہانی قرض حاصل کرنا تھا۔ ۲۱ اگست کو اتحاد تجارت کی کانگریس کی عام کونسل نے تخفیف "امداد" کی سخت مخالفت کی۔

سنہ ۱۹۳۱ کا تہلکہ کابینہ۔ یہ بدیہی بات تھی کہ اگر کابینہ کے تین چوتھائی یا اس سے زیادہ اراکین مستعفی ہوجائیں اور خصوصاً اس حالت میں جبکہ یہ بہت جلد معلوم ہوگیا تھا کہ پارلیمنٹ میں اس کے فریق کی کثرت غالب کابینہ کی کثرت کے ساتھ مل گئی ہے اور یہ میکڈانلڈ کی رہنمائی کو ٹھکرادیں گے تو مسٹر میکڈانلڈ لیبر وزارت کا صدر نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کے بعد دو چار روز میں ہی اس نے محتفظ اور لبرل رہنماؤں کے ساتھ گفت وشنید کی اور بادشاہ کے پاس کئی مرتبہ باریاب ہوا۔ اس وقت بادشاہ بھی جو اسکاچستان میں ایام تعطیل گزارنے گئے تھے فوراً لندن بھاگ آئے جس سے عوام پر اس سیاسی تہلکے کی نزاکت زیادہ واضح ہوگئی۔ پہلے بادشاہ نے وزیر اعظم سے کابینہ کی تمام صورت حال معلوم کرلی اور اس کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وزیر اعظم کو سمجھایا کہ فوری استعفانہ دیں اور فریق مخالف کے رہنماؤں سے بذات خود مشورہ کیا۔ گو مسٹر میکڈانلڈ کے ساتھی وزرا سے جو کابینہ میں تھے کوئی مشورہ نہیں کیا گیا۔ ۲۳ اگست کی شام کو کابینہ نے وزیر اعظم کو اس بات کا مجاز گردانا کہ وہ بادشاہ کے سامنے وزارت کا استعفا پیش کردے اور یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ مسٹر بالڈون کو جو محتفظ فریق کا رہنما ہے

ترتیب وزارت کے لئے بلایا جائے گا۔

۲۴ اگست کی صبح کو مسٹر میکڈانلڈ بادشاہ کی خدمت میں پھر باریاب ہوا۔ یہ قطعیت کے ساتھ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہاں کیا طے ہوا گو افواہ بہت کچھ گرم تھی۔ دوپہر کو اس نے اپنی کابینہ کے ارکان کو مطلع کیا کہ لیبر وزارت ختم ہو چکی ہے اور نیز جس اطلاع سے سب دنگ ہو گئے اس نے یہ دی کہ بادشاہ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں مالیاتی حادثے کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک "قومی حکومت" مرتب کروں اور اس کو میں نے قبول کر لیا ہے اور یہ بات ظاہر تھی کہ اس حکومت میں وہ خود وزیر اعظم ہوتا۔ اسی دن شام کو ایک سرکاری اعلان یہ شایع ہوا:۔

آج سہ پہر کو وزیر اعظم نے بادشاہ کی خدمت میں وزارت کا استعفاء پیش کیا ہے جس کو حضور نے قبول فرما لیا ہے اور مسٹر رامزے میکڈانلڈ کو یہ کام تفویض کیا ہے کہ وہ وسیع بنیاد پر ایک قومی حکومت کی تشکیل کرے جو موجودہ مالیاتی حادثے کا مقابلہ کر سکے۔

مسٹر میکڈانلڈ نے یہ حکم منظور کر لیا ہے اور وہ اب مسٹر اسٹانلے بالڈون اور سر ہربرٹ سموئیل کے ساتھ جو اس حکومت کی تشکیل میں میکڈانلڈ کا ہاتھ بٹانے کے لئے تیار ہیں مشورے میں مصروف ہے۔

پھر اسی شب کو اس بات کا اعلان ہوا کہ جدید حکومت ایسی مرکب وزارت نہیں ہو گی جو اس کا معمولی مفہوم ہوتا ہے بلکہ وہ حکومت "متحدہ" ہو گی اور اس کا واحد مقصد "قومی حادثے" کا مقابلہ کرنا ہو گا۔ اور جب یہ مقصود پورا ہو جائے تو پھر مختلف فریق اپنی متعلقہ حیثیتیں اختیار کر لیں گے۔

قومی حکومت کی تشکیل۔ دوسرے دن جدید کابینہ کی ترکیب کیفیت مشتہر کی گئی۔ اس میں صرف دس ارکین شامل تھے یعنے مسٹر میکڈانلڈ اور پچھلی کابینہ کے تین اور ارکین جو اس کے ساتھ متفق تھے۔ چار تحفظ اور دو لبرل۔ لیبر فریق نے یہ محسوس کیا کہ ان کو دھوکا دیا گیا ہے اس لئے اس نے بھی بہت جلد اپنا رویہ ظاہر کر دیا۔ ۲۶ اگست کو لیبر فریق کی مرکزی مجلس عاملہ اور کانگریس اتحاد تجارتی کی مجلس عام نے اس بات پر زور دیا کہ جدید حکومت کی شدومد سے

مخالفت ہونی چاہئیے اور پارلیمنٹ کے لیبر اراکین کو توجہ دلائی کہ جب پارلیمنٹ اپنا اجلاس کرنے لگے تو یہ سرکاری حیثیت میں اپنا مخالف جتھا بنالیں۔ لیبر اراکین کے ایک جلسے میں جو اس کے بعد ہی منعقد ہوا مسٹر میکڈانلڈ کو رہنمائے فریق کی حیثیت سے معزول کردیا گیا اور مسٹر آرتھر ہنڈرسن کو جو پچھلی حکومت میں وزیر خارجہ کی خدمت پر فائز تھا اس کا جانشین منتخب کیا گیا۔ اس کے بعد لیبر فریق کے ان تمام اراکین کو جو جدید وزارت کے ساتھ شریک تھے فریقانہ دائرے سے خارج کردیا گیا۔ جب التوا ختم ہونے کے بعد پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو دارالعوام کے صرف چودہ اراکین کے سوا جو مجموعی تعداد کا اکیسواں حصہ تھا سب کے سب مخالف جتھے میں چلے گئے۔ ان حالات میں جدید حکومت کا اپنے کو "قومی" حکومت کے نام سے موسوم کرنا ایک مغالطہ تھا۔

یہ سیاسی ہلکہ جس کا اوپر خاکہ کھینچا گیا ہے انگلستان کی حکومت کابینہ کی تاریخ میں ایک یادگار چیز ہے اور اس کے کئی اسباب ہیں۔ اگر مسٹر میکڈانلڈ کے متعلق جس وقت اس نے قومی حکومت کی تشکیل کی تھی یہ سمجھا جائے کہ وہ لیبر فریق کا رہنما تھا اور جیسے وہ ابھی تک برائے نام رہنما سمجھا تا تھا تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ اس کا یہ اقدام کہ اس نے اپنے فریق کو اپنی لیبر کابینہ سے مشورہ کئے بغیر متحفظ اور لبرل کے ساتھ اتحاد کا پابند بنانے کی کوشش کی تھی ایک غیر معمولی طریقۂ عمل تھا جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اگر اس کی کوئی توجیہ ہوسکتی ہے تو صرف اس نظریے کی بنا پر ہوسکتی ہے کہ برطانیہ کا رہنمائے فریق بالکل خود رائے ہوتا ہے گو یہ نظریہ کبھی پیش نہیں کیا گیا۔ لیکن جب اس نے جدید حکومت مرتب کرنے کے لئے پادشاہ کا حکم منظور کرلیا تھا یا اگر نہیں تو جب اس نے کفالت بے روزگاری کی تخفیف کے مسئلے پر اپنی کابینہ کی کثرت اراکین کا ساتھ چھوڑ دیا تھا تو پھر وہ نہ صرف درحقیقت اپنے فریق کا رہنما نہیں رہا تھا بلکہ وہ اپنے فریق کی کارروائی سے جو جدید حکومت کی تشکیل سے چند روز کے بعد ہوئی تھی برائے نام بھی رہنما نہیں رہا تھا۔ اس لحاظ سے اس کا "قومی" حکومت میں وزیر اعظم ہونا اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ اپنے فریق کا رہنما ہے نہ اس وجہ سے جس کے لئے

مسٹر بالڈون اور سر ہربرٹ سموئیل کابینہ میں داخل ہوئے تھے بلکہ یہ اپنی انفرادی حیثیت میں وزیر اعظم ہوا تھا اور اس کی حیثیت ایک طرف پادشاہ کی خوشنودی پر منحصر تھی اور دوسری طرف اس بات پر تھی کہ ان ناگہانی حالات میں محتفظین اور لبرل اس کی رہنمائی کے لئے راضی ہو گئے حالانکہ خود اس کے پیرو اس کی رہنمائی کو ٹھکرانے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ زمانۂ حال میں وزارت عظمیٰ ہمیشہ فریقانہ رہنمائی کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ وزیر اعظم کے انتخاب میں پادشاہ کبھی کوئی اثر نہیں ڈال سکتا۔ ابھی ۱۹۲۳ء کا واقعہ ہے کہ پادشاہ نے لارڈ کرزن کو پس پشت ڈال دیا اور مسٹر بالڈون کو مقرر کر دیا حالانکہ مسٹر بالڈون ابھی تک محتفظ فریق کا رہنما نامزد نہیں ہوا تھا لیکن اگر بالڈون کا فریق اس کو اپنا رہنما تسلیم نہیں کرتا تو ظاہر ہے کہ وہ وزیر اعظم نہیں رہ سکتا تھا۔ پادشاہ جس مدبر کو ترتیب وزارت کے لئے طلب کرتا رہا ہے وہ یا تو فریق غالب کا مسلمہ رہنما تھا یا ایسا رہنما تھا جس کی تتبع کے لئے فریق تیار تھا۔ مسٹر میکڈانلڈ میں دونوں باتیں نہیں تھیں۔ جو پارلیمنٹی تائید اس نے اپنی اس حکومت کے لئے جس کا وہ صدر تھا فراہم کی تھی وہ صفر کے برابر تھی۔ جب پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو دار العوام نے جدید حکومت کے متعلق ۳۱۱ رایوں سے جبکہ ۲۵۱ مخالف رائیں تھیں اعتماد ظاہر کیا۔ اس کثرت میں ۲۴۳ محتفظ ۵۳ لبرل اور صرف ۱۲ وہ لیبر شامل تھے جو اپنے آپ کو زبردستی لیبر کہتے تھے اور اُن میں سے اکثر وزارت میں شریک تھے۔ جیسے پروفیسر لاسکی نے کہا ہے کہ "مسٹر میکڈانلڈ کا جتنا کام تھا وہ ان لوگوں کے اتحاد عمل سے نہیں ہوا تھا جو اس کو رہنما بنانے والے تھے بلکہ ان کی مخالفت میں ہوا تھا۔ اس نے تمام سیاسی ہتھکنڈے اپنے دوستوں کے بل بوتے پر نہیں بلکہ اپنے دشمنوں کی قوت پر تیار کئے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے عمل کا محور یہ تھا کہ خود اس کی ذات قوم کے اس حادثے میں ناگزیر تھی لیکن ایک عمومی مملکت میں یہ بات بہت خطرناک ہو جاتی ہے کہ ایک شخص خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو صرف اس بنیاد پر کہ اس کی حیثیت ناگزیر ہے اپنے ہتھکنڈوں کی عمارت کھڑی کر دے۔"

ایک سوال یہ ہے کہ ماہ اگست ۱۹۳۱ء کے تہلکے میں بادشاہ نے کیا حصہ لیا تھا۔ اس کا قطعی جواب دینا تو ممکن نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مسٹر میکڈانلڈ اور محفظ اور لبرل رہنماؤں کے ساتھ بادشاہ کی جو بات چیت ہوئی تھی وہ سب راز میں تھی۔ یہ صرف ان لوگوں کو معلوم تھی جو اس وقت موجود تھے۔ تہلکے سے کچھ دن پہلے یہ راز تقریباً فاش ہوگیا تھا کہ وزیر اعظم اور لیبر کابینہ کے درمیان تعلقات خوشگوار نہیں رہے اور اس کے بہت دنوں پہلے سے اکثر حلقوں میں یہ خیال گشت لگا رہا تھا کہ ایک مرکب یا "قومی" حکومت مرتب کی جائیگی۔ ممکن ہے کہ بادشاہ یا مسٹر میکڈانلڈ نے اس حکومت کی تجویز کی ہو۔ یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے اس معاملے میں دستوری باضابطگی کا پورا احترام کیا تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قومی حکومت "درباری انقلاب" کا نتیجہ تھا۔ رفتار واقعات پر بادشاہ نے جو اثر ڈالا تھا اس کی نوعیت کچھ بھی ہو اس قدر بلا خوف کہا جا سکتا ہے کہ بادشاہ کی حیثیت ایک چپ چاپ تماشہ بین کی سی نہ تھی[1]

عاملہ کے اختیارات ۔ جب تک یہ حکومت جو ان غیر معمولی حالات میں مرتب ہوئی تھی برسر حکومت رہی ہے عاملہ کے اختیارات اس بلندی پر پہنچ گئے جو ۱۶۸۸ء کے انقلاب کے بعد سے کم از کم امن کے زمانے میں تو کبھی نہیں ہوئے تھے۔ جب پارلیمنٹ کا اوائل ستمبر میں پھر اجلاس شروع ہوا اور جو صرف ایک مہینے تک رہا تو پہلے والے میں ہی حکومت نے ایک تحریک پیش کردی جس کو دار العوام نے پاس کردیا۔ وہ یہ تھی کہ ایوان کا تمامتر وقت حکومت کے کاروبار میں صرف ہوگا۔ اس طریقے سے غیر سرکاری ارکین کا یہ غیر محدود حق تھا کہ وہ اپنے طور پر بھی مسودے پیش کرتے تھے اور جو اس سے پہلے استعمال کرتے تھے سلب کرلیا گیا۔ پارلیمنٹ نے مالیات کا غیر معمولی اختیار عاملہ کے سپرد کردیا۔ قانون تخفیف قومی کی رو سے جو ۳۰ ستمبر کو قانون بنا تھا حکومت کو یہ اختیار مل گیا کہ وہ کفایت شعاری کے مد نظر احکام بہ اجلاس کونسل اس غرض سے نافذ کرے کہ جو مختلف سرکاری خدمات مع کفالت بے روزگاری

[1] ہیرولڈ جے لاسکی تہلکہ اور دستور، ۱۹۳۱ء اور اس کے بعد۔ ۱۶

کی بابت اور ان اشخاص کے معاوضے کی بابت جو سرکاری نوکری کرتے ہیں ان مصارف کی تخفیف ہوسکے جو پارلیمنٹ کے منظورہ ہیں۔ نیز ان احکام سے معاہداتی حقوق بھی ختم کئے جاسکیں اگرچہ گزشتہ کئی سال سے عاملہ ہی مصارف کا خود انتظام کرتی تھی کیونکہ پارلیمنٹ بلاکم وکاست تمام مطلوبہ مصارف کو منظور کر لیتی تھی لیکن اس سے پہلے پارلیمنٹ نے کبھی عاملہ کو واقعی اس بات کا مجاز نہیں گردانا تھا کہ وہ حکومت کے اس اہم فرض کو خود اپنی ہی صوابدید سے انجام دے اور بحث کی گنجایش نہ ہو۔ قانون میں ان خاص تخفیفوں کی صراحت نہیں کی گئی جو ہونے والی تھیں اور اس کا تمامتر منشا یہ تھا کہ بحث سے جو تعویقیں ہوتی ہیں وہ نہ ہوں۔ یہ طریقۂ تخفیف جو احکام بہ اجلاس طے پایا تھا "دستوری عمل درآمد کا ایک نتیجہ خیز اور عدیم المثال تغیر کہا جاتا ہے"[1] ان تخفیفوں کی بدولت جو عمل میں لائی گئیں اور زائد مداخل کی بدولت جن کا ایک مسودۂ مالیات کے ذریعے جو اس سال کا دوسرا مسودہ تھا انتظام کیا گیا تھا میزانیہ، اکتوبر سے پہلے جبکہ پارلیمنٹ برخاست ہوئی متوازن ہوگیا لیکن حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ بنک انگلستان سے سونے کا چلن برابر جاری رہا اور معیار طلا کو قائم رکھنے کے لئے جو انتظام کیا گیا تھا اس کو چھوڑنا پڑا۔

اکتوبر کے اواخر میں جو انتخاب ہوا تو قومی حکومت نے ملک سے درخواست کی کہ "معالج کی چارہ سازی" کو اس بات کا آزادانہ موقع دیا جائے کہ وہ معاشی اصلاح کو روبراہ کرنے کے لئے جو تدابیر ضروری سمجھے اختیار کرے کیونکہ ابھی حادثے سے نجات نہیں ملی ہے۔ لیکن جو لوگ معالج تھے وہ اس بات پر متفق نہیں تھے کہ آخر مریض کا کیا علاج کیا جائے مسٹر بالڈون نے جو متحفظ فریق کا رہنما تھا محاصل درآمد و برآمد پر زور دیا کہ "یہ نہ صرف غیر معمولی درآمد کو گھٹانے کا بہت سریع اور پرزور ہتھیار ہے" بلکہ اس سے دوسرے ممالک کو ترغیب ہوگی کہ وہ اپنے محاصل کی شرح کم کردیں۔ دوسری طرف لبرل فریق آزاد تجارت کا معتقد تھا کہ یہی قوم کی معاشی خوشحالی کی واحد بنیاد ہے۔ وہ اسی پر اڑا رہا۔ مسٹر میکڈانلڈ

---

[1] سڈنی ویب (لارڈ پسفیلڈ) "۱۹۳۱ء میں کیا گزری۔ ایک دفعہ" سیاسی سہ ماہی جلد ۳-۱

کسی فریق کا رہنما تو نہیں تھا۔ اس نے بہ حیثیت صدر حکومت کے یہ کہا کہ جو مفید مطلب تجویز سامنے آئے مثلاً محاصل درآمد و برآمد، برآمد کی توسیع اور درآمد کی تخفیف، تجارتی معاہدات اور قلمرووں کے ساتھ باہمی معاشی سمجھوتے حکومت کو آزادی کے ساتھ غور کرنا چاہیئے۔

انتخاب کے معرکے میں جن فریقوں نے حکومت کی تائید کی تھی وہ یہ تھے:۔ متحفظ لبرل جو دو شقوں میں منقسم تھے قومی لبرل اور لبرل قوم پرست اور ایک جدید فریق جو لیبر فریق کے ان پرانے اراکین کا بنایا ہوا تھا جو میکڈانلڈ کے پیرو تھے یہ فریق اپنے کو قومی لیبر فریق کہتا تھا۔ چند حلقوں میں اس کے امیدوار کھڑے ہوئے تھے۔ اس معرکۂ انتخاب میں جذبات کے شعلے بہت بھڑک گئے اور واقعہ یہ ہے کہ حکومت کے مفاد میں یہ جذبات جان بوجھ کر استعمال کئے گئے۔ یعنے آنے والے خطرے کا ایک وطن پرستانہ ڈر تھا گو اس کی وضاحت مشکل تھی۔ یہ ایک اعتقاد تھا کہ صرف قومی حکومت ہی ملک کو بچا سکتی ہے۔ لیبر فریق کے ارادوں سے بہت بدگمانی تھی۔ اور ایک عام "وہم خوف" تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت نے منہ توڑ فتح حاصل کر لی کیونکہ حکومت کے متبعین نے مجموعی رایوں کا دو تہائی اور جدید دار العوام کی نشستوں کا ۹/۱۰ حاصل کر لیا۔ نیز یہ متحفظ فریق کے لئے بھی بڑی بھاری فتح تھی کیونکہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس فریق نے ۴۷۰ نشستیں حاصل کی ہیں اور مجموعی تعداد کا جو حکومت کے بہی خواہوں نے حاصل کی تھی پچاسی فیصدی تھا۔ نومبر میں مسٹر میکڈانلڈ نے ایک دوسری قومی حکومت مرتب کی جس کی ترکیب میں متحفظ عنصر بہت غالب تھا اس کابینہ میں جو بیس اراکین پر مشتمل تھی گیارہ متحفظ چار قومی لیبر گو اس فریق نے ایوان میں صرف تیرہ نشستیں حاصل کی تھیں تین قومی لبرل اور دو لبرل قوم پرست۔ اس میں حکومت کی اور متحفظ فریق کی جو کثرت تھی اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اگرچہ لیبر فریق نے مجموعی رایوں کا تیس فیصدی حاصل کیا تھا لیکن اس وقت تو یہ بری طرح مغلوب ہو گئے۔

عاملہ اور اجرائے محاصل۔ جدید پارلیمنٹ نومبر کے اوائل میں منعقد ہوئی۔ اس درآمد کو روکنے کے لئے، جس کو "غیر معمولی درآمد" کہا جاتا ہے پیش کیا گیا

اور دونوں ایوانوں میں بہت سرعت کے ساتھ اس کے تمام مدارج طے کئے گئے اور ۲۰ نومبر کو یہ قانون بن گیا۔ یہ پہلا قانون ہے جس کی رو سے پارلیمنٹ نے عاملہ کو اجرائے محاصل کے پورے اختیارات تفویض کر دیئے یہ یادگار جزو ہے۔ اس قانون نے مجلس تجارت کو خزانے کے اتفاق کے ساتھ یہ اختیار دے دیا کہ وہ قیمت کے اعتبار سے اشیا پر سو فیصدی کروڑ گیری عائد کر سکتی ہے اگر مجلس کی رائے میں یہ اشیا معمولی مقدار میں درامد کی جا رہی ہوں لیکن شرط یہ تھی کہ مجلس کا ہر حکم جو ان اغراض کے لئے نافذ ہو وہ ایوان کے سامنے پیش کر دیا جائے، اور اگر ایوان اس کو منظور نہ کرے تو اجرائے حکم کے اٹھائیس دن کے بعد یہ بے اثر ہو جائے گا۔ ایک دوسرے قانون سے جو اس کے بعد ہی پاس ہوا وزیر زراعت اور ماہی گیری کو یہ اختیار دے دیا گیا کہ وہ خزانے کے اتفاق کے ساتھ ایک بناتی پیداوار پر جس کی قانون میں صراحت تھی ایسے محاصل عائد کر سکتا ہے جس کو وہ مناسب سمجھے اور وزیر مذکور کے یہ احکام جن سے محاصل عائد ہوتے ہوں اسی طرح دار العوام کے سامنے پیش کئے جائیں۔

مستحفظین سمجھتے تھے کہ ان کی کثرت غالب کے یہ معنی ہیں کہ ان کو قوم کی طرف سے یک مستقل تامینی محاصل کا حکم ملا ہے۔ چنانچہ کابینہ کی ایک کمیٹی اس غرض کے لئے بنائی کہ وہ اس مسئلے پر غور کر کے پوری کابینہ میں اپنی رپورٹ پیش کرے۔ کمیٹی اور کابینہ کی ایک کثرت چاہتی تھی کہ تامین کو ایک مستقل نظام قرار دیا جائے لیکن کابینہ کے چار اراکین یعنے لارڈ اسنوڈن جو پہلے مزدور تھے اور تین قومی لبرلوں نے دھمکی دی کہ وہ اس مسئلے پر استعفا دے دیں گے اگر وہ استعفا دے دیتے تو قومی حکومت ختم ہو جاتی۔ اس سے بچنے کے لئے، یہ طے ہوا کہ مخالف اراکین کابینہ میں رہ کر مجوزہ محاصل کے خلاف بحث کر سکتے ہیں اور رائے دے سکتے ہیں یہ کابینہ کی یکجہتی اور مجموعی ذمہ داری کے دیرینہ قاعدے کا حیرت انگیز نقض تھا اور ۲۲ جنوری ۱۹۳۲ کو حسب ذیل الفاظ میں اس کا اعلان کیا گیا:۔

توازن تجارت کے متعلق کمیٹی نے جو رپورٹ مرتب کی ہے وہ کابینہ کے سامنے آگئی ہے اور طویل بحث کے بعد یہ معلوم ہوا کہ کمیٹی نے جو سفارشیں کی ہیں ان پر

متفقہ فیصلہ ناممکن ہے۔

لیکن ان تشویشناک مسائل کی صورت میں جس نے اس ملک اور تمام دنیا کو پریشان کر دیا ہے کابینہ اس بات کو سختی سے محسوس کر رہی ہے کہ قومی یکجہتی کا بقا نہایت اہم ہے۔

لہذا یہ امر واضح ہو گیا ہے کہ قدیم وزارتی عملدر امد میں کچھ نہ کچھ تبدیلی کی ضرورت ہے اور کابینہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ محاصل در امد اور اُن کے متعلقہ امور کی بابت کثرت وزرا جن نتائج پر پہنچے ان سے خود وزرا اتفاق نہیں کر سکتے وہ اپنی تقریر یا رائے سے اپنے خیالات ظاہر کرنے کے لئے آزاد ہیں۔

کابینہ تدبیر مملکت کے دوسرے تمام مسائل میں متفق ہے اور اس کو یقین ہے کہ وہ اس خاص انتظام سے قوم کی مشیت اور زمانے کی ضرورت کی صحیح تعبیر ہوتی ہے۔

برطانیہ کے موجودہ دستوری عملدر آمد میں اس "اتفاق نا اتفاقی" کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اٹھارھویں اور اوائل انیسویں صدی تک تو کابینہ کی یکجہتی پورے طور پر جاگزیں نہیں ہوئی تھی۔ اہم سیاسی مسائل کی بابت کابینہ میں جو اختلاف رائے ہوتا تھا اس سے چشم پوشی کی جاتی تھی۔ لارڈ آکسفورڈ کے بیان کے مطابق جو پہلے مسٹر اسکوتھ کہلاتے تھے۔ یہ عملدر آمد کہ کابینہ کے مختلف الرائے رکن کو اس سے پہلے کہ وہ حکومت کی کسی تجویز کے خلاف تقریر کرے یا رائے دے[1] مستعفی ہو جانا چاہئے۔ ۱۸۲۸ء ڈیوک ولنگٹن کی وزارت سے شروع ہوتا ہے۔ یہ دستوری بدعت بغیر اعتراض کے عمل میں نہیں آئی اور اعتراض کچھ خلاف قیاس نہیں تھا۔ دونوں ایوانوں میں قرارداد ملامت پیش ہوئی لیکن وہ کثرت غالب کی وجہ سے رد ہو گئی۔ اخبار منچسٹر گارڈین نے لکھا تھا کہ "چھ مہینوں میں مسٹر میکڈانلڈ دو دستوری انقلاب کے وجود میں آنے کا باعث ہوا ہے۔ موسم خزاں میں اس نے برطانوی فریق بندی کا خاتمہ کر دیا۔ گزشتہ ہفتے میں اس نے نظام کابینہ کا خاتمہ کر دیا۔

[1] ارل آکسفورڈ اور اسکوتھ "برطانوی پارلیمنٹ کے پچاس سال" جلد ۲ ص ۲۱۴ - ۱۵۔

۱۹۳۲ء ماہ فروری کے آخر میں - قانون محاصل قانون بن گیا - اس آزاد تجارت کا وہ مسلک جو تقریباً آج سے ایک سو سال پہلے اختیار کر لیا گیا تھا الٹ گیا - اس سے تمام اشیاء پر جو سلطنت متحدہ میں درآمد کئے جائیں دس فیصدی محصول عائد کیا گیا - صرف وہ اشیا مستثنیٰ ہیں جو صراحۃً مستثنیٰ کی گئی ہیں - اس قانون نے خزانے کو اس بات کا مجاز گردانا کہ وہ صلاح کار کمیٹی کی سفارش پر خاص اشیا کو محصول کی ادائی سے مستثنیٰ کر سکتی ہے اور زائد محصول عائد کر سکتی ہے - دوسرے الفاظ میں اس قانون نے وہی کام کیا "جو قانون درآمد غیر معمولی" نے کیا تھا - اس نے اجرائے محاصل کا اختیار ایک محکمۂ عاملہ کے تفویض کر دیا -

"تحویل اختیارات" ایک اور مضمون جو کم و بیش پچھلے پچاس سال کے دوران میں وقتاً فوقتاً زیر بحث آتا رہا ہے وہ ہے جس کو تحویل اختیارات کہتے ہیں یہ بات بہت دنوں سے واضح ہو چکی ہے کہ پارلیمنٹ سے اتنا زیادہ کام لیا جاتا ہے کہ وہ مستعدی کے ساتھ نہیں کر سکتی - اپنے فرائض کو کسی طرح پورا کرنے کے لئے اس کو مجبوراً اپنی بحث محدود کرنی پڑی اور اپنے اختیارات قانون سازی وسیع پیمانے پر عاملہ کے تفویض کرنے پڑے - کئی سال پہلے گلاڈسٹن نے کہا تھا کہ "پارلیمنٹ بہت بوجھل ہو گئی ہے - پارلیمنٹ پر انبار لگا ہوا ہے" - جب مملکت نے موجودہ "صنعیات" کے بے شمار اور پیچیدہ حالات اور مسائل کا سرانجام اپنے سر لے لیا تو اس کی مقننانہ سرگرمیوں کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا - اس کے علاوہ برطانوی پارلیمنٹ نہ صرف سلطنت متحدہ بلکہ ایک بہت بڑے اور مختلف النوع مجموعۂ توابع کی مقتدر مقننہ ہے - اس میں کوئی شک نہیں کہ عام حالات میں تمام شہنشاہیت کی ذیلی مقامی مقننات اپنے مقامی معاملات طے کر لیتی ہیں لیکن وقتاً فوقتاً شہنشاہی امور ضرور پارلیمنٹ کے سامنے آتے ہیں - نیز یہ نہ صرف بہ حیثیت مجموعی سلطنت متحدہ کے لئے قانون بناتی ہے بلکہ صراحت کے ساتھ اس کے اجزائے ترکیبی کے لئے قانون بناتی ہے - ابھی ۱۹۱۲ء میں جبکہ ابھی مملکت آزاد آئرستان کا قیام نہیں ہوا تھا اور آئرستان کا ایک بڑا حصہ پارلیمنٹ کے حدود اختیارات سے خارج نہیں ہوا تھا یہ اندازہ لگایا گیا کہ پچھلے بیس سال کے

دوران میں پارلیمنٹ نے جو قوانین وضع کئے تھے ان کا تقریباً نصف حصہ وہ ہے جو سلطنت متحدہ کے اجزا سے یعنی انگلستان ۔ آئرستان ۔ اسکاچستان اور ویلز سے متعلق تھا۔ نیز اس زمانے سے جبکہ آزاد ریاست آئرستان کی تشکیل عمل میں آئی ہے اس کے وقت کا ایک معتدبہ حصہ کشوری قانون سازی کے لئے وقف ہے نتیجہ یہ ہے کہ وسٹ منسٹر کی پارلیمنٹ کو قومی شہنشاہی اور کشوری قانون بنانا پڑتا ہے ۔ جو لوگ طریق تحویل اختیارات کے حامی ہیں ان میں سے اکثروں کا اصل مقصد یہ ہے کہ قانون سازی کے اختیارات جدید ذیلی مقننات قلمرو کو تفویض کرکے پارلیمنٹ کے کاروبار کا بوجھ ہلکا کیا جائے ۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ اس سے قلمرووں کے وطنی جذبات کا لحاظ رکھا جائے ۔

۱۸۷۴ء میں ہی ایزک بٹ نے جو تحریک سوراج آئرستان کا بانی تھا اپنی ایک تقریر میں جو اس دار العوام میں کی تھی پارلیمنٹ کے کثرت کار کی طرف اشارہ کیا تھا اور کہا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ انگلستان اسکاچستان اگر یہ ممالک چاہیں نیز آئرستان کو سوراج مل جائے ۔ ۱۸۸۹ء میں دار العوام میں یہ تحریک کی گئی کہ اسکاچستانی قومی پارلیمنٹ کا قیام عمل میں آئے ۔ پہلی تجویز میں "تحویل اختیارات" یا ہمہ گیر سوراج کی جامع تجویز تھی اور جو پارلیمنٹ میں خود بیش کردی گئی ایک ملکی وطنیت اور دوسرے پارلیمنٹ کی کارکردگی بڑھانے کی خواہش ظاہر ہے ۔ ۱۸۹۵ء میں دار العوام میں یہ قرارداد بیش کی گئی "اس غرض کے لئے کہ سلطنت متحدہ کے اندر جداگانہ قومیتوں کے جذبات اور خواہشات کو ظاہر کرنے کا فوری اور خاطر خواہ موقع ملے اور شہنشاہی پارلیمنٹ کی کارکردگی میں بھی اضافہ ہو تاکہ وہ شہنشاہی معاملات اچھی طرح طے کرسکے ۔ یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آئرستان ۔ اسکاچستان ۔ ویلز اور انگلستان کی مقننات کو علی الترتیب ان کے مقامی امور کی نگہداشت اور ان کا انتظام سپرد کیا جائے "۔

تحویل اختیارات کی بابت پارلیمنٹ میں کافی اور شافی مباحثہ ماہ جون ۱۹۱۹ء میں ہوا اس وقت دار العوام نے اس بات پر تحریری اتفاق کرلیا کہ سلطنت متحدہ کے اندر ذیلی مقننات قایم کی جائیں "تاکہ شہنشاہی پارلیمنٹ سلطنت متحدہ کے عام

مفاد پر زیادہ توجہ کر سکے اور شہنشاہیت کی دوسری حکومتوں کے اتحاد عمل سے عام شہنشاہی امور کے لئے زیادہ وقت دے سکے"۔ آیندہ اکتوبر میں وزیر اعظم نے ایک کانفرنس مقرر کی جو دونوں ایوان پارلیمنٹ کے اراکین پر مشتمل تھی۔ اور اس کا صدر نشین دار العوام کا اسپیکر تھا تاکہ یہ "تحویل اختیارات" کی جامع تجویز پر غور کرے اور رپورٹ پیش کرے۔ اس کانفرنس کی رپورٹ جو منجانب اسپیکر موسومۂ وزیر اعظم ایک خط کی شکل میں تھی ماہ اپریل ۱۹۲۰ء میں مرتب ہوئی۔

کانفرنس کے اراکین اس بات پر متفق تھے کہ انگلستان، اسکاچستان اور ویلز کے لئے ذیلی مقننات قائم کی جائیں۔ چونکہ آئرستان کی خاص شکل تھی اور یہ اس وقت زیر بحث تھی اور نیز ۱۹۲۰ء کے قانون حکومت آئرستان میں اس کا اندراج ہو چکا تھا اس لئے کانفرنس نے آئرستان کی بابت کوئی سفارش نہیں کی۔ انگلستان کے متعلق اس کانفرنس نے یہ محسوس کیا کہ تفویض کار کے لیے ملک کا جداگانہ رقبوں میں منقسم ہو جانا سخت مشکلات کا باعث ہوگا" اس لیے "تحویل اختیارات" کے ابتدائی مدارج میں اس کو شامل نہیں کرنا چاہئے۔ اس بات پر عام سمجھوتہ ہوا کہ کون سے اختیارات مقامی مقننات کو جائز طور پر دیے جا سکتے ہیں اور کون سے اختیارات ایسے ہیں جو برطانوی پارلیمنٹ کے لئے مخصوص کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن مقامی مقننات کی ترکیب کے متعلق رائے مختلف ہو گئی اور دو تجویزیں پیش کی گئیں۔ ایک تجویز کا منشا یہ تھا کہ انگلستان، اسکاچستان، اور ویلز کے لئے ذیلی مقننات قائم کی جائیں جو "مجالس عظمیٰ" کے نام سے موسوم ہوں، یہ دو ایوانی ہوں۔ ایوان زیریں دار العوام کے ان اراکین پر مشتمل ہو جو اس رقبے کے حلقہائے انتخاب کے لئے نشست کریں اور ایوان بالائی دار الامرا کے ان اراکین پر مشتمل ہو جن کو دار الامرا کی ایک کمیٹی ہر پارلیمنٹ کے زمانۂ اجلاس کے لئے منتخب کرے۔ یہ تحریک کی گئی کہ ہر "مجلس عظمیٰ" کے لئے ایک عاملہ کمیٹی ہونی چاہئے، اس میں ایک صدر نشین ہو جس کو کمیٹی مقرر کرے اور محکموں کے افسر ہوں جن کو صدر نشین مقرر کرے۔ دوسری تجویز میں یہ سفارش کی گئی کہ مقامی مقننات کی رکنیت پارلیمنٹ سے بالکل علیحدہ ہونی چاہئے اور ان کے اراکین عام بلا واسطہ رائے سے ان ہی حلقہائے انتخاب

کے لئے اور انھی رائے دہندوں کی طرف سے جو دار العوام میں اراکین بھیجتے ہیں، منتخب ہوں۔ لیکن تفویض کار کی کوئی تجویز بھی روبراہ نہیں ہوئی۔ ریاست آزادِ آئرستان کی تاسیس کو مع اس کی پارلیمنٹ کے تفویض کار کی کوئی مثال نہیں سمجھنا چاہئے۔ گو اس سے برطانوی پارلیمنٹ کا بوجھ کسی قدر ہلکا ہوگیا۔ ریاست آزادِ آئرستان کی پارلیمنٹ ایسی ذیلی مقننہ نہیں ہے جس کو برطانوی پارلیمنٹ نے یہ اختیار دیا ہو کہ وہ سلطنت متحدہ کے ایک جزو کے طور پر مقامی معاملات کے لئے قانون بنائے۔ ریاست آزاد آئرستان سلطنت متحدہ کا جزو نہیں اور اس کی پارلیمنٹ سمندر پار قلمرووں کی پارلیمنٹوں کی طرح برطانوی پارلیمنٹ کی ہم پلہ اور حریف ہے۔ البتہ تفویض کار کی صحیح مثال شمالی آئرستان کی صورت میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ سلطنت متحدہ میں ایک قانون کی بدولت جس کو برطانوی پارلیمنٹ نے سنہ ۱۹۲۰ء میں پاس کیا اور جس کا اس سے پہلے حوالہ دیا جاچکا ہے ایک جداگانہ سیاسی وحدت کے طور پر وجود میں آیا ہے۔ شمالی آئرستان کی پارلیمنٹ کا مقننانہ اختیار بہت محدود ہے۔ اکثر امور اس کے دائرۂ اختیار سے خارج ہیں اور وہ برطانوی پارلیمنٹ کے انتظام کے لئے مخصوص ہیں۔ وہاں ایک گورنر ہوتا ہے جس کو بادشاہ مقرر کرتا ہے اور یہ وزرا کے مشورے پر کام کرتا ہے جو شمالی آئرستان کی پریوی کونسل کی مجلس عاملہ کے شرکا ہوتے ہیں۔ یہ کمیٹی درحقیقت ایک ذمہ دار کابینہ ہے۔ پارلیمنٹ دو ایوانوں پر مشتمل ہے۔ ایک سنات اور دوسرا دار العوام۔ سنات چوبیس ۲۴ اراکین پر مشتمل ہے جن کو دار العوام منتخب کرتا ہے۔ بلفاسٹ اور لنڈن ڈیری کے امیر بلد بربنائے عہدہ شریک ہوتے ہیں۔ دار العوام باون ۵۲ اراکین پر مشتمل ہے جو نیابتِ تناسبہ کے اصول پر منتخب ہوتے ہیں۔ مسوداتِ مداخل سب سے پہلے دار العوام میں پیش ہونے چاہئیں۔ اور سنات ان کی ترمیم نہیں کرسکتی۔ معمولی قانون سازی کی صورت میں یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک مسودہ دار العوام سے دو مرتبہ پاس ہو جائے اور سنات اس کو منظور نہ کرے تو وہ دونوں ایوانوں کی یکجا نشست کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں

ایوانِ زیریں کے اراکین سناتیوں سے بڑھ جاتے ہیں اور مسودہ حاضرین کی کثرت رائے سے پاس ہو جاتا ہے۔

فرایضی تفویض ۔ پارلیمنٹ کی کثرت کار اس طرح کم کی جاسکتی ہے کہ پارلیمنٹ کی ذمہ داریاں اور اختیارات جن سے وہ پوری سلطنت کے خاص امور کا انتظام کرتی ہے، ایسی جماعتوں کو دیے جائیں جو ان امور پر اپنا پورا وقت اور توجہ صرف کر سکیں۔ اس قسم کا تفویض اختیار جو فرایض کی صورت میں ہے نہ کہ ملکی یا علاقہ جاتی صورت میں اس وجہ سے خاص طور پر پیش کیا گیا کہ صنعتی حالات اور سرگرمیوں کا اچھا انتظام ہو سکے۔ تاہم یہ فرایضی تفویض صنعتی میدان میں تو نہ ہوئی بلکہ مذہبی امور میں اس کو عملی جامہ پہنایا گیا۔

ماہ مئی ۱۹۱۹ء میں انگلستان کے دو مذہبی صوبوں یعنی کنٹربری اور یارک کی مجلسوں نے ایک عرضداشت پیش کی جس میں کلیسائے انگلستان کی قومی مجلس کا پورا دستور درج تھا۔ اس دستور میں ایک ایسی مجلس کی تجویز کی گئی جو تین ایوانوں پر مشتمل تھی۔ اساقفہ، پادری اور غیر عہدہ دار اس مجلس کو تجاویز پاس کرنے کا اختیار تھا۔ ایسی تمام تجویزیں جس کو یہ مجلس قانونی جامہ پہنانا چاہے ایک قانون ساز کمیٹی میں پیش کی جائیں جو مجلس کی مقرر کردہ ہو، اور یہ کمیٹی وہ کارروائی کرے جو قانون پارلیمنٹ کی منظورہ ہو تاکہ یہ تجاویز قانون بن جائیں۔

ماہ دسمبر ۱۹۱۹ء میں پارلیمنٹ نے ایک قانون پاس کر دیا جس کی رو سے کلیسائے انگلستان کی قومی مجلس کو جو اس طریقے سے مرتب ہوئی تھی اختیارات مل گئے۔ اس قانون میں پارلیمنٹ کی کمیٹی کا انتظام کیا گیا جو مذہبی کمیٹی کے نام سے موسوم ہوئی اور اس میں دونوں اراکین کے پندرہ اراکین شریک کئے گئے۔ اس قانون کے مطابق ہر تجویز جس کو مجلس پاس کرتی ہے قانون ساز کمیٹی اس کو پارلیمنٹ کی مذہبی کمیٹی کے سامنے پیش کرتی ہے۔ اس کمیٹی کا کام یہ ہے کہ ہر تجویز کی بابت اپنی رپورٹ مرتب کرے۔ جس میں تجویز کی ماہیت اور اس کا قانونی اثر بتائے۔ اور اس کی اہمیت کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرے۔ مذہبی کمیٹی اپنی رپورٹ مجلس کی قانون ساز کمیٹی کے

سامنے پیش کرتی ہے۔ لیکن اس کو پارلیمنٹ کے سامنے اس وقت تک نہیں پیش کرتی جب تک کہ قانون ساز کمیٹی اس کی درخواست نہ کرے۔ قانون کے الفاظ میں یہ تجویزیں ہر اس معاملے کی بابت ہوسکتی ہیں جو کلیسائے انگلستان کے متعلق ہوں۔ اور پارلیمنٹ کے کسی قانون کی تنسیخ یا ترمیم تک وسیع کی جاسکتی ہیں۔ جب مذہبی کمیٹی کسی تجویز کی بابت جس کو قانون ساز کمیٹی پیش کرے، پارلیمنٹ کے سامنے رپورٹ دے تو یہ تجویز پارلیمنٹ میں رکھی جائے گی۔ اور بادشاہ کے سامنے پیش کی جائے گی۔ بشرطیکہ دونوں ایوان ایک قرارداد منظور کرکے اس کے پیش کرنے کی ہدایت کریں۔ بادشاہ کی منظوری کے بعد یہ تجویز قانون پارلیمنٹ کی صورت اختیار کرتی ہے۔

جب سے کلیسائے انگلستان کی قومی مجلس قایم ہوئی ہے یہ برابر نشست کررہی ہے اور ہر سال کئی تجویزیں پاس کرتی ہے جو قانون کی صورت اختیار کرلیتی ہیں۔ اس فرایضی تجویز کے تجربے پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک موجودہ انشاپرداز کہتا ہے "اگرچہ یہ تجویزیں پارلیمنٹ کی مداخلت کے بغیر قانون نہیں بن سکتیں تاہم ایک دوسری جماعت کی پیداوار ہوتی ہیں اور پارلیمنٹ کے قوانین کی تنسیخ اور ترمیم کرسکتی ہیں۔ اس طرح یہ ایک نمایاں دستوری جدت ہے غالباً قانون سازی کے اس طریقے میں مزید ترقی کا سامان موجود ہے اور اس میں یہ صلاحیت ہے کہ کلیسائے انگلستان کے علاوہ دوسری جماعتوں پر بھی منطبق کیا جائے۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ قانون دستوری کے تمام طلبا اس کی کاروائی کو بغور دیکھتے رہیں۔[1]"

Bibliographical Note.—Sir W. R. Anson, *The Law and Custom of the Constitution*, 5th ed., Vol. I, by M. L. Gwyer, 1922. W.H. Chiao, *Devolution in Great Britain*, 1926. *The Constitutional Year Book*, 1932. G. Horwill, *Proportional Representation: Its Dangers and Defects*, 1925. J. H. Humphrey, *Proportional Representation*, 1911. I. Jennings, *The Constitution under Strain*, The Political Quarterly, iii, 194, 1932. A. B. Keith, *An Introduction to British Constitutional Law*, 1931. H. J. Laski, *The Crisis and the Constitution: 1931 and After*, 1932. M. MacDonagh, *The English King*, 1929. *The Pageant of Parliament*, 1921. R. Muir, *How Britain is Governed*, 1930. F. A. Ogg, *English Government and Politics*, 1929. A. Quekett, *The Constitution of Northern Ireland*, 1928. L. Rogers, *Crisis Government*, 1934. S. Webb, (Lord Passfield, *What Happened in 1931: A Record*, Political Quarterly, iii, 1. 1932.

[1] مارس ال گویئر قانون اور رواج دستور میں۔ مولفہ سر ولیم آرانسن جلد ا مطبوعہ ۱۹۲۲ء ص ۳۲۱

باب ۲۳

نظم و نسق کی ترقی

برطانیہ کے موجودہ نظام حکومت کا ایک باخبر عالم اور باریک بین جو برطانوی سیاسی زندگی کے حقایق سے پورے طور پر وابستہ ہے ایک کتاب میں جو ۱۹۳۰ء میں شایع ہوئی ہے اظہار کرتا ہے کہ پیشہ ور ارباب بست و کشاد کی تعداد اور اُن کے فرائض اور اختیارات کی روز افزوں ترقی خود سیاسی عمومیت کی ترقی سے کم معنی خیز نہیں ہے۔ نیز وہ یہ کہتا ہے کہ "ہمارے نظام حکومت کا اس طرح ذکر کرنا کہ اس غیر معمولی ترقی سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑا بے معنی ہے"[1]۔ اس میں ذرہ برابر شبہہ نہیں ہے کہ نظم و نسق کی ترقی سے ارتقائے دستور پر بہت گہرے اثرات پڑے ہیں۔ اس ترقی کا باعث کچھ تو آبادی کی کثرت نیز تجارت اور صنعت و حرفت کی توسیع ہے لیکن اس کا اصل باعث امور مملکت کی توسیع ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کے ذمے

[1] - رامزے میور "برطانیہ کا طریق حکومت" نیویارک ۱۹۳۰ء - ۵۳ - ۵۴

جدید اور پیچیدہ کام آپڑے اور حکام کو بلند پایہ فنی اور مخصوص معلومات حاصل کرنا پڑیں
خزانہ۔ محکمۂ خارجہ اور محکمہ مستعمرات جیسے پرانے عاملانہ محکمے اس وقت اسقدر
غیر معمولی منظم حالت میں پائے جاتے ہیں جو آج سے سو سال پہلے نہیں تھے۔
اس کے علاوہ کئی جدید محکمے پیدا ہو گئے۔ انیسویں صدی کے اوائل میں ایسے
محکمے نہیں تھے جو اس زمانے کی وزارت صحت۔ وزارت مزدوران۔
وزارت نقل وحمل۔ وزارت تجارت اور ماہی گیری، وزارت فضائی اور
مجلس تجارت اور تعلیم کے فرائض انجام دیتے۔ ایک ایسے شخص کے الفاظ میں
جو نظم ونسق کا جید عالم ہے "مملکت ایک صدی میں اس مملکت سے جو صرف
ایک جوان کو توالی کی حیثیت رکھتی تھی ترقی کر کے اس درجے پر پہنچ گئی کہ وہ اب
ایک دایہ۔ طبیب، دواساز، محسن۔ رہبر۔ فلسفی اور از مہد تا لحد ایک ہمدرد
کی حیثیت رکھتی ہے" اور جوں جوں کام بڑھتے گئے یہ تجربہ پیدا ہوا کہ قوانین بغیر
انتظامی کارندوں کے بے کار ہیں"[۱]

اٹھارھویں صدی کا نظم ونسق۔ اٹھارھویں صدی میں برطانیہ عظمی
میں زندگی کے طور وطریق آج کل کے مقابلے میں بہت زیادہ سیدھے سادے
تھے اور حکومت کے کاروبار کا دائرہ بہت محدود تھا۔ معاشرے میں ابھی تک
زرعی عنصر غالب تھا اور موجودہ صناعیت کے مسائل نہیں پیدا ہوئے تھے۔ اس میں
کوئی شک نہیں کہ محاصل کی جمع بندی اور تجارتی ضابطوں کے انصرام کے لیے
کثیر حکام کی خدمات کی ضرورت تھی لیکن حکومت کو ان امور سے کوئی سروکار
نہ تھا جیسے تعلیم۔ صحت عامہ، کارخانوں کی تنظیم۔ معدنیات اور نقل وحمل نیز
ایسا انتظام جس سے مزدوروں کی بیماری اور بے روزگاری سے بچاؤ ہو سکے۔
نہ اس معمولی کام کے علاوہ جو ڈاک خانے انجام دیتے ہیں حکومت نے براہ راست
کاروبار میں حصہ لیا۔ سول ملازموں کی ایسی بڑی جماعت کی ضرورت نہ تھی
جیسے اب ہوتی ہے ملک کی مرکزی اور مقامی دونوں حکومتیں ناتجربہ کار حکام کے

۱۔ سر جوشا اسٹامپ "مالیات اور حکومت کے موجودہ مسائل کا مطالعہ" ۳۱

ہاتھ میں ہوتی ہیں۔ پارلیمنٹ کو اپنے قوانین کے نفاذ کے لئے بڑی حد تک ناظمان امن اور دوسرے مقامی حکام پر بھروسا کرنا پڑتا تھا اور یہ لوگ تنخواہ یاب پیشہ ور حکام نہیں ہوتے تھے اور نہ ان کے متعلق کوئی اہلیت اور کارکردگی ضروری سمجھی جاتی تھی۔ اب اگر نظم ونسق کمزور اور غیر کارکردہ ہوتا تھا تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

جہاں تک مرکزی حکومت کا تعلق ہے اور اس باب میں صرف اسی سے بحث ہوگی۔ نظم ونسق وزرا کی ایک جماعت چلاتی تھی یا ان کی نگرانی میں چلتا تھا۔ یہ وزرا جو آج کل کے مقابلے میں تعداد میں بہت کم ہوتے تھے عاملانہ محکموں کی صدارت کرتے تھے۔ ماتحت حکام اور اہلکار ان کی مدد کرتے تھے۔ یہ وزرا سیاسی اور فریقانہ رہنما ہوتے تھے جو کسی انتظامی قابلیت یا ان محکموں کے فرائض کے متعلق جن پر یہ صدر بنائے جاتے تھے خاص معلومات کی وجہ سے خدمات حاصل نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی ثروت سیاسی شخصیت اور خاندانی اثر، پارلیمنٹ کی کامیابی فریقانہ خدمات اور شاہی عنایات سے خدمات حاصل کرلیتے تھے۔ ذیلی خدمات کے تمام تقررات جن کی غرض سیاسی اور فریقانہ ہوتی تھی اسی مربیانہ طریق کے تحت جو اس وقت جاری تھا ہوتے تھے اور اس کا مقصد اراکین پارلیمنٹ اور انتخاب کنندگان کو متاثر کرنا اور سرفراز کرنا ہوتا تھا اور جو لوگ مامور ہوتے تھے ان کی ذاتی قابلیت، یا تو بالکل نہیں دیکھی جاتی تھی یا بہت کم دیکھی جاتی تھی یہ کہا جاتا ہے کہ سول خدمات ایک سکۂ جاریہ تھا جس کے بدلے بڑے سیاسی فریق اور خاندان پارلیمنٹ میں تائید اور انتخاب میں رائیں حاصل کرتے تھے۔ اکثر تو لاخدمت منفعت بخش عہدے ایسے تھے کہ جو لوگ ان پر فائز ہوتے تھے ان کو کوئی سرکاری خدمت انجام دینی نہیں پڑتی تھی۔

اٹھارھویں صدی میں اس بات کی کوشش کی گئی کہ وہ ناجائز اثر جو اس زمانے کی حکومت اپنے مربیانہ طریقے سے دارالعوام اور انتخاب کنندگان پر ڈالتی تھی کم کیا جائے گو اصلاح کرنے والوں کو عام طور پر اس بات سے

دلچسپی نہ تھی کہ حکام کی قابلیت اور کارکردگی میں بھی اضافہ ہو۔ ۱۶۸۸ء کے انقلاب کے بعد ہی ان قوانین کا سلسلہ شروع ہو گیا جن کی رو سے عہدہ داروں کے مختلف طبقے دار العوام سے خارج کر دیے گئے اور یہ انیسویں صدی تک جاری رہا۔ قانون تعین جانشینی میں ایک دفعہ یہ بھی وضع کی گئی تھی کہ "ہر وہ شخص جو کسی خدمت پر فائز ہو یا بادشاہ کے تحت کوئی منفعت بخش جائداد رکھتا ہو یا بادشاہ سے کوئی وظیفہ حاصل کرتا ہو رکن دار العوام کی خدمت انجام نہیں دے سکتا" لیکن عملی جامہ پہننے سے پہلے ہی یہ منسوخ ہو گیا اور مربیانہ طریق بہت زمانے تک دار العوام کی الٹ پھیر کا ایک پرزور ذریعہ بنا رہا۔ اگر صرف ایک مثال لی جائے تو وہ ایوان جو ۱۷۶۱ء میں منتخب ہوا تھا کافی ہے۔ اس میں تقریباً ۵۰ وزرا اور دیگر حکام تھے۔ ۵۰ حکام دربار۔ ۵۰ لاخدمت عہدہ دار۔ ۵۰ سے زیادہ حکام فوج اور بحریہ۔ تقریباً ۴۰ حکومت کے ٹھیکہ دار اور ۵ء۱ خفیہ خدمت کے وظیفہ یاب تھے۔ چنانچہ ۵۵۸ کی مجموعی رکنیت میں ان کی تعداد ۲۵۰ تھی۔ یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ حکومت فرداً فرداً ان ۲۵۰ اراکین کی غیر متزلزل جانبداری پر بالکلیہ منحصر تھی لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ان اراکین کی ایک بڑی تعداد نے حکومت کے مسلک اور تجاویز کی مخالفت کی ہو۔ اس کے علاوہ بقیہ ۳۰۰ اراکین میں جو غیر متعلق تھے اکثر ایسے تھے جو ملازمت اور دوسری عنایات کی وجہ سے جو ان کے اعزہ، احباب اور اہل حلقہ پر مبذول ہوتے تھے یا خود اپنے انتخاب کے لئے حکومت کے ساتھ احسان مندی کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ اس لحاظ سے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اٹھارھویں صدی میں کوئی وزارت محض اس بنا پر کہ دار العوام نے اپنا اعتماد اٹھا لیا بہت ہی شاذ و نادر مستعفی ہوتی تھی۔ ایسا صرف تین مرتبہ ہوا تھا ۱۷۸۲ء کے وضع شدہ ایک قانون سے جس کا زیادہ تر باعث اوسند برک تھا۔ دار العوام سے حکومت کا اثر گو پوری طور پر نہیں تو بہت کچھ گھٹ گیا۔ اس قانون سے بہت

لہ - ال - بی - نیمیر - انگلستان انقلاب امریکہ کے زمانے میں ۲۵۷ - ۲۶۲

سرکاری اور درباری حکام خارج کردیے گئے۔ ایک دوسرے قانون سے جو اسی سال وضع کیا گیا حکومت کے ٹھیکہ دار ایوان سے خارج کردیے گئے۔ مختلف اوقات ملازمین حکومت کے مختلف طبقات خارج کئے گئے اور آج کل تو یہ اخراج تمام جماعت سول ملازمین پر عاید ہوتا ہے۔

اراکین پارلیمنٹ کا انتخاب حاصل کرنے کے لئے جو وزارت کی تائید کرتے تھے انھیں عہدے دھڑلے سے دیے جاتے تھے اور یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اٹھارھویں صدی کے دوران میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ملتا کہ کوئی عام انتخاب موجود الوقت حکومت کے مخالف ثابت ہوا ہو۔ قانون حقوق کے ایک ضابطے میں اس امر کا اظہار کیا گیا ہے کہ اراکین پارلیمنٹ کا انتخاب آزادانہ ہونا چاہئے لیکن ان چیزوں کی صراحت نہیں ہوئی جو اس آزادی کا سر توڑتی تھیں اور حقیقت یہ ہے کہ اکثر حلقوں میں ایک مدت تک انتخاب ان اثرات کے تابع رہا جو انتخاب کنندگان اور برو کے مربیوں پر مربیانہ ذرائع سے پڑتے تھے۔ لارڈ راکنگھم نے جب وہ ۱۷۸۲ء میں وزیر اعظم ہوا تھا کہا تھا کہ ۷۰ برو میں انتخابات کا فیصلہ صرف عہدہ داران مال کی رایوں سے ہوتا ہے۔ اس سال ٹپے کے عامل اور وہ عہدہ دار جو کروڑ گیری اور چنگی وصول کرنے کے لئے مامور ہوتے تھے ایک قانون پارلیمنٹ کے ذریعے رائے دہی سے محروم کردیے گئے اور ۱۸۶۸ء تک یہ حلقۂ انتخاب سے خارج رہے۔ ۱۸۳۲ء کے قانون اصلاح نے ایسے کئی برو منسوخ کردیے جو حکومت کے زیر اثر تھے یا مربیان برو کے اور یہ حکومت کی تائید کرتے تھے اور اس طرح سے انتخابات پر جو وزارتی اثرات پڑتے تھے وہ بڑی حد تک گھٹ گئے گو ایسے تقررات جو سیاسی اغراض کے لئے ہوتے ہیں باقی رہے۔ ایسا عملدرآمد کہ جب ایک فریق دوسرے کی جگہ آئے اور حکومت اپنے ہاتھ میں لے لے تو عہدہ داروں کو یک لخت برخاست کردے جس کو امریکہ میں "طریقۂ رشوت" کہتے ہیں انگلستان میں نہیں قائم ہوا۔ لیکن بالعموم یہ ہوتا ہے کہ خالی جائدادوں پر اہل فریق کے تقررات ہوتے ہیں اور وہ اراکین پارلیمنٹ جو برسر حکومت فریق سے تعلق رکھتے ہیں اپنے حلقوں کے لوگوں کو عہدوں پر نامزد کرتے ہیں ۱۸۲۹ء میں

ڈیوک آف ولنگٹن نے سر رابرٹ پیل کو ایک شکایتی خط لکھا تھا اور اس میں یہ شکایت تو نہ تھی کہ مربیانہ طریق نہ ہونا چاہیئے بلکہ یہ شکایت تھی کہ مربیانہ طریق سے خانگی اراکین فائدہ اُٹھاتے ہیں نہ کہ حکومت۔

پچھلے سو سال میں اور خصوصاً پچھلے تین یا چار عشرات کے دوران میں یہ نظم و نسق کی جو ترقی ہوئی وہ زیادہ تر ان قوانین کی شکل میں ظاہر ہوئی جو موجودہ صنعتی زندگی کے معاشرتی مسائل کو سلجھانے کے لئے وضع کئے گئے تھے۔ اُنیسویں صدی کے نصف اول میں اور خاص طور پر ۱۸۳۰ء کے بعد معاشرے کی تعمیر جدید کی بنیاد ڈال دی گئی۔ اور اس سے فرائض حکومت اور انتظامی جدوجہد میں توسیع کرنی پڑی۔ لیکن ۱۸۳۰ء کے بعد آیندہ کم و بیش تیس سال تک عام خیال یہ تھا کہ عوام الناس کی فلاح و بہبود پیدا کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ افراد کی آزادی سے تمام قیود اٹھا دیے جائیں نہ کہ حکومت کے ضابطے بڑھا دیے جائیں۔ اس زمانے کی رائے عامہ جو ملک پر چھائی ہوئی تھی اور جس کا قانون سازی پر اثر پڑتا تھا وہ بہت بڑے مصلح قانون جرمی بنتھم کی تعلیمات سے بہت زیادہ متاثر تھی جس کا نصب العین یہ تھا کہ "زیادہ سے زیادہ تعداد کی زیادہ سے زیادہ مسرت" چونکہ بنتھم اور اس کے متبعین جو افادیین کہلانے لگے تھے اس بات کے معتقد تھے کہ بالعموم ہر فرد خود اپنی مسرت کا اچھا تنا سا ہو سکتا ہے اس لیے یہ لوگ اس بات کو پسند کرتے تھے کہ ہر فرد کو زیادہ سے زیادہ آزادی ملنی چاہیئے اور اس حد تک ملنی چاہیئے کہ وہ دوسروں کی آزادی سے متصادم نہ ہو اور اوائل عہد وکٹوریہ کے اکثر مصلح خواہ وہ اپنے کو بنتھمی کہتے ہوں یا نہ ہوں انفرادی ضرور تھے اور قانون کے تمام شعبوں میں جو جو اصلاحیں کی گئیں اِن کا عام رجحان یہ تھا کہ آزادی کا دائرہ وسیع تر ہو۔

اجتماعیت کی ترقی۔ لیکن انیسویں صدی کے تیسرے ربع میں "اصول عدم مداخلت" کے ساتھ ایسا اعتقاد کہ وہ زیادہ سے زیادہ مسرت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے بہت کچھ گھٹ گیا اور مصلحین کی نظر روز بروز حکومت پر پڑنے لگی کہ وہ معاشرتی حالات کی اصلاح کرے۔ وہ اصول جو اجتماعیت

کہلاتا ہے۔ انفرادیت کا اس طرح قائم مقام ہوگیا کہ وہ رائے عامہ کی زبردست رو ہوگیا۔ اجتماعیت کی اس طرح تعریف کی جاتی ہے "یہ وہ شعبۂ خیال ہے جو مملکت کی مداخلت کو خواہ اس سے انفرادی آزادی کو تھوڑا بہت نقصان ہی کیوں نہ پہنچے اس وجہ سے ضروری خیال کرتا ہے کہ عوام الناس کو اس سے فائدہ پہنچے۔"[1] جن اسباب سے یہ تبدیلی رائے ہوئی ہے وہ بہتیرے ہیں خود اس زمانے میں بھی جبکہ ابھی انفرادیت زوروں پر تھی موجود الوقت معاشرتی حالات کے ایسے نقاد موجود تھے جو "عدم مداخلت" سے انکار کرتے تھے اور معاشرتی انصاف کی خاطر حکومت کی مداخلت کا پرچار کرتے تھے کیونکہ یہ بات واضح ہوچکی تھی کہ "انفرادی آزادی" اور "اپنی آپ مدد" کی تعلیم عوام کو فلاکت و افلاس سے نجات نہیں دلا سکی۔ کارخانوں سے متعلق جو سب سے پہلے قوانین تھے تو ان سے اجتماعیت کا انفرادیت پر غلبہ معلوم ہونے لگا۔ انیسویں صدی کے تیسرے ربع میں تجارتی اتحادیت کی ترقی ہوئی اور اس سے مہارت طلب تجارتوں میں مزدوروں کے ہاتھ پیر مضبوط ہوئے اور ۱۸۶۷ء کے قانون اصلاح سے ان کو بہت کچھ سیاسی زور حاصل ہوگیا جو انھیں اس سے پہلے کبھی حاصل نہیں ہوا تھا۔ "عدم مداخلت" کے زمانے کی اصلاحیں سب طبقۂ اعلیٰ اور متوسط کا کام تھا اور ان پارلیمنٹوں کا کام تھا جن پر یہ طبقے حاوی تھے۔ لیکن مزدور بہ حیثیت ایک طبقے کے انفرادی نہیں ہوئے۔ تجارتی اتحاد ان کو اجتماعی کام کے فائدے بتانے لگے اور یہ لوگ متوسط طبقے سے زیادہ حکومت کو اپنی امیدوں کا مرکز سمجھنے لگے تاکہ معاشرتی بہبود کے لئے ذرائع اختیار کیے جائیں۔ انیسویں صدی کے اختتام سے پہلے تجارتی اتحاد کے حلقوں میں اشتراکی تعلیم بہت سرعت کے ساتھ ترقی کرنے لگی اور خود طبقۂ متوسط میں سے بہت سوں کو اپنا ہمخیال بنالیا۔ انیسویں صدی کے آخری عشرے میں تجارتی اتحادیت سے ایک اشتراکی سیاسی فریق یعنے ایک جداگانہ لیبر فریق پیدا ہوگیا اور بیسویں صدی کے

---

[1] اے وی ڈیسی۔ انیسویں صدی کے دوران میں قانون اور رائے عامہ کے درمیان تعلقات۔ دوسری طبع ۲۹۔

اوائل میں ایک لیبر فریق قائم کردیا گیا جس کی تنظیم بہت بگڑی ہوئی تھی ۱۹۰۶ء کے عام انتخاب میں اس فریق نے دار العوام کی کوئی انتیس نشستیں حاصل کرلیں اور لبرل فریق جو عین اس انتخاب سے پہلے برسر اقتدار ہوا تھا ایک ایسے پیشنامہ کا پابند ہوگیا جو ایک کامل معاشرتی تعمیر پر مبنی تھا چنانچہ ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۴ء تک جب کہ جنگ عظیم چھڑ گئی ایک ایسا زمانہ ہے جس میں اس قدر جلد اجتماعی اصلاحیں ہوئیں جن کی پہلے نظیر نہیں ملتی۔ جنگ کی ضروریات سے حکومتی کاروبار کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا یعنے جدید عاملانہ محکمے اور انتظامی ادارے قائم ہوگئے۔ اکثر پرانے محکموں کا کام بہت پھیل گیا اور سول ملازموں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا اور نظم ونسق کے پھیلنے کی وجہ سے خرچ بھی بڑھ گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی حکومت اس قدر "دفتریت" کے ہاتھ میں آگئی کہ اس کے پہلے نہ تھی۔ اگرچہ صلح ہوتے ہی جنگ کے زمانے کی ہوتتی تنظیمیں ختم تو ہوگئیں لیکن اس کے برخلاف مابعد جنگ تنظیم جدید کا کام جاری رہا تو اس کے لئے حکومت کی مداخلت اور نگرانی اور بڑھ گئی۔

"دفتریت" کی ترقی۔ اس کے علاوہ حکومت نے اپنے کو عام بہبودی کی خاطر صنعت وحرفت کے ضابطوں اور معاشرتی تعلقات تک محدود نہیں رکھا بلکہ وسیع پیمانے پر خود کاروبار میں حصہ لیا۔ ڈاک خانوں کے ذریعے جہاں اس وقت مجموعی تعداد میں سے آدھے سے زیادہ سول ملازم مامور کئے جاتے ہیں حکومت نہ صرف خطوط اور پارسل پہنچاتی ہے بلکہ تار اور ٹیلیفون کا بہت بڑا کام انجام دیتی ہے اور سیونگ بنک چلاتی ہے۔ ایک سرکاری ادارہ جس کو مرکزی مجلس برق کہتے ہیں برقی رو خریدتا اور بیچتا ہے اور ایک دوسرا ادارہ جس کو مجلس نشر برطانیہ کہتے ہیں ایک سرکاری اجارے کے طور پر نشر کا انتظام کرتا ہے۔

زمانۂ حال کے مولف جو حکومت انگلستان پر روشنی ڈالتے ہیں وہ مستقل سول خدمات کا جس کو بعض اوقات "دفتریت" کہا جاتا ہے اور جس کا حکومت میں جو حصہ ہے بہت زور دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر پروفیسر آگ

کہتے ہیں کہ "گو اس کا حصہ وزارت سے بہت کم ہے لیکن سچ تو یہ ہے یہ کم اہم نہیں ہے۔" اور مسٹر رامزے میور کہتے ہیں کہ "یہ ہمارے نظام حکومت میں بہت پرزور اور قومی عنصر ہو گیا ہے۔ گو قانون کی نظر میں اس کے ہاتھ میں کوئی باضابطہ اقتدار نہیں ہے۔" اوائل بیسویں صدی کی اصلاحی قانون سازی سے منتقل سول سروس پر جو اثرات پڑے ہیں اس کو مسٹر سڈنی لو نے ۱۹۱۳ء میں اس طرح بیان کیا تھا۔ اپنی کتاب "حکومت انگلستان" کی جدید اشاعت کے مقدمے میں وہ کہتا ہے:۔

آخری عشرے میں ایک جدید "دفتریت" کی تخلیق ہو گئی جس کی فوج میں انسپکٹر اعداد و شمار کے حکام محصول وصول کرنے والے۔ فہمائش کرنے والے۔ مالیت کا تعین کرنے والے اور اہلکار شامل ہیں۔ انگریز ہمیشہ اس "سرکاریت" سے بدگمان رہے ہیں .... سول ملازم خواہ وہ مرکزی ملازم ہو یا بلدی کبھی قابل تحسین اور خوشنودی نہیں سمجھا گیا بلکہ ایک ضروری برائی سمجھا گیا۔ تاہم اس حکومت دفتری کی تعداد اور اس کے متعدد فرائض کا زیادہ ہونا ضروری تھا اور اس کی پہلے سے پیشبندی کی گئی تھی۔ جو حکومت تحتانی اور وسطانی تعلیم کی نگرانی کرتی ہے۔ بوڑھوں کے وظایف فراہم کرتی ہے۔ بیمے کے غیر معمولی کاروبار انجام دیتی ہے۔ صنعتی آبادی کے ایک بڑے حصے کو طبی امداد دیتی ہے ملک کی ارضی جائدادوں کی پیمایش اور تعین مالیت کرتی ہے، اور اوارات مزدوران کا انتظام کرتی ہے ظاہر ہے کہ اس کے لئے ملازمین کا ایک بہت بڑا طبقہ ضروری ہے۔ جس طرح موجودہ حالات میں پیشہ ور سیاس پیدا ہوئے اس طرح کسی نہ کسی قسم کے پیشہ ور صاحبان نظم و نسق کا پیدا ہونا ضروری تھا۔"

سول سروس کی اصلاح۔ جو حکام ان حالات میں مامور کئے جاتے تھے

لہ۔ حکومت انگلستان اور سیاسیات ۲۰۷

سلہ۔ "برطانیہ پر کس طرح حکومت ہوتی ہے" ۶۶

جو اٹھارھویں اور اوائل انیسویں صدی میں پائے جاتے تھے وہ کام انجام نہیں دے سکتے تھے جو موجودہ برطانوی سول سروس کے اوپری مدارج میں انجام پاتا ہے۔ اس لیے انیسویں صدی کے اوائل میں ایک تحریک شروع ہوئی جس کا منشا یہ تھا کہ حکام کی اہلیت بہتر ہو۔ ۱۹۲۰ء میں ایک ضابطہ یہ اختیار کیا گیا کہ کروڑ گیری کی بڑی خدمات چھوٹی خدمات سے ترقی دے کر پر کی جائیں اور دس سال کے بعد یہ ترقی عام طور پر مسدود کردی گئی کہ یہ فریقانہ اسباب سے نہ ہو۔ ۱۸۳۰ء اور ۱۸۵۰ء کے درمیان تمی محکموں میں اس بات کا انتظام کیا گیا کہ خدمات کے لیے جو امیدوار ہوں ان کا امتحان لیا جائے تاکہ اس ذریعے سے نااہل لوگوں کا تقرر نہ ہوسکے گو کھلے امتحان مقابلہ کا نظام جس کی بنتھم نے تجویز کی تھی اب تک اختیار نہیں کیا گیا۔ جن امیدواروں کا امتحان لیا جاتا ہے ان کی نامزدگی ابھی مربیانہ طریق سے عمل میں آتی ہے۔ جس طریق کو "نظام اہلیت" کہتے ہیں اور جو کھلے امتحان مقابلہ پر مبنی ہے سب سے پہلے ۱۸۵۴ء میں ہندوستان کی سول سروس میں اختیار کیا گیا اور یہ زیادہ تر مکالے کی محنت کا نتیجہ تھا جو ہندوستان میں ایک بڑی خدمت پر فائز تھا اور جس کو ہندوستانی نظم و نسق کی اصلاح سے گہری دلچسپی تھی۔ اسی اثنا میں گلاڈسٹن جو اس زمانے میں وزیر مال تھا ایک کمیشن جس میں سر اسٹافورڈ نارتھ کوٹ اور سر چارلس ٹریویلن تھے اس غرض سے مقرر کی کہ وہ سول سروس کی تنظیم کی تحقیق کرے۔ آخر الذکر مکالے کا بہنوئی تھا اور یہ بہت زمانے سے اصلاح سول سروس میں دلچسپی لیتا تھا اور اس وقت مستقل معتمد خزانہ تھا اس کمیشن کی رپورٹ ماہ نومبر ۱۸۵۳ء میں پیش ہوئی۔ اس کو وہ بنیاد سمجھنا چاہیے جس پر برطانیۂ عظمیٰ کی موجودہ سول سروس کی تعمیر کی گئی ہے۔ مامورین نے اس بات کا اظہار کیا کہ ملک کی حکومت بغیر کارکردہ مستقل حکام کے نہیں چلائی جاسکتی جن کی حیثیت ایسی ہو کہ وہ وزرا کے پیچھے تو ہوں .... لیکن ان میں ایسی خود کفیل خود اختیاری۔ سیرت قابلیت تجربہ ہو جس کی مدد سے وہ ان کو جو وقتاً فوقتاً ان کے اوپر مامور کیے جائیں مشورہ اور مدد دے سکیں اور ایک حد تک

ان پر اثر ڈال سکیں" اس رپورٹ کی بنیادی سفارش یہ تھی کہ میعادی کھلے امتحانات مقابلہ ہوں جن کے ذریعے سے سول سروس کا تقرر عمل میں آئے اور ان کے علاوہ نظم و نسق کے اس امتیاز کے مطابق جو ذہنی اور میکانی کام ہوتا ہے مختلف قسم کے اور امتحانات رکھے جائیں۔ مامورین نے اس بات پر زور دیا کہ اعلیٰ سول خدمات کے لئے، اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ امتحان مقابلہ کے ذریعے اچھے ہونہار نوجوان "تعلیم کے اسی اونچے معیار سے حاصل ہوں جو ملک میں ہے" اور جو امیدوار امتحان میں کامیاب ہو جائیں ان کو اس بات کی اجازت ہونی چاہئے کہ وہ اپنے درجہ کامیابی کے مطابق اپنی پسند کے محکموں میں داخل ہوں۔ مامورین کا خیال تھا کہ امتحانات کا انتظام اور نگرانی محکموں کے ہاتھ میں نہ ہونا چاہئے بلکہ وہ چاہتے تھے کہ ایک مرکزی مجلس امتحان ایسی قائم کی جائے جس میں ارباب تعلیم اور ایسے اشخاص شریک ہوں جو سرکاری کاروبار سے واقف ہوں اور اُن کی امداد ہو یہ رپورٹ ایسے حلقوں میں پسند کی گئی جن کے دل دکھے تھے اور عمومی جذبہ رکھتے تھے لیکن جو لوگ اس موجودہ نظام سے فائدہ اٹھاتے تھے اور وہ جو کسی نہ کسی وجہ سے تبدیلی کے مخالف تھے اس تجویز کو عہدہ داروں کے تقرر میں عنایت کی جگہ اہلیت آنی چاہئے بری نظر سے دیکھنے لگے۔

حکومت نے دیکھا کہ مامورین کی تمام سفارشوں کو یک لخت اختیار کرنا ضروری نہیں ہے۔ ایک حکم کونسل مجریہ ۲۱ مئی ۱۸۵۵ء کے ذریعے ایک سول سروس مامور یہ جو تین اراکین پر مشتمل تھی اس غرض سے قائم کی گئی کہ یہ اُن اشخاص کی جانچ کرے جو سول سروس کی چھوٹی خدمات کے لئے نامزد ہوئے تھے۔ لیکن کھلے مقابلے کا انتظام تو نہیں کیا گیا بلکہ کئی سال تک یہ ہوا کہ تقررات کچھ مربیانہ طریق اور کچھ محدود مقابلے کے ذریعے عمل میں آئے۔ دار العوام کی ایک منتخب کمیٹی نے ماہ جولائی ۱۸۶۰ء میں یہ رپورٹ پیش کی کہ گو حکم کونسل سے بعض دیرینہ برائیاں مسدود ہو گئی ہیں لیکن اس حکم سے اکثر گڑبڑی کی جاتی ہے اور اس حکم کے مطابق جو مقابلے رکھے جاتے ہیں وہ بڑی حد تک جھوٹے ہوتے ہیں۔ یہ کمیٹی کھلے مقابلے کی موئد تھی لیکن صرف قریب کے

زمانے کے لئے' اس نے صرف اس سفارش پر اکتفا کیا کہ محدود مقابلہ ہو لیکن وہ اصلی اور موثر ہو۔ حکومت نے اس کی سفارشیں منظور کرلیں اور آئندہ دس سال تک سول سروس کی بھرتی بڑی حد تک اس طرح ہوئی کہ نامزدہ امیدواروں کا امتحان مقابلہ لیا گیا۔ ایک حکم کونسل مجریہ ۴ جون ۱۸۷۰ء کے ذریعے کھلا امتحان مقابلہ چند مستثنیات کے ساتھ لازمی قرار دیا گیا کہ اس کے ذریعے سے ملازمت میں داخلہ ہوگا۔ اس کے بعد کئی ایک شاہی مامور اس غرض کے لئے مقرر کئے گئے۔ کہ سول سروس کی تحقیق کریں اور رپورٹ پیش کریں اور ان کی سفارشوں کی روشنی میں متعدد ترمیمیں اور تبدیلیاں کی گئیں۔ منجملہ ان کے سب سے زیادہ جدید ٹوملن مامور یہ تھا جو ۱۹۲۹ء میں مقرر ہوا اور ۱۹۳۱ء میں اس نے رپورٹ پیش کی تھی۔

ہمیں اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ سول سروس کے تاریخی ارتقا کا پتہ لگائیں لیکن اس کی موجودہ تنظیم اور فرائض سے متعلق کچھ نہ کچھ کہنا چاہئے۔ ٹوملن ماموریہ کی رپورٹ میں سول ملازموں کی یہ تعریف کی گئی ہے۔ "یہ شاہی ملازم ہوتے ہیں جو غیر سیاسی حیثیت میں مامور کئے جاتے ہیں اور ان عہدہ داروں کے علاوہ ہوتے ہیں جو سیاسی اور عدالتی خدمات پر فائز ہوتے ہیں اور جن کے مشاہرے بالکلیہ اور براہ راست ان رقوم سے ادا کئے جاتے ہیں، جن کی پارلیمنٹ منظوری دیتی ہے"۔ اس طرح سول سروس کے دائرے سے نہ صرف وزراء یعنی عاملانہ محکموں کے صدر اور پارلیمنٹی معتمدین عادل۔ فوجی اور بحری حکام خارج ہو جاتے ہیں بلکہ مقامی حکومت کے تمام حکام یعنے جوانان کوتوالی اور مدرسین وغیرہ نیز ہندوستان اور مستعمراتی خدمات والے جن کے مشاہرے برطانوی میزانیہ میں شریک نہیں ہوتے خارج ہو جاتے ہیں اس تعریف کے مطابق سول ملازموں کی جملہ تعداد ۱۹۳۱ء میں تقریباً ... ۴۸۵ تھی جن میں تقریباً ... ۱۲۳ صنعتی کارگزار شامل تھے جو کارخانہ ہائے جہاز رسانی مخزن اسلحہ ڈاک خانے اور دوسرے محکموں میں کام کرتے تھے اور تقریباً ... ۱۰۰ دست کار ملازم تھے جو زیادہ تر ڈاک خانوں میں نوکر تھے جیسے ٹیہ رسال

ٹپہ چننے والے۔ تار اور ٹیلیفون میں کام کرنے والے۔ اور تقریباً ۱۸۰۰۰ قاصد۔ حمال۔ چوکیدار اور ہر بابی عورتیں تھیں۔ اس کے علاوہ سول سروس میں متعدد انتظامی اہلکارانہ طبقے اور پیشہ ورعلمی اور فنی طبقے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ انہیں طبقوں کی مدد سے جو حکومت کے مختلف محکموں میں کام کرتے ہیں نظم و نسق کا متنوع اور پیچیدہ کام انجام پاتا ہے۔

سب سے اونچا طبقہ جس کو "اعیان سول سروس" کہا جاسکتا ہے "انتظامی طبقہ" کہلاتا ہے محکمۂ خارجہ، سیاسی اور سفارتی خدمات کے کارکنوں کو خارج کرکے اس میں ۱۹۳۰ء میں کوئی ۱۱۰۰ عہدہ دار تھے۔ ان کا تقرر امتحان مقابلہ کے ذریعے ہوتا ہے جو عورتوں و مردوں دونوں کے لئے کھلا ہوتا ہے بشرطیکہ وہ بائیس اور چوبیس سال کے درمیان ہوں اور دوسرے طبقوں سے ترقی بھی دی جاتی ہے۔ اور امتحان جس میں فنی تربیت کی آزمائش نہیں بلکہ عام استعداد دیکھی جاتی ہے بہت سخت قسم کا ہوتا ہے اور اس میں صرف وہی لوگ پاس ہوتے ہیں جو کسی جامعہ کی آنر ڈگری حاصل کرتے ہیں۔ ان کامیاب امیدواروں کی بڑی تعداد آکسفورڈ اور کیمبرج سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی طبقے میں عاملانہ محکموں کے مستقل معتمد، مددگار معتمد، صدر اور نائب صدر داخل ہیں۔

برطانوی حکومت کے جو عاملانہ محکمے ہیں وہ مختلف زمانوں میں قائم ہوئے ہیں اور اس لئے ان کی تنظیم میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ بعض تو ایسے ہیں جو قرون وسطیٰ میں قائم ہوئے ہیں اور بعض جنگ کے بعد وجود میں آئے ہیں۔ ان محکموں کے صدر جو مختلف طریقوں سے موسوم ہوتے ہیں وزرا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مثلاً "وزیر مملکت برائے امور خارجہ" صدر امیر بحریہ۔ صدر مجلس تجارت وزیر صحت۔ ان میں جو لوگ بہت اہمیت رکھتے ہیں وہ وزیر اعظم کی رہنمائی کے تحت کابینہ کے رکن ہوتے ہیں۔ وزرا کے تحت پارلیمنٹی معتمدین ہوتے ہیں جو اپنے صدر کی طرح وزارت کے اراکین ہوتے ہیں گو کابینہ کے اراکین نہیں ہوتے۔ وزرا اور پارلیمنٹی معتمدین دونوں دارالعوام

یا دارالامرا کے اراکین ہوتے ہیں۔ سنہ ۱۹۲۹ء میں مسٹر رامزے میکڈانلڈ نے جو وزارت ترتیب دی تھی اس میں قصر شاہی کے آدھے درجن حکام کے ساتھ باسٹھ اراکین تھے۔ منجملہ ان کے انیس کابینہ میں نشست کرتے تھے۔ وزرا اور پارلیمنٹی معتمدین کے تحت محکموں کے مستقل عہدہ دار ہوتے ہیں۔

وزرا اور سول ملازم۔ بعض اہم حیثیتوں سے وزرا اور ان کے ماتحت سول ملازموں کے درمیان ایک تضاد ہوتا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ اول الذکر کی نوعیت سیاسی ہوتی ہے اور آخر الذکر غیر سیاسی وزرا سیاسی رہنمایان فریق اور پارلیمنٹ کے اراکین ہوتے ہیں اور ان عہدوں پر ان کا تقرر بالعموم انھیں خدمات اور اعزاز کی وجہ سے ہوتا ہے نہ کہ انتظامی قابلیت کی وجہ سے۔ برخلاف اس کے سول ملازمین کو سوائے رائے دہی کے سیاست میں حصہ لینے کی اجازت نہیں۔ وہ پارلیمنٹ سے خارج رہتے ہیں۔ ملازمت میں ان کا داخلہ اور مابعد ترقیاں محض اس صداقت پر ہوتی ہیں کہ یہ اپنی انتظامی قابلیت اور ترقی کا ثبوت دیں۔ چونکہ وزرا رہنمایان فریق ہوتے ہیں اس لئے یہ صرف اس وقت تک اپنی خدمات پر فائز رہتے ہیں جب تک کہ فریق برسر حکومت ہوتا ہے بالعموم وزارت کی تبدیلی سے تمام محکموں کی صدارت بھی بدل جاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں وزرا عارضی ہوتے ہیں۔ اپنے محکموں کا لحاظ کرتے یہ گویا کھیت کی چڑیاں ہوتی ہیں۔ برخلاف اس کے سول ملازمین مستقل ہوتے ہیں۔ یوں تو یہ کہا جاتا ہے اور صحیح کہا جاتا ہے کہ ان کی ملازمت تاج کی خوشنودی پر منحصر ہے لیکن حقیقت میں بغیر کسی بدرویہ کے یہ خدمت سے علیحدہ نہیں کئے جاتے۔ اس طریقے سے ایک وزیر تو اپنے محکمے کے ساتھ نسبتہً تھوڑے عرصے کے لئے یعنے چند مہینے یا چند سال کے لئے وابستہ رہتا ہے برخلاف اس کے ایک سول ملازم اپنی تمام پیشہ ورزندگی وہیں بناتا ہے۔ ان خصوصیات سے ایک اور تضاد پیدا ہوتا ہے۔ متعلقہ محکمے کے کاروبار میں جہاں مختلف جدوجہد ہوتی ہے اور کام خاص معلومات اور تربیت کا طالب ہے

وزیر تو لازمی طور پر نومشق ہوتا ہے جب اس کا تقرر ہوتا ہے تو وہ اپنے محکمے سے متعلق کچھ نہیں جانتا یا بہت تھوڑا جانتا ہے اور جب تک وہ برسر خدمت رہتا ہے اس کو اتنی مہلت نہیں ملتی کہ وہ اپنے محکمے کو زیادہ وقت دے سکے۔ رکن کابینہ اور رکن پارلیمنٹ اور رہنمائے فریق کی حیثیت میں ان کے فرائض اور کاروبار اتنے کثیر ہوتے ہیں کہ اس میں ان کا سارا وقت اور توجہ صرف ہو جاتی ہے۔ محکمے کو چلانے کے لئے جن فنی معلومات کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب ان کے سول ملازم بہم پہنچاتے ہیں برطانوی نظام حکومت کو "نومشقوں کی حکومت" کہا جاتا ہے۔ وہ بڑی حد تک گمراہ کن ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وزرا نومشق ہوتے ہیں لیکن آج محکموں کا تقریباً سب کام سول ملازم انجام دیتے ہیں اور جب وزرا فیصلہ یا تصفیہ کرتے بیٹھتے ہیں تو وہ بالعموم اپنے مستقل معتمدین یا اپنے محکموں کے فنی مشیروں سے مشورہ کرتے ہیں ایک اور تضاد یہ ہے کہ ہر وزیر اپنے محکمے کے ہر کام کا ذمہ دار ہے اور سول ملازم ذمہ دار نہیں ہے۔ اگر محکمے کے کسی کام کی وجہ سے کسی وزیر پر پارلیمنٹ میں حملے ہوں تو وہ ان الفاظ سے اپنی مدافعت کر سکتا ہے کہ وہ کام اس کے ماتحتوں سے یا ان کے مشورے سے ہوا ہے۔ برخلاف اس کے اگر اس کے محکمے کا کام کامیاب ہو تو اس کا سہرا اسی کے سر ہوتا ہے۔ وزرا ہمیشہ خواہ وہ پارلیمنٹ میں ہوں یا منظر عام پر آئیں یا اخبار لکھے جائیں ہمیشہ عام لوگوں کی نظروں میں ہوتے ہیں۔ ان کو مسلسل بولنا پڑتا ہے۔ اس کے برعکس ایک قاعدہ یہ ہے کہ سول ملازم اپنے محکمے کے کام کے متعلق باہر کچھ کہہ سکتے ہیں نہ اپنے کام کے متعلق کچھ خراج تحسین کے طالب ہو سکتے ہیں۔

نظم و نسق کے کام۔ عاملانہ محکموں میں جو کاروبار انجام پاتے ہیں اس باب میں ان کے پورے تنوع اور حجم کا تمام اظہار تو کجا ان کا خلاصہ بھی دینا ناممکن ہے[1] اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کام کا بڑا حصہ ایسا ہے جس کی

[1] ان جلدوں میں جو سلسلہ وہیٹ ہال کہلاتے ہیں اور جن کو سر جیمز مرچنٹ نے شایع کیا ہے

نوعیت روزمرہ کام کی سی ہے لیکن بلند مدارج میں ان کو مہارت طلب معلومات پختہ قوت فیصلہ اور سیاسی گرید کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ بالکل عاملانہ نہیں ہوتا بلکہ اس میں موجودہ قوانین کے نفاذ سے زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔ اس میں انصرام کار اور انتظامی طریقۂ کار اور مسلک کا مطالعہ اور ان کو بہتر سے بہتر بنانے کے ذرایع سوچنا اور مقننانہ مجوزات کی تشکیل بھی شامل ہے محکمۂ مستعمرات کے ایک سمجھدار اور تجربہ کار عہدہ دار نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ "ایک کام تو یہ ہے کہ جس طرح کام ہونا چاہئے اس کو اسی طرح کر دیا جائے، دوسرے یہ تجویز کرنا کہ کیا ہونا چاہئے۔ برطانوی حکومت کی روش جو ابتک رہی ہے وہ یہ ہے کہ وہ صرف اول الذکر کام کرتی ہے"۔ یہ ۱۸۳۶ء کے الفاظ ہیں جب کہ اصول عدم مداخلت ہنوز زور دن پر تھا۔ یہ کہنا کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ اب یہ نظم و نسق کا ایک کام اس بات کی تجویز کرنا ہے کہ کیا کرنا چاہئے اور اس کے لئے بلند پایہ معلومات، قوت فیصلہ اور وقت نظر کی ضرورت ہے۔

ارتقائے نظم و نسق کے سلسلے میں دو ترقیاں ایسی ہیں جو بہت کچھ بحث و تمحیص کی باعث ہوئی ہیں اور جو لوگ موجودہ تاریخ دستور انگلستان کا مطالعہ کرتے ہیں ان کو اس پر توجہ کرنی چاہئے اولاً انتظامی قانون سازی ہے جس کو بالعموم مفوضہ قانون سازی کہتے ہیں اور ثانیاً انتظامی عدل گستری ہے۔

مفوضہ قانون سازی۔ مرکزی حکومت کی تمام قانون سازی کا نسبۃً ایک تھوڑا حصہ ہے جو اس زمانے میں پارلیمنٹ براہ راست انجام دیتی ہے وہ ان گنت قواعد، ضوابط اور احکام جو ذیلی حکام بناتے ہیں اور جن کو پارلیمنٹ نے قانون سازی کے اختیارات عطا کر دیے ہیں وہ حجم میں پارلیمنٹ کے موضوعہ قوانین سے کہیں زیادہ ہوتے ہیں۔ اگر مثال کے لئے صرف ۱۹۲۷ء لیا جائے تو اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اختیار قانون سازی کی تفویض کس حد تک پھیل گئی تھی کیونکہ اس میں پارلیمنٹ نے مجملاً تینتالیس عمومی قوانین کے

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ لاتوں مصنفوں نے مختلف محکموں کی تنظیم اور ان کے کام کی تفصیل دی ہے۔

جو اس سال پاس کئے تینتیس قوانین تفویضی بنائے تھے۔ ایسے مفوضہ وضع قوانین بہ سرکاری طور پر ۱۸۹۳ء کے بعد سے اس سلسلۂ مجلدات میں شایع ہوئے ہیں جو قواعد و احکام موضوعہ" کہلاتے ہیں۔ ۱۹۲۶ء سے ۱۹۲۸ء تک بہ شمول ہر دو سنہ قوانین موضوعہ کی تعداد اوسطاً ۵ سالانہ تھی برخلاف اس کے قواعد و ضوابط اور احکام کی تعداد اوسطاً ۱۰۰ اسے زیادہ رہی۔ سر سیسل ٹی کار کے الفاظ ہیں جو اس وقت "قواعد و ضوابط موضوعہ" کا مولف ہے "کتاب قانون موضوعہ اس وقت تک نہ صرف ناقص بلکہ گمراہ کن ہے جب تک اس کو مفوضہ وضع قوانین کے ساتھ نہ پڑھا جائے کیونکہ مفوضہ قواعد اس کی وضاحت کرتے ہیں اور اس کی ترمیم کرتے ہیں"۔ مفوضہ اختیار قانون سازی کے بڑے حامل وزرا ہوتے ہیں گو بعض مرتبہ یہ اختیار پادشاہ بہ اجلاس کونسل کو اور بعض مرتبہ دوسرے اقتدار کو دیا جاتا ہے۔ جب یہ اختیار پادشاہ بہ اجلاس کونسل دیا جاتا ہے تو اس وقت بھی کوئی نہ کوئی وزیر ہی اس کو استعمال کرتا ہے اور حکم کونسل اس کے متعلقہ محکمۂ عاملہ میں مرتب ہوتا ہے۔ موضوعہ احکام کونسل اور محکمہ جاتی ضوابط کے درمیان جو وزرا کے نام سے شایع ہوتے ہیں جو فرق ہے وہ صرف شکل و صورت کا ہے۔ متن کا کوئی فرق نہیں ہے۔

اختیار قانون سازی کی یہ تفویض جو پارلیمنٹ کی طرف سے کی جاتی ہے وہ موجودہ تاریخ انگلستان تک ہی محدود نہیں ہے۔ اس کی بعض مثالیں ٹیوڈر دور میں خصوصاً ہنری ہشتم کے عہد میں بھی پائی جاتی ہیں اور اکادکا مثال اٹھارھویں صدی میں بھی ملتی ہے۔ لیکن انیسویں صدی کے وسط سے پہلے اس کی مثالیں بہت نایاب اور نسبتہً بہت شاذ ہیں[1]۔ یہ پہلے ظاہر کردیا گیا ہے کہ حکومت کے کاروبار بہت مختصر اور سیدھے سادے تھے اور

[1] سب سے پہلے لکھنے والوں میں جنھوں نے حکومت انگلستان پر قلم اٹھایا ہے اور اس پر خاص توجہ کی ہے وہ الفیس ٹاڈ ہے جس نے "پارلیمنٹی حکومت انگلستان" لکھی ہے۔ اس تصنیف کی دوسری اشاعت میں جو ۱۸۸۷ء میں شایع ہوئی ہے ایک باب "قانون سازی بذریعۂ محکمہ جات عامہ" پر ہے۔

حکومت ملک کے لئے جن قوانین کی ضرورت تھی وہ سب پارلیمنٹ خود بنا سکتی تھی۔ مفوضہ قانون سازی کے پھیلاؤ کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ کاروبار حکومت کا دائرہ وسیع تر ہوگیا۔

یہ معلوم ہوتا ہے کہ اختیار قانون سازی کی تفویض میں پارلیمنٹ نے صرف فوری ضروریات اور سہولت کو مد نظر رکھا ہے۔ اس طریقۂ عمل کی صحیح حقیقت اور اس کے ممکنہ نتائج کا اندازہ نہیں لگایا۔ اس نے کسی عام اصول کی پابندی نہیں کی اس لئے اگر انتظامی قانون سازی میں بدنظمیاں بے آہنگیاں اور برے نقائص پائے جاتے ہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ ایک کمیٹی جس کو "کمیٹی تحقیقات اختیارات وزرا" کہتے ہیں ۱۹۲۹ء میں لارڈ چانسلر نے اس غرض سے منعقد کی تھی کہ وہ مقننانہ اور عدلیانہ اختیارات کی جو وزرا استعمال کرتے ہیں تحقیق کرے۔ اس کمیٹی کا فیصلہ یہ تھا کہ مفوضہ قانون سازی کے نظام میں بشرطیکہ وہ نظام کہا جاسکے جو نقائص پائے جاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا بے رکا ارتقا ہوا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ پارلیمنٹی قانون سازی اور مفوضہ قانون سازی میں بنیادی فرق کیا ہے۔ پارلیمنٹ کا اختیار قانون سازی ذاتی اور قانوناً غیر محدود ہے۔ برخلاف اس کے مفوضہ اختیار قانون سازی خواہ وہ کسی اقتدار کے سپرد کیوں نہ ہوا ہو مشتق ہے اور وہ اس قانون موضوعہ کے الفاظ کا پابند ہے جس کی رو سے یہ اختیار تفویض ہوا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ برطانیۂ عظمیٰ کی عدالتیں تو کسی قانون موضوعہ کے جواز پر انگلی نہیں اٹھا سکتیں لیکن مفوضہ قانون سازی کے جواز پر انگلی اٹھا سکتی ہیں اور اپنا فیصلہ کر سکتی ہیں اور بعض دفعہ یہ فیصلہ کرتی ہیں کہ یہ بے موقع ہے یعنے قانون ساز اقتدار کے اختیار سے متجاوز ہے اور اس لئے غیر مصدقہ ہے۔ گو بعض مرتبہ اختیار قانون سازی ان الفاظ میں تفویض کیا گیا ہے کہ اس سے عدالت کا یہ اختیار استعمال بالکل خارج نہیں کیا گیا تو بہت محدود کردیا گیا ہے۔

اب اس کے بعد ہم اختیارات قانون سے متعلق جو پارلیمنٹ نے عاملہ کے

تفویض کئے ہیں یہ دیکھیں گے کہ اس کی ماہیت اور وسعت کیا ہے اور ان اختیارات کے غلط اور بے ڈھنگے استعمال کے خلاف کیا تحفظات ہیں۔ نیز اس انتظامی قانون سازی کی کیا تنقید اور توصیف ہو سکتی ہے اور اس کی اصلاح کی بابت کیا تجویزیں کی گئی ہیں

غیر معمولی اختیارات کی تفویض ۔ جو اختیارات قانون سازی عاملہ کو دیے گئے ہیں ان کی ماہیت اور وسعت کی جانچ پڑتال کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ ہم "کمیٹی تحقیقات اختیارات وزرا" کے نقش قدم پر چلیں اور دیکھیں کہ پارلیمنٹ کے اس طریقۂ عمل میں جس کو معمولی اور غیر معمولی طریقۂ عمل کہتے ہیں کیا فرق ہے۔[1] معمولی طرز کی تفویض میں مفوضہ اختیارات کے حدود وضاحت کے ساتھ دکھائے گئے ہیں اور وہ عدالتوں کے ذریعے سے نافذ کئے جا سکتے ہیں۔ اور جس اقتدار کو یہ اختیار تفویض کیا گیا ہے وہ اس بات کا مجاز نہیں ہے کہ وہ اصولی امور یعنے اجرائے محاصل ۔ یا قوانین پارلیمنٹ کی ترمیم کی بابت قوانین بنائے ۔ اگر عمل تفویض ہمیشہ اسی قسم کا ہوتا رہتا تو اس سے غالباً عام بے اطمینانی بہت کم پیدا ہوتی۔ لیکن بعض صورتوں میں غیر معمولی اختیارات دے دیے گئے ہیں اور بہت سوں کی رائے تو یہ ہے کہ بعض اختیارات اس نوعیت اور وسعت کے ہیں کہ ان سے عاملہ کو ایک خطرناک اختیار تمیزی مل جاتا ہے اور افراد ملک کی آزادی کے لئے ایک کھلے خطرے کا باعث ہوتا ہے۔ کبھی کبھی وزرا کو ایک غیر محدود اور غیر مصرح اختیار تمیزی بھی دیا گیا ہے کہ وہ اصولی امور کی بابت قانون بنائیں۔ اس قسم کے تفویض کی ایک مثال ۱۹۳۰ء کے قانون غربا میں پائی جاتی ہے جو وزیر صحت کو اس بات کا مجاز گردانتا ہے کہ وہ غربا کے انتظام کے لئے جس طرح مناسب سمجھے ضابطے بنائے اس جواز کے تحت وزیر مذکور حکمت عملی کے معاملات میں بھی اہم تبدیلیاں کر سکتا ہے۔

[1] رپورٹ کمیٹی تحقیقات اختیارات وزرا۔ ۱۹۳۲ء جو ایچ ایم دفتر سربراہی صادر سے شایع ہوئی ہے۔ ۴۰۶۰۔ ۳۰۔

جنگ عظیم کے بعد چند ایسی مثالیں بھی وجود میں آئی ہیں۔ جن میں
اجرائے محاصل کے اختیارات تفویض کئے گئے ہیں۔ اس کی سب سے نمایاں
صورت ۱۹۳۲ء کا قانون محاصل درآمد ہے جس کا گزشتہ باب میں ذکر کیا گیا ہے
اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ "یہ پارلیمنٹ کے وضع کئے ہوئے سب سے اہم
تفویضی قانون میں سے ہے"۔ یہ ایک عام محصول ہے اور اس سے ان تمام اشیا
پر جو سلطنت متحدہ میں درآمد کی جائیں دس فی صدی کا زر کروڑ گیری عائد کرتا ہے۔
اس سے صرف وہ چیزیں مستثنیٰ ہیں جن کی صراحت کردی گئی ہے۔
اس قانون کی ایک دفعہ یہ ہے کہ کمیٹی مشاورتی محاصل درآمد کی سفارش پر خزانہ
اس بات کا مجاز ہوگا کہ خاص نوعیت کی درآمد پر زائد محاصل عائد کرے گو یہ بھی
ضروری ہے کہ خزانے کا ہر حکم جو ان اغراض کے لئے جاری کیا جائے دارالعوام
کے سامنے پیش کیا جائے اور جب تک دارالعوام کی قرارداد سے یہ منظور نہ ہو جائے
ایک مقررہ میعاد کے بعد غیر تعمیلی ہو جاتا ہے۔
پارلیمنٹ کے چند قوانین سے جو ۱۸۸۸ء کے بعد نافذ ہوئے ہیں وزرا
کو یہ اختیار مل گیا کہ ان قوانین کے ضابطوں میں تبدیلی کر سکتے ہیں۔
اختیار قانون سازی کی یہ غیر معمولی عطا کی ایک مثال ۱۹۲۵ء کے "قانون
تعین مالیت و شرح" میں پائی جاتی ہے جس کا "دفعہ ہنری ہشتم" لقب پڑ گیا ہے۔
اس میں اس بات کا تعین کیا گیا ہے کہ "اس قانون کو کسی خاص رقبے پر منطبق کرنے میں
.... یا کسی اور طریقے سے اس قانون کے منشا کو عمل میں لانے میں
کوئی دقت لاحق ہو تو وزیر اپنے حکم سے دقت رفع کر سکتا ہے .... یا
کوئی ایسی چیز کر سکتا ہے جو اس کے لئے ضروری اور برمحل معلوم ہو .... تاکہ
مذکورہ دفعات عمل میں آسکیں یا کوئی ایسا حکم اس قانون کے منشا میں اس حد تک
تبدیلی کر سکتا ہے کہ وہ وزیر کو اپنا حکم عمل میں لانے کے لئے ضروری اور برمحل
معلوم ہو"۔ اس قسم کے اختیارات قانون سازی کی تفویض صرف آٹھ یا نو
قوانین موضوعہ میں ملتی ہے جو ۱۸۸۸ء اور ۱۹۲۹ء کے درمیان پاس ہوئے اور
جب یہ وضع ہوئے تو ان اختیارات کے استعمال کے لئے ایک میعاد مقرر

کردی گئی" دفعہ ہنری ہشتم" کے علاوہ پارلیمنٹ نے گاہے ماہے وزرا کو اس بات کا اختیار دیا ہے کہ وہ قانون عطائے اختیار کو چھوڑ کر دوسرے قوانین کے منشا میں تبدیلی کریں۔

بہت سی مثالیں ایسی ہیں جن میں پارلیمنٹ نے یہ ضابطہ بنایا ہے کہ جو ضابطے مفوضہ اختیارات کے تحت بنائے جائیں ان کا وہی اثر ہو کہ گویا وہ قانون عطائے اختیار میں شامل ہیں مثال کے لئے ۱۹۲۷ء کا قانون غربا ہے۔ یہ وزیر صحت کو اس بات کا مجاز گردانتا ہے کہ وہ اختیارات جو اس کو اس قانون کی رو سے ملے ہیں استعمال کرے۔ یعنے "جو ضابطے وہ بنائے گا ان کا اثر وہی ہوگا کہ گویا وہ اس قانون میں شامل ہیں"۔ ایسے تمام ضابطے جو ان اغراض کے لئے جاری کئے جائیں ان کو عدالتیں اسی نظر سے دیکھیں گی کہ گویا وہ خود قانون کے اجزا ہیں اس قسم کے تعین کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وزرا کے بنائے ہوئے ضابطوں کے جواز پر عدالتیں اعتراض نہ کریں۔ گو عدالتوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس کا اثر یہ نہ ہوگا۔ اگر قانون میں یہ الفاظ استعمال بھی کئے جائیں تو عدالت کسی ضابطے کو اس صورت میں مصدقہ قرار نہیں دے سکتی جب کہ وہ اس قانون کے منشا کے مطابق نہ ہو جس کے تحت وہ ضابطہ بنا ہے یا وہ اختیار مفوضہ کے دائرے کے تحت نہ آتا ہو۔

بعض قوانین موضوعہ میں یہ چیز بھی ملتی ہے جس کو "ضابطہ ثبوت حتمی" کہتے ہیں اور اس کا صرف مقصد یہ ہوگا کہ عدالتوں کا تمام اثر خارج کر دیا جائے۔ اس کی ایک مثال ۱۹۲۴ء کے قانون آمد و رفت لندن میں ملتی ہے جس کی رو سے وزیر نقل و حمل کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ لندن اور لندن کے باہر آمد و رفت کی بابت ضابطے بنائے۔ اس بات کا تعین کیا گیا ہے کہ "اس شعبے کے تحت جو ضابطے بنیں گے وہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ اس کے تمام منشا کو پورا کیا گیا ہے"۔ چند صورتوں میں یہ کیا گیا ہے کہ جو حکم کسی مقامی حکومت کی طرف سے کسی خاص غرض کے لئے مسودے کی شکل میں پیش ہو اور متعلقہ محکمہ حکومت اس کی توثیق کر دے تو یہ توثیق اس

بابت گا قطعی ثبوت ہوگا کہ اس قانون کا منشا پورا کیا گیا ہے۔ حکم قاعدے کے مطابق بنا ہے اور اس قانون کے اختیار کے اندر ہے۔"

تحفظات۔ مفوضہ اختیار قانون سازی کے غیر معقول اور غلط استعمال کے خلاف تین بڑے تحفظات ہیں۔ سب سے پہلے عدالتی تحفظ ہے جو اصول بطلان کے ساتھ مسلح ہے۔ یعنے اگر کوئی اقتدار جس کو اختیار قانون سازی تفویض ہوا ہے ایسا ضابطہ بنائے جو مفوضہ دائرۂ اختیار سے متجاوز ہو تو وہ غیر مصدقہ ہوگا۔ گو ہم یہ دیکھ آئے ہیں کہ قوانین تفویض میں بعض دفعات اس غرض سے بھی شامل کی گئی ہیں کہ عدالتیں ان ضابطوں کے جواز پر، جو اس قانون کے تحت ہیں اعتراض نہ کر سکیں۔ اس کے علاوہ پارلیمنٹ نے دو تحفظات قرار دی ہیں گو یہ تمام اختیارات مفوضہ پر منطبق نہیں ہوتیں۔ پہلا یہ مطالبہ کہ جو ضابطے اس کے تحت ہیں وہ پارلیمنٹ کے سامنے پیش کئے جائیں اور یہ چیز قوانین تفویضی میں پائی جاتی ہے۔ دوسرے اشاعت کی قید ہے جو قانون اشاعت قواعد مجریہ ۱۸۹۳ء کی رو سے قائم ہوئی ہے۔

جب کوئی قانون موضوعہ ضابطہ سازی کی اجازت دیتا ہے تو وہ اکثر اس بات کا پابند بھی کرتا ہے کہ وہ پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا جائے۔ بعض مرتبہ اس کے ساتھ کوئی مزید قید نہیں ہوتی اور بعض مرتبہ مزید قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک مقررہ میعاد کے اندر کوئی ایوان پارلیمنٹ مخالفانہ قرارداد منظور کرے تو وہ ضابطہ منسوخ ہو جائے گا یا کیا جائے گا یا جب تک دونوں ایوان یا دار العوام اس کو منظور نہ کرے وہ ضابطے موثر نہ ہوں گے یا جب تک اس کی بابت منظوری نہ ہو جائے ایک مقررہ میعاد کے ختم ہونے کے بعد یہ موثر نہ ہوں گے۔ اب رہا یہ سوال کہ آیا خاص ضابطے پارلیمنٹ کے سامنے پیش ہوں گے یا نہیں وہ اس قانون پر منحصر ہے جس کے تحت یہ ضابطے بنے ہیں۔ ایسا کوئی عام قانون نہیں ہے کہ اس قسم کے تمام ضابطے پارلیمنٹ کے سامنے پیش ہوں۔

اشاعت کی قید۔ قانون اشاعت قواعد سے نہ صرف اس بات کا

تعین ہے کہ مفوضہ قانون سازی کے اہم شعبے ضابطے بننے کے بعد شایع کیے جائیں بلکہ یہ بھی تعین ہے کہ اِن کی قبل از وقت اشاعت ہو۔ اگر اس قانون کے تحت جسکا منشا ہے کہ ضابطوں کو پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا جائے کوئی ضابطہ مجوزہ ہو جائے تو لندن گزٹ میں کم از کم چالیس دن کی اطلاع دینی چاہئے۔ اور اطلاع میں اس بات کا اظہار ہونا چاہیے کہ مسودۂ ضابطہ کے نقول کہاں دستیاب ہوسکیں گے۔ جہاں تک اس کا عملدرآمد ہے ایک قابل قدر تحفظ ہے۔ کیونکہ اس سے دلچسپی رکھنے والی جماعتوں کو اس بات کا موقع ملتا ہے کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کریں اور تجویزیں پیش کریں اور جو اقتدار ضابطہ بنانا چاہتا ہے اس کو ان تجویزوں پر غور کرنا ضروری ہے۔ لیکن یہ قید ان ضابطوں پر جن کا عمل میں آنے سے پہلے پارلیمنٹ میں پیش ہونا ضروری نہیں ہے اور اِن ضابطوں پر جو خاص معین محکموں کی طرف سے بنتے ہیں اور ان ضابطوں پر جن کا پارلیمنٹ میں پیش ہونا قطعی ضروری نہیں ہے عائد نہیں ہوتی۔

مفوضہ قانون سازی کی تنقید۔ وہ خاص استدلال جو مفوضہ قانون سازی کے عملدرآمد کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے پیش کئے جاتے ہیں کیا ہیں؟۔ اولاً یہ کہا جاتا ہے کہ پارلیمنٹ اس وسیع انبار قانون سازی پر کافی توجہ نہیں کر سکتی جو موجودہ صنعت زدہ قوم کے لئے ضروری ہوتی ہے جب کہ یہ صنعت زدہ قوم اشتراکی خدمت کے اصول کی پابند ہے کہ یہ حکومت کے ذریعے سے عمل میں آئے۔

اس کے علاوہ ادعا یہ ہے کہ موجودہ قانون سازی کے ایک کثیر حصے کا موضوع اس قدر فنی ہوتا ہے کہ ایک قانون ساز جماعت سے اس کا سلجھاؤ نہیں ہوسکتا۔ پارلیمنٹ صرف عام اصول قائم کرا سکتی ہے اور قانون سازی کی تفصیل تو متعلقہ محکموں کے ماہر اچھی طرح مرتب کر سکتے ہیں۔

مزید براں یہ بات نہ صرف پارلیمنٹ کے لئے مناسب بلکہ ضروری ہے کہ وہ عاملہ کو ناگہانی مواقع میں قانون بنانے کا مجاز گردانے پارلیمنٹ ہمیشہ

نشست نہیں کرتی اور اس کا طریقہ کار عاملہ کے بہ نسبت بہت سست ہے۔ "قوانین مدافعت ملک" کی رو سے جو جنگ عظیم کے دوران میں پاس ہوا تھا پارلیمنٹ نے عاملہ کو بہت وسیع اختیارات دیئے تھے کہ وہ امن عامہ اور مدافعت ملک کی خاطر ضروری ضوابط بنائے۔ چنانچہ ان قوانین کے تحت بہتیری مفوضہ قانون سازی ہوئی۔ سنہ ۱۹۲۰ کے "قانون اختیارات ناگہانی" کی رو سے تاج کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ اعلان شاہی کے ذریعے اس بات کی تشہیر کر سکتا ہے کہ اس وقت ناگہانی صورت حال موجود ہے۔ بشرطیکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ "ایک شخص یا ایک جماعت اشخاص ماکولات۔ پانی روشنی یا ایندھن یا ذرائع نقل و حمل کی مداخلت کی صورت میں ایک ایسے فعل کا ایک وسیع پیمانے پر ارتکاب کر جائیں یا ارتکاب کا فوری ڈر ہو جس کا نتیجہ یہ ہو یا ہونے والا ہو کہ قوم یا قوم کا ایک بڑا حصہ لوازم حیات سے محروم ہو جائے۔" جب تک یہ اعلان شاہی جاری ہے بادشاہ بہ اجلاس کونسل کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قوم کو لوازم حیات بہم پہنچانے کے لئے ضروری ضوابط بنائے۔ لیکن پارلیمنٹ کو اس اعلان سے واقف کرانا ضروری ہے۔ اگر اس وقت پارلیمنٹ کا اجلاس نہ ہوتا ہو تو پانچ روز کے اندر پارلیمنٹ طلب کرلی جائے گی۔ اور جو ضابطہ بنے وہ پارلیمنٹ کے سامنے پیش ہونا چاہیئے اور وہ سات روز سے زیادہ موثر نہیں رہ سکتا تاوقتیکہ دونوں ایوان اس کے جاری رہنے کے لئے ایک قرار داد منظور نہ کریں۔ اس "قانون اختیار ناگہانی" کی رو سے جو اختیارات عاملہ کو دیئے گئے وہ سنہ ۱۹۲۶ کی عام اسٹرائیک کے موقع پر استعمال کئے گئے تھے۔

اس مفوضہ قانون سازی کا دوسرا فائدہ یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ لچکدار ہوتی ہے یعنے اس میں تجربے کی روشنی میں نہایت آسانی اور سرعت کے ساتھ تراشش و خراش ہو سکتی ہے جو پارلیمنٹ کے وضع کئے ہوئے قوانین میں نہیں ہو سکتی۔

مفوضہ قانون سازی کے نقاد اس بات کو بالعموم تسلیم کرتے ہیں کہ

جس طرح یہ قانون سازی انگلستان میں ترقی پا چکی ہے اس کا کچھ نہ کچھ حصہ ہونا ضروری ہے لیکن وہ اس نظام کے مختلف خدوخال میں سخت نقائص بتاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مفوضہ قانون سازی صرف فروعات کی حد تک محدود نہیں رہتی ۔ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ اس قدر آگے بڑھ گئی ہے کہ اس سے دستوری اصول ٹوٹ جاتے ہیں اور قانون سازی کے میدان میں عاملہ کا خطرناک حملہ ہو رہا ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ جہاں کہیں اس مفوضہ قانون سازی پر پارلیمنٹ کی نگرانی کا انتظام کیا گیا ہے وہ عملاً موثر نہیں ہے اور بعض مرتبہ اختیار قانون اس قدر عمومی اور مبہم الفاظ میں دیا گیا ہے کہ پارلیمنٹ کا صحیح منشا معلوم نہیں ہوتا اور اس طریقے سے عدلیانہ اقتدار بہت کمزور ہو جاتا ہے ۔ اور یہ لوگ ان کوششوں کے شاکی ہیں جو عدالتوں کو مجبور کرنے کے لئے کی گئیں کہ وہ "بے محل" ہونے کا اصول استعمال نہ کریں[۱۵]۔ انگلستان کے میر مجلس عدالت لارڈ ہیوارٹ نے اپنی کتاب میں جو بہت کچھ جاذب نظر ہو چکی ہے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ "اس وقت ایک اندرونی عقیدہ موجود ہے اور بعض ملتوں میں تو یہ بہت غالب ہو رہا ہے کہ پارلیمنٹی ادارات اور قانون کی حکومت کی آزمائش کی گئی اور وہ بے حقیقت ثابت ہوئے اور اب محکمہ جاتی حکمرانوں کا وقت آگیا ہے جو فن داں اور ہمدرد ہوں گے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ بذات خود قانون ہو جائیں گے۔ برخلاف اس کے اختیارات وزرا پر غور کرنے کے لئے جو کمیٹی بیٹھی تھی اس نے مفوضہ قانون سازی کے تمام موضوع کی کافی تحقیق کی لیکن اس کو اس نقطۂ خیال کی تائید میں جس طرح امیر مجلس نے ظاہر کیا ہے کہ حکام محکمہ جات اپنے لئے شخصی اختیارات حاصل کرنے کے لئے کوشش کر رہے ہیں کوئی ثبوت نہیں ملا۔

[۱۵]۔ لارڈ ہیوارٹ نے اپنی کتاب "جدید حریت" ابواب ۱-۵-۶ میں اور سر جان میریٹ نے اپنی کتاب "آزادی انگلستان کے تہلکے" میں مفوضہ قانون سازی کے مختلف خدوخال پر سخت نکتہ چینی کی ہے۔

مفوضہ قانون سازی کی اصلاح کے سلسلے میں مختلف تجویزیں کی گئیں منجملہ ان کے وہ تجویزیں جو کمیٹی اختیارات وزرا نے پیش کیں زیادہ وقیع ہیں یہ خیال ظاہر کرتے ہوئے کہ مفوضہ قانون سازی ناگزیر ہے اور ضروری تحفظات کے ساتھ مفید مطلب ہے کمیٹی نے یہ بھی رائے دی کہ اس نظام میں خرابیاں ہیں جن کا ازالہ ہونا چاہئے اور ایسے خطرناک رجحانات ہیں جن کا سدباب ہونا چاہئے، چنانچہ کمیٹی نے موجودہ عملدرآمد میں چند مخصوص اصلاحوں کی سفارش کی۔ منجملہ اور اصلاحات کے ایک سفارش یہ تھی کہ جو اختیارات قانون سازی عطا کئے جائیں ان کی پوری صراحت ہونی چاہئے اور دفعہ ہنری ہشتم اور وہ ضابطے جو عدالتوں کو مفوضہ قانون سازی کے جواز کی تحقیق سے روکتے ہیں سوائے چند مستثنیٰ صورتوں کے منسوخ کردیے جائیں“۔ یعنے سوائے چند مستثنیٰ صورتوں کے قانون تفویض کے الفاظ میں کوئی ایسی چیز بلکہ اس شبہہ کا اظہار ہی نہ ہونا چاہئے کہ عدالتیں کسی خاص صورت میں کہ آیا کسی وزیر نے اپنے دائرۂ اختیارات کے اندر کام کیا ہے“ فیصلہ کرسکتی ہیں یا نہیں۔ دوسری سفارش یہ تھی کہ قانون اشاعت قواعد کی اس طرح ترمیم ہونی چاہئے کہ جس کی بنا پر تمام مفوضہ قانون سازی جو پارلیمنٹ کے سامنے پیش کی جائے وہ قبل از وقت شایع ہو اور ہر اجلاس کے شروع میں ہر ایوان پارلیمنٹ کی ایک مجلس قائمہ مقرر کی جائے جو ہر ایسے مسودے کی بابت جس کی رو سے کسی وزیر کو اختیار قانون سازی عطا ہوتا ہو اور نیز ہر ایسے ضابطے کی بابت جو ایک وزیر اپنے مفوضہ اختیار قانون سازی کے تحت وضع کرے رپورٹ دیا کرے ان مجوزہ کمیٹیوں کا فرض یہ ہوگا کہ ان مسودوں اور ضابطوں کی شکل سے متعلق اپنی رائیں دیں نہ کہ ان کے حسن وقبح سے متعلق تاکہ یہ واضح ہوجائے کہ ان میں کوئی غیر معمولی نوعیت کی چیز تو نہیں ہے۔ اس سفارش کا مقصد یہ تھا کہ بغیر اراکین کو معلوم کرائے کہ کیا ہو رہا ہے پارلیمنٹ تفویض اختیار قانون سازی نہ کرنے پائے اور اس بات کا قطعی انتظام کہ جو ضابطے پارلیمنٹ کے سامنے پیش ہوں ان کی خاطر خواہ

تنقیح ہو جائے۔

انتظامی عدل گستری - انتظامی عدل گستری یا جیسے اکثر کہا جاتا ہے "انتظامی قانون" موجودہ دستور انگلستان کی ترقی کی ایک خصوصیت ہے اور یہ بھی ویسا ہی نمایاں اور معنی خیز ہے جیسے انتظامی قانون سازی[1] مؤخر الذکر کی طرح یہ بالخصوص حکومتی ضوابط اور اقتدار کے پھیلنے کی وجہ سے پیدا ہوا اور اس کا نشو ونما بے تکے اور خود رو طریقے سے ہوا ہے اور اس میں بُری قسم کی بے آہنگیاں اور خرابیاں دکھائی دیتی ہیں۔

متعدد قوانین جو تقریباً ۱۸۷۰ء سے شروع ہوتے ہیں ایسے ہیں جن کی رو سے پارلیمنٹ نے وزرائے تاج اور حکومتی عدالتوں کو جو کم و بیش عاملانہ محکموں سے ملے ہوئے اور باضابطہ نظام عدلیہ کے باہر ہیں یہ اختیار دیا ہے کہ وہ ان مناقشات میں جہاں انتظامی عہدہ دار شریک ہوں فیصلہ کریں۔ اور اکثر صورتوں میں یہ قاعدہ بنا دیا ہے کہ یہ فیصلے قطعی اور آخری ہوں گے اور کسی قانون عدالت میں مرافعہ نہ ہوگا۔ ان عدالتی اختیارات کی عطا میں جو منتشر طور پر عاملہ کو دیے گئے پارلیمنٹ نے کسی دستوری اصول کی پابندی نہیں کی بلکہ اس کا علانیہ منشا یہ تھا کہ اس سے اس رد و قدح کو دور کرے جو طرح طرح سے قانونی عدالتوں کی طرف سے ہوتی ہے۔ انتظامی قانون سازی کی طرح انتظامی عدل گستری بھی جنگ کے زمانے میں زندہ ہوئی کیونکہ اس زمانے میں کئی ایک جدید انتظامی عدالتیں قائم کرنا ضروری اور سہولت بخش سمجھا گیا۔ یہاں چند ایسی تشکیلیں جن میں عمال انتظامی کو عدالتی اختیار تفویض کیا گیا ہے بطور مثال ذکر کرنا فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

---

[1] انتظامی قانون کی یہ اصطلاح جو مختلف مفہوموں میں استعمال کی جاتی ہے یہاں "اس نوع عدالت کے حدود اختیار کے معنوں میں استعمال کی گئی ہے جو انتظامی ادارات شہریوں اور مشترک جماعتوں کے حقوق اور جائداد کے متعلق استعمال کرتے ہیں" دیکھو ولیم اے رابسن عدل گستری اور قانون انتظامی ۳۱۔ اور اس اصطلاح کے دوسرے معنوں کے لئے دیکھو کارلی ٹن کمپ الن۔ غلبۂ دفتریت ۔۷ ۔ ۵۶۔

قانون صحت عامہ مجریہ ۱۸۷۵ء کی رو سے مقامی عمال حفظان صحت کو وسیع اختیارات دیے گئے ہیں اور یہ قاعدہ بنایا گیا ہے کہ جن لوگوں کو امور حفظان کے وسیع دائرے میں ان عمال کے فیصلوں سے کوئی شکایت پیدا ہو تو وہ مجلس حکومت مقامی میں مرافعہ کر سکتے ہیں۔ اس قانون کے تحت مقامی عمال کو کئی صورتوں میں جن کی صراحت کی گئی ہے یہ اختیار ہے کہ وہ حفظان صحت کے مدنظر کسی ساکن مکان کو اس کے ذاتی خرچ سے مکان کی اصلاح اور مرمت کے لئے مجبور کرے۔ اور اگر وہ انکار کر جائے تو خود کام کی تکمیل کرے اور اس کے مصارف مالک مکان سے وصول کرے۔ اس قانون نے یہ قاعدہ بنایا ہے کہ جو لوگ مقامی عمال کے فیصلے کے شاکی ہوں وہ مقامی حکومت خود اختیاری کے سامنے مرافعہ کر سکتے ہیں اور اس حکومت کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس معاملے میں اپنا حکم دے "جو تمام فریقوں کے لئے قطعی اور واجب التعمیل ہوگا"۔ ان امور میں جو ان لوگوں کے حقوق سے متعلق ہیں جو گندے مقامات اور مزدوروں کے مسکنوں کے مالک ہیں وزیر صحت کو وسیع عدالتی اختیار دیا گیا ہے اور اس کو ان مسائل میں فیصلہ کرنے کا اختیار ہے جو "قوانین تحفظ صحت ملک" کے تحت پیدا ہوں مثلاً یہ مسئلہ کہ آیا فلاں نوکری قانونی مفہوم کے مطابق لی جا رہی ہے۔ بعض صورتوں میں جہاں قانونی سوال پیدا ہو وزیر کے فیصلے کے خلاف عدالت عالیہ میں مرافعے کا حق ہوتا ہے قوانین انسداد بے روزگاری کی رو سے وزیر محنت کو عدالتی اختیار دیے گئے ہیں۔ اور جو مسائل امداد بے روزگاری کے حقوق سے متعلق پیدا ہوتے ہیں ان کا تصفیہ انتظامی عدالتوں کے ذریعے ہوتا ہے اور یہ عدالتیں کم و بیش وزیر کے زیر اثر اور ملک کے باضابطہ نظام عدلیہ کے حدود سے باہر ہوتی ہیں یعنے جن کے خلاف قانونی عدالتوں میں مرافعہ نہیں ہو سکتا۔ کئی قوانین تعلیم میں جن کی رو سے مجلس تعلیم کو وسیع عدالتی اور نیم عدالتی اختیارات دیے گئے ہیں چنانچہ اس مجلس کا فیصلہ تمام فریقوں کے لئے قطعی اور واجب التعمیل ہے۔ مثلاً اگر یہ قضیہ پیدا ہو کہ کسی خاص گروہ کے لئے

مدرسے کی ضرورت ہے یا نہیں یہی مجلس اس کا فیصلہ کرتی ہے اور مدرسین کے وظائف علیحدگی کی بابت مدرسین اور عمال تعلیم کے مابین جو مسائل پیدا ہوتے ہیں نیز کسی بچے کے متعلق کہ اس کی دماغی حالت اچھی ہے یا نہیں والدین اور عمال تعلیم کے درمیان جو مسائل پیدا ہوتے ہیں یہی مجلس تصفیہ کرتی ہے۔

انتظامی عدالتیں۔ بعض صورتوں میں پارلیمنٹ نے وزرا کو عدالتی قسم کے اختیارات دیے ہیں بعض صورتوں میں محکموں کو اور بعض جگہ ان اشخاص یا جماعتوں کو دیے ہیں جنھیں وزرا نامزد کرتے ہیں۔ فرانس اور دوسرے متعدد ممالک ایسے ہیں جہاں انتظامی عدالتوں کا یکساں نظام پایا جاتا ہے لیکن انگلستان میں یہ صورت نہیں ہے۔ حکام اور شہریوں میں جو مناقشے پیدا ہوتے ہیں وہ فرانس کی طرح بالعموم معمولی عدالتوں سے منفصل ہوتے ہیں نہ کہ انتظامی عدالتوں سے۔ لیکن بہتیرے مخصوص مناقشے ایسے ہیں جن کے متعلق پارلیمنٹ نے متعدد حکام اور عدالتوں کو اختیار دے رکھا ہے۔ "انتظامی عدالت" کی اصطلاح سے مراد وہ عدالت ہے جو انگلستان کے معمولی عدالتی معیار پر نہیں اترتی۔ معیار یہ ہے کہ قانونی عدالتوں میں وہ اشخاص ہوں جو قانونی تربیت حاصل کر چکے ہوں اور یہ لوگ خودمختار ہوں یعنی ان پر کوئی بیرونی اثر یا دباؤ نہ ہو۔ ہر دو فریق کو بحث کا موقع حاصل ہو۔ مقدمے کی کارروائی سب کے سامنے ہو، شہادت کھلی عدالت میں اور فریقوں کے روبرو لی جائے۔ گواہوں پر جرح ہو سکے اور یہ معلوم ہو کہ کون فیصلہ صادر کرتا ہے برخلاف اس کے یہ ظاہر ہے کہ جہاں عدالتی اختیارات وزرا، محکمہ جات یا اشخاص کو جو وزرا کے زیر اثر ہیں عطا کیے گئے ہیں ان عدالتوں کی ساخت قانونی عدالتوں کی طرح نہیں ہوتی اور دارالامرا نے جو انگلستان کی اعلیٰ اقتدار عدالت ہے یہ تصفیہ کر دیا ہے کہ انتظامی عدالتیں اس بات کی پابند نہیں ہیں کہ وہ معمولی عدالتوں کے طریقۂ کار کی تتبع کریں۔

مجلس تعلیم بنام ریس والے مقدمے میں ۱۹۱۱ء میں جو دارلامرا کے سامنے مرافعے کے لئے دائر ہوا تھا انتظامی عدالت سے کہا گیا کہ قانون تعلیم مجریہ ۱۹۰۲ء کے قواعد کے معنی بتائیں جس کی رو سے مجلس تعلیم کو یہ اختیار ملا ہے کہ وہ ایسے مسائل کا تصفیہ کرے، جو مقامی عمال تعلیم اور خانگی مدرسوں کے بانیوں کے مابین پیدا ہوں۔ اپنے فیصلے کے سلسلے میں لارڈ چانسلر لارڈ لوربان نے کہا تھا:-

"وہ یہ عملدر آمد کہ محکموں اور حکام پر یہ فرائض ٹھونس دیے جاتے ہیں کہ وہ مختلف قسم کے مسائل کا فیصلہ کریں اس کو موجودہ قوانین نے نسبتاً بہت بڑھا دیا ہے گو خود پیدا نہیں کیا۔ اکثر مقدمات کی طرح اس مقدمے میں بھی جو چیز تصفیہ طلب ہے وہ محض صوابدید سے طے ہونے والی چیز ہے۔ اس میں کوئی قانون نہیں آتا۔ لیکن بعض اوقات اس امر میں قانون اور امر واقعہ دونوں آجاتے ہیں اور یا محض امر قانونی متعلق ہو جاتا ہے۔ ان مقدمات میں مجلس تعلیم کو ایک طرف قانون اور دوسری طرف امر واقعہ کی وضاحت کرنی پڑے گی۔ مجھے اس کے اضافے کی ضرورت نہیں ہے کہ ان دونوں پہلوؤں کی وضاحت میں مجلس کو نہایت صداقت سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ صداقت کے ساتھ دونوں فریقوں کی بحث سنے۔ کیونکہ یہ ہر اس شخص کا فرض ہے کہ جو کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ مجلس اس مسئلے کا اسی طرح فیصلہ کرنے کے لئے مجبور ہے جس طرح باضابطہ سماعت میں ہوتا ہے۔ عدالت قانونی کو مجلس تعلیم کے فیصلے کی بابت خواہ وہ امر قانونی ہو یا امر واقعہ، مرافعہ سننے کا اختیار نہیں ہے۔"

اس طریقے سے ایک اعلیٰ عدالت نے یہ عدالتی فیصلہ صادر کر دیا ہے کہ ایک عاملانہ محکمے کو ایسے مقدمے کا تصفیہ کرتے ہوئے جہاں اس کو پارلیمنٹ سے اختیار ملا ہے عدالت قانونی کے طریقۂ سماعت کی پابندی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کو امر قانونی اور امر واقعہ کی بابت قطعی اور ناطق فیصلہ کرنے کا اختیار ہے جس کا عدالت میں مرافعہ نہیں ہو سکتا۔

مجلس حکومت مقامی بنام آرلیج والامقدمہ جس کا ۱۹۱۵ء میں دار الامرا میں فیصلہ ہوا تھا اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ ایک مجلس برو نے قانون امکنہ اور تنظیم شہر مجریہ ۱۹۰۹ء کے تحت ایک مکان کو اس بنا پر کہ وہ انسانی سکونت کے لئے مضر ہے، یہ حکم دیا تھا کہ وہ بند کردیا جائے۔ مالک مکان مسمی آرلیج نے مکان میں ضروری ترمیم کر کے مجلس برو کو یہ درخواست دی تھی کہ وہ حکم منسوخ کردیا جائے۔ مجلس نے تفسیخ سے انکار کردیا۔ اس پر آرلیج نے اسی قانون کے ایک اور ضابطے کے تحت مجلس حکومت مقامی کے روبرو مرافعہ کیا۔ مجلس نے قانون کے حسب منشا ایک مقامی عام تحقیقات کی اور مرافعے کو خارج کردیا۔ آرلیج نے فتنۂ مرافعہ کے ذریعے مجلس کا حکم اخراج مرافعہ عدالت عالیہ کے شعبۂ شاہی کے روبرو پیش کیا اور درخواست کی کہ اس کو اس بنا پر باطل قرار دیا جائے کہ اس کا فیصلہ اس طرح سے نہیں ہوا ہے جس طرح قانون نے قاعدہ بنا دیا ہے۔ اس شکایت کی اصل وجہ یہ تھی کہ مجلس کے حکم میں اس بات کا اظہار نہیں تھا کہ مرافعے کا فیصلہ کس نے کیا ہے اور مجلس نے جو طریقۂ کار اختیار کیا تھا وہ فطری عدل گستری کے منافی تھا یعنے اس کو مجلس کے سامنے زبانی بحث کا موقع نہیں دیا گیا اور جس امین نے تحقیقات کا کام کیا تھا اس کی رپورٹ دیکھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ عدالت شاہی نے یہ فیصلہ کیا کہ مجلس کا کام بالکل قانون کے مطابق ہے اور اس کے طریقۂ کار میں کسی فطری عدل گستری کی پائمالی نہیں ہوئی ہے اور اس لئے اس کو باطل قرار دینے سے انکار کردیا آرلیج نے عدالت مرافعہ میں مرافعہ دائر کیا۔ اس عدالت نے عدالت شاہی کے فیصلے کو الٹ دیا۔ تین عادلوں میں سے دو عادل نے یہ رائے ظاہر کی کہ مجلس کا فیصلہ فطری عدل گستری کے بالکل منافی ہے۔ بالآخر یہ مقدمہ دار الامرا کے سامنے آیا۔ دار الامرا نے عدالت مرافعہ کے فیصلے کو الٹ دیا اور عدالت شاہی کے فیصلے کو بحال کردیا۔ اپنے فیصلے کے سلسلے میں لارڈ چانسلر لارڈ ہالڈین نے کہا تھا:۔

"میرے امرا۔ جن لوگوں کو انفصال مرافعہ کے فرائض دیے جائیں

ان کا فرض ہے کہ وہ عدالتی طریقے سے کام کریں۔ فیصلہ اس عدالت کے جذبے اور احساس ذمہ داری کے ساتھ ہونا چاہئے جو عدل گستری کے لئے مقرر ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ہر ایسی عدالت کا طریقہ سماعت ایک ہی ہونا چاہئے۔ زمانۂ حال میں پارلیمنٹ کی کچھ روز بروز عادت ہوتی جارہی ہے کہ وہ بجائے معمولی عدالت کے عدالتی فرائض انجام دینے کے وہ ایسے معاملات میں جو درحقیقت نظم ونسق سے متعلق ہیں ان حکام کے نام مرافعے صادر کرتی ہے جن کے فرائض انتظامی ہیں نہ کہ ان معنوں میں عدالتی ہیں جو اس کے معمولی معنی ہیں۔ اس جماعت کے جیسے مجلس حکومت مقامی ہے یہ چیز فرائض میں داخل ہے کہ وہ ملک کے مفاد کے مدنظر افراد پر ضروری ذمہ داریاں عائد کرے۔ اس کی نوعیت ایک تنظیم کی سی ہے جس کے ساتھ عاملانہ فرائض وابستہ ہیں۔ اس لئے جب پارلیمنٹ نے اس کو عدالتی فرائض سپرد کئے ہیں تو یہ سمجھنا چاہئے کہ پارلیمنٹ نے خود اپنے طریقۂ کار کی پیروی کی ہے بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی اعلان نہیں ہوا ہو اور کام بہ احسن وجوہ انجام دینے کے لئے اس کی ضرورت ہے۔ جہاں مجلس حکومت مقامی کا تعلق ہے اس کا طریقۂ کار کچھ مشتبہ نہیں ہے۔ جو وزیر اس مجلس کا صدر ہے وہ دوسرے وزرا کی طرح براہ راست پارلیمنٹ کے سامنے ذمہ دار ہے۔ وہ نہ صرف خود اپنے افعال کا ذمہ دار ہے بلکہ اپنے تمام محکمے کے افعال کا ذمہ دار بھی ہے۔ کام کی جو مقدار اس کے سپرد کی گئی ہے وہ بہت زیادہ ہے اور وہ سب کچھ خود نہیں کر سکتا۔ اس سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ قائم مقامانہ اپنے ماتحت حکام سے مواد حاصل کرے اور جب اس کو اس بات کا اطمینان ہو جاتا ہے کہ اس کے حکام نے کما حقہ ضروری مواد حاصل کرلیا ہے تو گویا اس کے فرائض پورے ہو جاتے ہیں۔ اس کے فرائض کو اس حد سے آگے بڑھانا اور اس پر اصرار کرنا کہ وہ اور دوسرے اراکین مجلس بذات خود کام کریں اس کی کارکردگی کو نقصان پہنچانا ہے۔ اس لئے اگر مجلس کو یہ ہدایت ہے کہ وہ مرافعے کا فیصلہ کرے تو

اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ مجلس کا کوئی خاص رکن اس کا فیصلہ کرے ...... بشرطیکہ متوقعہ کام نہایت صداقت سے عدالت کے ساتھ انجام پا جائے صرف پارلیمنٹ جس کے سامنے وزیر متعلقہ ذمہ دار ہے ایسا اقتدار ہے جو کئے ہوئے کام کا معائنہ کر سکتا ہے یہ کہا گیا ہے کہ امین کی رپورٹ ظاہر ہونی چاہئے تھی۔ ممکن ہے کہ رپورٹ کا ظاہر کرنا مفید ہو یا نہ ہو لیکن میں نہیں سمجھتا کہ مجلس اس رپورٹ کے ظاہر کرنے پر مجبور تھی .... میں نہیں سمجھتا کہ مجلس اس بات پر مجبور تھی کہ وہ مدعی علیہ کو زبانی بحث کی اجازت دے بشرطیکہ مجلس نے اس کو وہ مواقعے دیلے تھے جن سے اس نے در حقیقت فائدہ اٹھایا ہے[۱]۔

تاہم یہ بالعموم تسلیم کر لیا گیا ہے کہ کوئی انتظامی عدالت خواہ اس کی طریقۂ کارروائی عدالت قانونی سے کتنی ہی مختلف کیوں نہ ہو "فطری عدل گستری" کو پس پشت نہیں ڈال سکتی۔ فطری عدل گستری کی اصطلاح انتظامی قانون کی بحث و تمحیص میں خاص طور پر نمایاں ہو گئی ہے۔ یہ لفظ "فطری عدل گستری" یا "فطری انصاف" اس زمانے کی باقیات ہے جب کہ انسان کا نقطۂ نظر قانون سے متعلق اس سے مختلف تھا جو آج پایا جاتا ہے اور جب کہ عادل اور قانون دال اس بات کے معتقد تھے کہ ایک بلند تر قانون دنیا میں موجود ہے جو سب سے مافوق اور ناقابل تغیر ہے اور انسان کے ہر خود ساختہ قانون کو خواہ وہ پارلیمنٹ کا قانون کیوں نہیں ہوتا جب وہ اس بلند تر قانون کے منافی ہونا باطل قرار دیتے تھے اس کے متعلق یہ خیال تھا کہ یہ قدرت میں مضمر ہے یا براہ راست خدا کی طرف سے ودیعت ہوا ہے۔ اب اگرچہ بلند تر قانون کا عقیدہ باقی نہیں رہا ہے لیکن عادل ابھی "فطری انصاف" کی اصطلاح ضرور استعمال کرتے ہیں حالانکہ اس کے مفہوم میں کوئی قطعیت نہیں ہے۔ اس سے مراد انگریزی اصول قانون کے

---

[۱] ۔ ڈی ۔ ال کیبر ۔ اور آف اچ لاسن نظائر قانون دستوری ۲۰۵ ۔

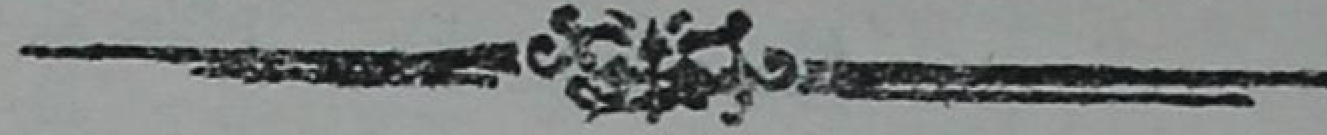
چند اصل اصول یا اقوال ہیں۔ ایک یہ ہے کہ ایک شخص خود اپنے معاملے میں منصف نہیں ہوسکتا اور اسی بنا پر جب عادل کو کسی مقدمے سے رقمی یا غیر رقمی تعلق ہوتا ہے تو عدالتی قوانین سب بالائے طاق کردیے جاتے ہیں کیونکہ یہ خیال کیا جاتا ہے اور صحیح خیال کیا جاتا ہے کہ اس عادل کو کسی نہ کسی فریق مقدمہ کے ساتھ تعصب ہونا چاہئے۔ فطری انصاف کا دوسرا اصول یہ ہے کہ کسی شخص کو بغیر سماعت کے ملزم نہیں قرار دینا چاہئے۔ گو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ صرف زبانی سماعت کا حق ہونا چاہئے۔

عدل گستری کے نقائص۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ عدالتی اور نیم عدالتی اختیارات میں کیا فرق ہے گو ان تمام مصنفوں نے جنھوں نے انتظامی عدل گستری پر بحث کی ہے ان میں فرق کرنے کی کوشش نہیں کی مثال کے طور پر ایک فیصلہ یہ ہے کہ آیا فلاں نوکری قانون تحفظ صحت کے بموجب نوکری ہے یا نہیں اور ایک فیصلہ یہ ہے کہ فلاں حلقے اور مقام میں ایک مدرسے کی ضرورت ہے یا نہیں۔ دونوں کی نوعیت میں بڑا فرق ہے۔ اگرچہ دونوں صورتوں میں یہ ایک تفتیش ہے اور شہادت کے ذریعے سے واقعات کی ٹوہ لگاتا ہے لیکن اول الذکر مقدمے میں فیصلہ محض عدالتی نوعیت کا ہوگا۔ اور فیصلہ یوں ہوگا کہ حاکم مجاز کی تاویل کے مطابق دریافت شدہ واقعات پر قانون منطبق کردیا جائے گا اور اس میں کسی حکمت عملی کو دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ موخر الذکر صورت میں یہ حاکم مجاز فیصلہ کا کام ہے کہ وہ واقعات متعلقہ کی جانچ پڑتال اور ہر فریق کے تمام استدلال کا صحیح موازنہ کرکے ایک قومی مسلک کے طور پر اپنا فیصلہ صادر کرے۔ ایسے فیصلے کو نیم عدالتی کہا جائے گا۔ کمیٹی اختیارات وزرا نے جس کا اس سے پہلے ذکر کیا گیا ہے اپنی رپورٹ میں یہ لکھا تھا کہ "ایک نیم عدالتی فیصلے میں صرف وہ امور پیش نظر ہوتے ہیں جو قومی مسلک سے متعلق ہیں اور بالآخر جو فیصلہ ہوتا ہے وہ کچھ فریقین کے متعلقہ قانونی حقوق اور ذمہ داریوں کی بابت نہیں بلکہ اس بات کا لحاظ کرتے فیصلہ ہوتا ہے جس میں مفاد عامہ ہوتا ہے۔

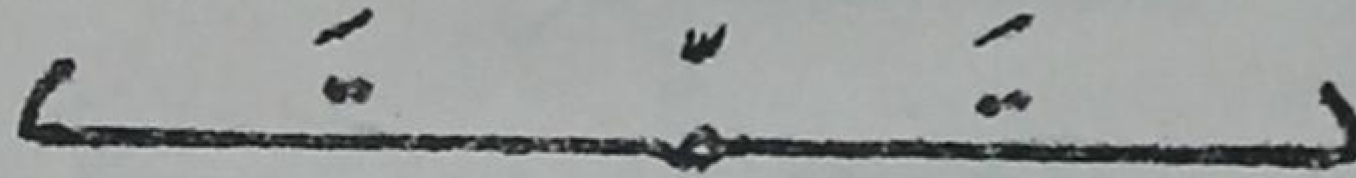
جو انتظامی ادارے عدالتی اور نیم عدالتی اختیارات استعمال کرتے ہیں مختلف قسم کے ہیں اور ان کی ترکیب میں بھی بہت کچھ اختلاف ہے۔ بعض صورتوں میں ایسے ادارات کو اختیارات دیے گئے ہیں جن کی باضابطہ تشکیل ہوئی ہے اور بعض صورتوں میں وزرا کو اور بعض صورتوں میں عاملانہ محکموں کو اختیارات دیے گئے ہیں۔ ان ادارات کے طریقۂ کار کے متعلق کچھ زیادہ نہیں کہا جا سکتا۔ ان کی کارروائیاں بھی راز میں ہوتی ہیں اور اکثر کارروائیاں ایسی ہوتی ہیں کہ جن میں فیصلوں کی بابت کوئی استدلال نہیں پیش کیا جاتا یا فیصلوں کی رپورٹ شایع نہیں ہوتی۔ وہ لوگ بھی جو اس بات کے قائل ہیں کہ انتظامی حکام کو بعض قضیوں کا فیصلہ کرنا چاہیے اب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انتظامی عدل گستری، جو برطانیۂ عظمیٰ میں پائی جاتی ہے ازحد ناقص ہے اور اس کی اصلاح ہونی چاہیئے۔ یہ دراصل اس "قانون کے راج" کی نفی ہے جو دستور انگلستان کا ضروری اور مفید اصول سمجھا جاتا ہے اور اس حیثیت سے قانونی پیشہ ور لوگ اور خصوصاً لارڈ ہیوارٹ اس پر سخت چوٹیں کرتے ہیں اور لارڈ ہیوارٹ اس کی یوں ملامت کرتے ہیں کہ یہ ایک "انتظامی بدنظمی" ہے۔

اس کی اصلاح کے لئے مختلف تجویزیں پیش کی گئیں۔ کمیٹی اختیارات وزرا جس نے انتظامی عدل گستری اور مفوضہ قانون سازی دونوں کی تحقیق کی تھی۔ اس نتیجے پر پہنچی کہ انتظامی عدل گستری میں کوئی طبعی خرابی نہیں ہے لیکن آزادی اور قانون کے راج کی خاطر چند تحفظات ضرور اختیار کرنے چاہئیں۔ منجملہ اور چیزوں کے کمیٹی نے یہ سفارش کی تھی کہ عدالتی اختیارات جو نیم عدالتی اختیارات سے جدا ہیں بالعموم معمولی عدالتوں کے تفویض کرنے چاہئیں اور صرف خاص صورتوں میں وزارتی عدالتوں کو اور خاص اسباب کی بنا پر خود وزرا کو دینے چاہئیں برخلاف اس کے نیم عدالتی اختیارات بالعموم وزرا کے

سپرد کرنے چاہئیں۔ وزرا اور وزارتی عدالتیں فریقین مقدمہ کو جہاں تک ہوسکے مدلل فیصلہ سنائیں اور بڑے مقدمات کے خلاصے شایع کریں۔ نیز وزرا اور وزارتی عدالتوں کے فیصلوں کا مرافعہ ہوسکے اور عدالت عالیہ کا یہ اختیار کہ وہ وزرا اور وزارتی عدالتوں کو اپنے دائرۂ اختیار قانونی سے متجاوز نہ ہونے دے شدومد سے بحال رکھنا چاہئے۔



Bibliographical Note.--C. K. Allen, *Bureaucracy Triumphant*, 1931. C. T. Carr, *Delegated Legislation*, 1921. C. M. Chen, *Parliamentary Opinion of Delegated Legislation*, 1933. Committee on Ministers' Powers, *Report*, (Cmd 5060), 1932. A. V. Dicey, *Lectures on the Relation between Law and Public Opinion in England during the Nineteenth Century*, 2nd ed., 1914. H Finer, *The British Civil Service*, 1927. Lord Hewart of Bury, *The New Despotism*, 1929. R. Moses, *The Civil Service of Great Britain*, 1914. R Muir, *How Britain is Governed*, 1930. F. A. Ogg, *English Government and Politics*, 1929. E. J. Port, *Administrative Law*, 1929. W. A. Robson, *Justice and Administrative Law*, 1928.



فہرستِ اصطلاحات

A

Abbot:	ایبٹ
Absolute veto:	امتناعِ قطعی
Absolution:	کفارہ
Act of Settlement:	قانون بندوبست
Act of Uniformity:	قانون یکسانی۔ قانون یک رنگی
Agent:	عمیل
Agreement of the People:	موافقۂ عوام
Aid:	امداد
Alien Act:	قانون اجانب
Allegiance:	وفاشعاری
Anointing:	تدہین
Apology:	اعتذار
Apprentice:	کارآموز
Appropriation:	تعین اخراجات
Arbitrary:	خودرایانہ
Aristocracy:	اعیانیت
Arrentation:	تاجیر
Assembly:	جمعیت
Assembly of Freemen:	جمعیت احرار
Assessment:	تشخیص
Assize of Clarendon:	قانون کلیرنڈن
Attainder:	مخصوص قانونِ تعزیری

B

Benevolence:	پیش کشی
Bill of Rights:	یادداشت حقوق۔ دستاویز حقوق
Black Death:	کالی وبا
Blockade:	ناکہ بندی
Board of Works:	مجلس امورِ عامہ
Book of Rates:	کتاب محاصل
Bookland:	سندی زمین

Borough: بلدیہ
Bot: ہرجہ (حرجہ)
Burgess class: بلدی طبقہ

C

Cabinet: کابینہ
Capitalis justiciar: عادل اعلیٰ
Carucage: ہل کا محصول
Caucus: بزرگ
Cavalier: شاہ پرست
Cestui qui use: معطی لہٗ
Chancellor: امیر نصفت
Chancellor of the Exchequer: وزیر خزانہ
Channel Islands: جزائر رودبار
Charlemagne: چارلس اعظم
Chartered towns: منشوری قصبات
Chartist Movement: منشوری تحریک
Chivalry: فروسیت
Civil List: اخراجات شاہی
Clergy: پادری
Coalition ministry: وزارت مخلوط
Coat and Conduct levies: زرداری و معاش
Collusive: سازشی
Combination Laws: قوانین اجتماع
"Commendams": تفویض معاش مذہبی
Commendation: رسم جوار
Commission: ماموریہ
Commissioner: مامور
Common Law: قانون عرفی۔ قانون غیر موضوعہ
Common Pleas: مقدمات عامہ
Commonwealth: دولت عامہ
Community: ملت
Comprehension: جامعیت
Compurgation: تائید حلفی
Conciliabulum: حلقۂ اجتماع
Confirmation of the Charters: توثیقِ مناشیہ
Conformity: متابعت
Congregationalist: اجتماع پسند
Conservative: استحفاظی
Consideration: بدل
Constitutions of Clarendon: ضوابط کلیرنڈن
Conventicle Act: قانون مجالس منحرفین
Convention: اجتماع ملی
Copyhold: نقلداری
Coram rege: پیشئ شاہی
Corporation: شخصیہ

Council of State: مجلس مملکت

County Borough: صوبہ داری دیہہ

Court Leet: عدالت دیہہ

Court of Augmentation: عدالت اضافات

Court of High Commission: عدالت ماموریہ عظمیٰ

Court of Requests: عدالت التماسات

Court of Wards: عدالت حصانت

Crisis: بحران

Curia regis دربار شاہی

Customary Law: رواجی قانون

D

Darrein presentment: تقرر کلیسائی

Deadlock: زیچ

Debase: تلبیس

Declaration of Indulgence: اعلان رعایت

Declaratory: اعلانی

De donis conditionalibus: قانون عطایاے بشروط

Delegate: وفید

Delegation: توفید

De mercatoribus: قانونِ تجاران

Democracy: عمومیت

Democratic: عمومی

Dictatorial: آمرانہ

Disestablishment: موقوفی

Dispensation: استثنا

Dispensing power: اختیار استثناء

Dissenter: مردود

Doctrine of Warranty: اصول ضمانت

Domain: صرف خاص

Domanial: جاگیری

Duel: مجادلہ

Dutch: ولندیزی

E

Earldoms: ارلیات

Easter: عید الفصح

Ecclesiastical: کلیسائی

Enacted Law: قانون موضوعہ

En tail: مِلک منقطع

Equity: نصفت

Escheat: بازگشت

Esquires: اعیان دیہات

Essoin: عذر غیر حاضری

Established Church: سرکاری کلیسا

Estates General: مجلس طبقات

Exchequer: اکسچکر

Excise Bill: مسودۂ محصول جنگی

Excommunication: اخراج ملت

Exemption: استثنار

F

Federation: وفاقیہ

Fee simple: ملک دوامی

Feudal incidents: جاگیری لوازم

Fiat justicia: انصاف کیا جائے

Fief: حقیت

Firma burgi: محصول بلدیہ

First Fruits: مداخل اولے

First Lord of the Treasury: اول امیر خزانہ

Folkland: قبائلی زمین

Fore-oath: پیش حلفی

Frank-almoign: اوقاف دعاگوئی۔ جائداد دعاگوئی

Frankpledge: ضمانت امن

Freehold tenant: اسامئ مطلق

Function: منصب

Fyrd: رویف

G

Grand Remonstrance: شکوۂ اعظم

Grants: عطایا

Great Council: مجلس عظمیٰ

H

Habeas corpus: احضار ملزم

High Court of Justice: عدالت عالیہ

Homage: اطاعت

Hundred Rolls: تختہ جات ہنڈریڈ

I

Impeachment: مواخذہ

Independent: خودمختار

Initiative: ہدایت

Inquest: تفتیش

Inspector: ناظر

Investiture: تشریف

Ireland: آئرستان

J

Jesuit: رکن حلقۂ مسیحی

Judicature Acts: قوانین عدالت

Junto: جماعت متحدہ

Jurisdiction: حدود اختیار

Justice of the Peace: ناظم امن

Justiciar: صدر عادل

K

King's Bench: عدالت شاہی

Knight: مبارز	Moderator: معتدل
Knight's fee: مبارزی جاگیر	*Mort d'ancestor*: وفات جدی
L	Mortmain: قانون دست مردہ
Ladies of the Bedchamber: بیگمات خوابگاہ	Municipal Corporation Act: قانون شخصیات بلدی
Land tenure: قبضۂ اراضی	*Murdrum*: دیت
Lay: عامانی	**N**
Laymen: عامانی	Navy: بحریہ
Licence: اجازہ	Nineteen Propositions: انیس تحریکات
Licensing Bill: مسودۂ اجازہ دہی	Nobility: نبیلیت
Lord High Chancellor: اعلیٰ امیر نصفت	Non-resistance: عدم مخالفت
Lord High Treasurer: خازن اعظم	*Novel disseisin*: بیدخلی جدید
Lord Keeper of the Great Seal: اعلیٰ مہر بردار شاہی	**O**
Lord Mayor: امیر بلدیہ	Ordinances: احکامات
Lord President of the Council: امیر مجلس شاہی	Outlaw: قانون بدر کرنا
Lord Treasurer: خازن اعلیٰ	**P**
M	Palatinate: بلاطیہ
Maintenance: داشت	Palatine: بلاطی
Martial Law: قانون جنگی	Parish: حلقۂ مذہبی
Mayor: میر بلدیہ	Parties of the left: بائیں والے فریق
Millenary petition: ہزاری عرضداشت	Peer: ہم رتبہ
	Petition of Rights: عرضداشت حقوق
	Pleas of the Crown: استغاثہ جات تاج

Protestation:	احتجاج
Provisions of Oxford:	قواعد آکسفرڈ
Provisor:	کلیسائی جانشینی
Public Law:	قانون عامہ
Purveyance:	رسد

Q

Quarter sessions:	سہ ماہی اجلاس
Quia emptores:	قانون انتقال اراضی
Quo warranto:	تحقیقات وثایق

R

Radical:	استیصالی
Ransom:	زر فدیہ ۔ فدیہ
Recovery:	مقدمۂ استحصال
Referendum:	مراجعہ
Relief:	نذرانہ
Remedy:	چارۂ کار
Restoration:	بحالی
Reversion:	عود
Right of remainder:	حق بقیہ
Root and Branch Bill:	قانون بیخ و بن
Rotten Borough:	ویران بلدیات

Plural vote:	تکثیری رائے
Pocket Borough:	جیبی بلدیہ
Poor Law:	قانون مفلسین
Popish:	پاپائی
Possessory Assizes:	مقدمات قبضۂ اراضی
Poundage:	رطلانہ
Præmunire:	چارہ جوئی کلیسائی
Prayer Book:	کتاب ادعیہ
Preamble:	تمہید
Prerogative:	اختیار خصوصی
Presentment of Englishry:	احضار انگریزاں
Primogeniture:	کلانیت
Private Law:	قانون خانگی
Privy Seal:	مہر شاہی
Probate Court:	عدالت وصایا
Proclamations:	فرامین شاہی
Programme:	پیش نامہ
Property franchise:	املاکی رائے دہی
Protection:	تامین
Protector:	حامی سلطنت
Protectorate:	محمیہ
Protestantism:	احتجاجیت

S

Sacrament:	عشائے ربانی
Saladin tithe:	عشر صلاح الدین
Schism Act:	قانون شقاق
Science:	حکمیات
Scottish Covenant:	میثاق اسکاچیان
Scutage:	زر سپر
Secretary of State:	معتمد مملکت
Serf:	سرف ۔ زرعی غلام
Ship money:	زر سفینہ
Shire:	صوبہ
Short Parliament:	مختصر پارلیمنٹ
Socage:	عطیۂ زرعی
Soit droit fait a la partie:	درخواست گزار کی حق رسانی کی جائے
Soit droit fait come est desiré:	مطلوب حق پہنچے
Speaker:	صدر دار العوام
Stamp Act:	قانون کاغذ ممہور
Star Chamber:	ایوان انجم
Statute Law:	قانون موضوعہ
Statute of the Staple:	قانون پیداوار
Sub-infeudation:	عطائے شکمی جاگیرات
Substantive Law:	قانون موجّہ
Summus Justiciar:	عادل اعظم
Supremacy:	سیادت
Supreme Court of Judicature:	عدالت عظمیٰ
Suspension:	تعطل
Swear fealty:	حلف وفاشعاری

T

Tenant:	متاجر
Territory:	علاقہ
Test Act:	قانون آزمائش
Tithe:	عُشر
Township:	دیہہ
Transubstantiation:	قلب ماہیت
Trinoda necessitas:	واجبات ثلاثہ
Tun:	دیہہ
Tun-mote:	دیہی مجلس
Tunnage:	منانہ

U

Ultimate authority:	اختیار مختتم
Unearned increment:	اضافہ فاضل
Unit:	اکائی
Unitarian:	موحد

Universal suffrage:	عالم گیر رائے دہی
Use:	تمتع

V

Vassal:	وابستہ
Veto:	امتناع
Vote of Want of confidence:	قرار داد بے اعتمادی

W

Wainage:	ہل بیل
Ward:	محلہ
Warning:	انتباہ
Warrant:	طلبنامہ گرفتاری
Wergeld:	زر دیت
Whip:	نقیب
Will:	مشیت
Wite:	جرمانہ
Witenagemot:	مجلس عقلا
Writ:	شقہ
Writ of Right:	شقہٗ حقیت

صحت نامہ

تاریخ دستور انگلستان (اڈمس)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۱	(مقدمہ) ۲	بھکا	بھکتا	۳۵	۵	مزاوعہ	مزروعہ
۱	(متن) ۸	ہوٹیں	ہوئین	۳۸	۱۱	جاگیرایت	جاگیریت
۷	۱۸	ادمنوں	رومنوں	۴۰	۸	تنبائن	قتبائن
۱۰	۱۸	اختیاط	احتیاط	۴۱	۱۷	ستبدل	مبدّل
۱۳	۸	زمیںیں	زمینیں	۴۷	۲۲	یہ کو	یہ کہ
۱۵	۳	منفضلہ	منفصلہ	۴۸	۱۷	رضاحت	وضاحت
۱۶	۲۰	خو	جو	۴۹	۲۴	اپسی	ایسی
۱۶	۲۳	صوتوں	صورتوں	۵۴	۲۲	کہہ کر سکتے ہیں	کہہ سکتے ہیں
۱۹	۲۰	نبر	نیز	۵۶	۲۰	نامنڈی	نارمنڈی
۲۱	۲۰	قدیمتم ترین	قدیم ترین	۵۷	۱۱	گلیۃً	کلیۃً
۲۳	۶	کاروالی	کارروائی	۵۹		جاگیری نیزدں	جاگیری منیروں
۲۳	۱۱	بیج	بیچ	۸۳	۷۱	اس اس	اس
۲۵	۲	کارعوائی	کارروائی	۹۹	۴	خلفیہ	حلفیہ
۳۳	۱۳	نِلام	نیلام	۱۰۲	۱۲	الۂ طوست	آلۂ حکومت
۳۴	۲۳	میز	منیر	۱۱۳	۹و۱۲	کلرنڈن	کلیرنڈن

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۱۱۴	۱۲	یہ مالخصوص	یہ بالخصوص	۱۵۶	۲	"تختہ جات منڈریڈ"	"تختہ جات ہنڈریڈ"
۱۱۷	۱	استقاست	استقامت	۱۵۹	۱۵	اجازے	اجارے
۱۱۷	۲	صلاجیت	صلاحیت	۱۶۳	۴	دائرہ	دائر
۱۲۱	۱۸	۱۰ام	دوم	۱۶۹	۳	اساققہ	اساقفہ
۱۲۲	۱۲	اسنے	اپنے	۱۶۹	۵	چکڑا	جکڑا
۱۲۷	۱۹	نامہ اجبی	ناواجبی	۱۶۹	۶	کوکو	کو
۱۳۰	۱۹	مجالفت	مخالفت،	۱۷۰	۸	پارلمنٹ	پارلیمنٹ
۱۳۱	۱۰	حرمانے	جرمانے	۱۷۱	۲۳	وزمرہ	روزمرہ
۱۳۱	۲۳	بھی	یہ بھی	۱۷۲	۷	زیادو	زیادہ
۱۳۴	۲	باقاعدو	باقاعدہ	۱۷۲	۲۱	حائیں	جائیں
۱۳۴	۲۲	یادساہ	بادشاہ	۱۷۳	۲	کو	کا
۱۳۵	۱۵	۵۰	وہ	۱۷۳	۱۰،۵	حو	جو
۱۳۷	۱۸	دلھایا	دکھایا	۱۷۳	۱۴	ماموئیے	ماموریئے
۱۳۸	۲۳	ازیارفتہ	ازیادرفتہ	۱۷۳	۲۰	سکاروائیاں	کارروائیاں
۱۴۱	۱۶	اقرباد	اقرباء	۱۷۴	۲۱	میں میں	میں
۱۴۳	۱۷	نہیں	نہیں	۱۷۴	۲	میازر	مبارز
۱۴۷	۷	برھائی	بڑھائی	۱۷۶	۱۶	وسمبر	دسمبر
۱۴۸	۲۲	مانٹغرٹ ارل	مانٹفرٹ ارل	۱۷۶	۲۳	یشپ اسبز	بشپ اسٹبز
۱۴۹	۱۹	مدما	مدعا	۱۷۶	۲۴	حلبسہ میں	جلسہ میں
۱۵۲	۹	پیشتر	بیشتر	۱۷۹	۱۱	اسافقہ	اساقفہ
۱۵۳	۱۷	دجے	درجے	۱۸۳	۱۱	قصیابت	قصبات
۱۵۶	۲	خارج	حارج	۱۸۳	۱۵	ارادو	ارادہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۱۸۵	۳	وجوہ	وجود	۲۶۵	۱۵	ششتہ	گزشتہ
۱۸۶	۲۳	ووداد	روداد	۲۶۵	۱۵	بطاہریہ جدید	بظاہریہ جدید
۱۸۷	۱۴	اسافقہ	اساقفہ	۲۷۲	۱۵	کہ لوتو پھر	تو پھر
۱۸۸	۹	ذی ہے	دی ہے	۲۷۵	۴	جیمر	جیمز
۱۹۲	۲۴	راہب	راہب	۲۷۵	۱۷	لیسا	لیا
۱۹۵	۱۵	یارلیمنٹ	پارلیمنٹ	۲۸۳	۱	روپہ	رویہ
۱۹۹	۸	اصداد	اجداد	۲۸۵	۱۴	احتجاح	احتجاج
۲۰۳	۱۱	.ہرحال	بہرحال	۲۸۶	۱۹	لدادہ	ارادہ
۲۰۶	۱۶	مادشاہ	بادشاہ	۲۸۷	۱	عرض	غرض
۲۰۶	۱۷	توطرح سے	تو اس طرح سے	۲۹۲	۳	استراد	استرداد
۲۰۹	۱۳	پرنے والا	پڑنے والا	۲۹۴	۲۵	لیں	نہیں
۲۱۳	۱۰	بیرنی	بیرونی	۳۰۲	۱۰	سپانوی	ہسپانوی
۲۱۵	۱۹	اجراے حکومت	اجزائے حکومت	۳۰۶	۲۲	پیورٹن انسوہ	پیورٹن انبوہ
۲۳۱	۱	رہ گیا	رہ گیا	۳۱۱	۱۹	لے	کے
۲۳۲	۱۱	فریق نہ	فریقانہ	۳۲۰	۱۹	فرار	قرار
۲۳۳	۱۳	مسلسل ششن	مسلسل سشن	۳۲۹	۱۴	رحعت	رجعت
۲۴۲	۵	صبل	قبل	۳۳۰	۳	سکلوکیت	ملوکیت
۲۴۴	۲۰	اس اس	اس	۳۳۱	۱۶	کرنے تھے	کرتے تھے
۲۴۹	۹	بجاویز	تجاویز	۳۵۹	۲۱	واصح	واضح
۲۵۰	۱۵	جہازساری	جہازسازی	۳۶۷	۲۵	لسناع	امتناع
۲۵۴	۲۱	جری	جزئی	۳۶۸	۲	اجازہ جات	اجارہ جات
۲۶۵	۴	یہ گمرن	یہ گمان	۳۸۷	۸	ذمہ ذاری	ذمہ داری

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۳۸۷	۱۲	حکمت ملی	حکمت عملی	۵۷۷	۴	پارلیمینٹ	پارلیمنٹ
۴۲۲	۶	احتجاج	احتجاج	۵۷۷	۱۷	پابند	پابند
۴۲۴	۹	طاقتول	طاقتوں	۵۷۷	۱۹	لسیکن	لیکن
۴۲۹	۶	توجیہ	توجہ	۵۷۸	۱۵	دے دیئے گئے ہیں	دے دیے گئے ہیں
۴۳۲	۲۵	لیامیٹ	ملیامیٹ	۵۷۸	۲۲	یمں	میں
۴۳۴	۱۲	کرتاتھا	کرناتھا	۵۷۹	۷	اس ہے	اس سے
۴۳۵	۲۲	تک ودوتک	تگ ودوتک	۵۷۹	۱۷	کوگسی	کوکسی
۴۴۲	۶	کابینہ	کابینہ	۵۸۰	۱۷	ثبوت حمتی	ثبوت حتمی
۴۸۱	۱۳	استرادا	استرداد	۵۸۲	۱۸	اصول لی	اصول کی
۴۸۲	۱۵	بنالی	بنائی	۵۸۳	۱۴	صروری	ضروری
۴۹۲	۲۱	اسکوتھ	اسکوئتھ	۵۹۰	۱۲	محلبس	مجلس
۵۰۱	۲۴	دمندہ	دہندہ	۵۹۲	۸	دلیے تھے	دیے تھے